مراثی نسیم

جلد سوم

★

چہاردہ معصومین کے چودہ مرثیے

مع خود نوشت سوانح حیات

شاعر آلِ محمد

نسیم امروہوی

مراثیِ نسیم

جلدِ سوم

★

چہاردہ معصومین کے چودہ مرثیے

مع خود نوشت سوانح حیات

شاعرِ آلِ محمدؐ

نسیم امروہوی

سنہ ۱۹۸۶ء
۱۴۰۶ھ

حسب ذیل پتوں پر دستیاب

۱۔ اظہار سنز، ۱۹، اردو بازار، لاہور
۲۔ افتخار بکڈپو (رجسٹرڈ) اسلام پورہ، لاہور
۳۔ امامیہ کتب خانہ، اندرون موچی گیٹ، حلقہ ۸، ۷، مغل حویلی، لاہور
۴۔ محفوظ بک ایجنسی، برون امام بارگاہ مارٹن روڈ، کراچی
۵۔ اندرون غلام گردش (پھاٹک) شاہ کربلا ٹرسٹ، رضویہ کالونی، کراچی
۶۔ مہران بک سینٹر، شاہی بازار، خیر پور میرس
۷۔ سید بنیاد علی، سگریٹ فروش، سبزی مارکیٹ، نزد مسجد رحمانیہ خیر پور میرس

ناشر
اظہار سنز، ۱۹۔ اردو بازار، لاہور

فہرست

مراثیِ نسیم جلد سوم مع خودنوشت سوانح حیات

خودنوشت سوانح حیات



میرے جد امجد

فرزدق ہند حضرت شمیم امروہوی اعلی اللہ مقامہ

شاعر دربار ریاست رام پور

متوفی: محرم ۳۲ھ



میرے والد

حضرت سید برجیس حسین برجیس اعلی اللہ مقامہ

متوفی: شوال [illegible]ھ



شاعر آلِ محمدؐ نسیم امروہوی

سنہ ۳۲ء میں



شاعرِ آلِ محمد نسیم امروہوی

سنہ ۸۶ء میں



میرا چھوٹا بھائی۔ سیّد صائم رضا رضوی

عمر ۷۶ سال سنہ ۸۶ء میں

میری اولاد





سیّد نعیم رضا پسر (۱) شمیم   سیّد حیدر رضا پسر (۲) شمیم   سیّد سلیم رضا پسر (۳) شمیم

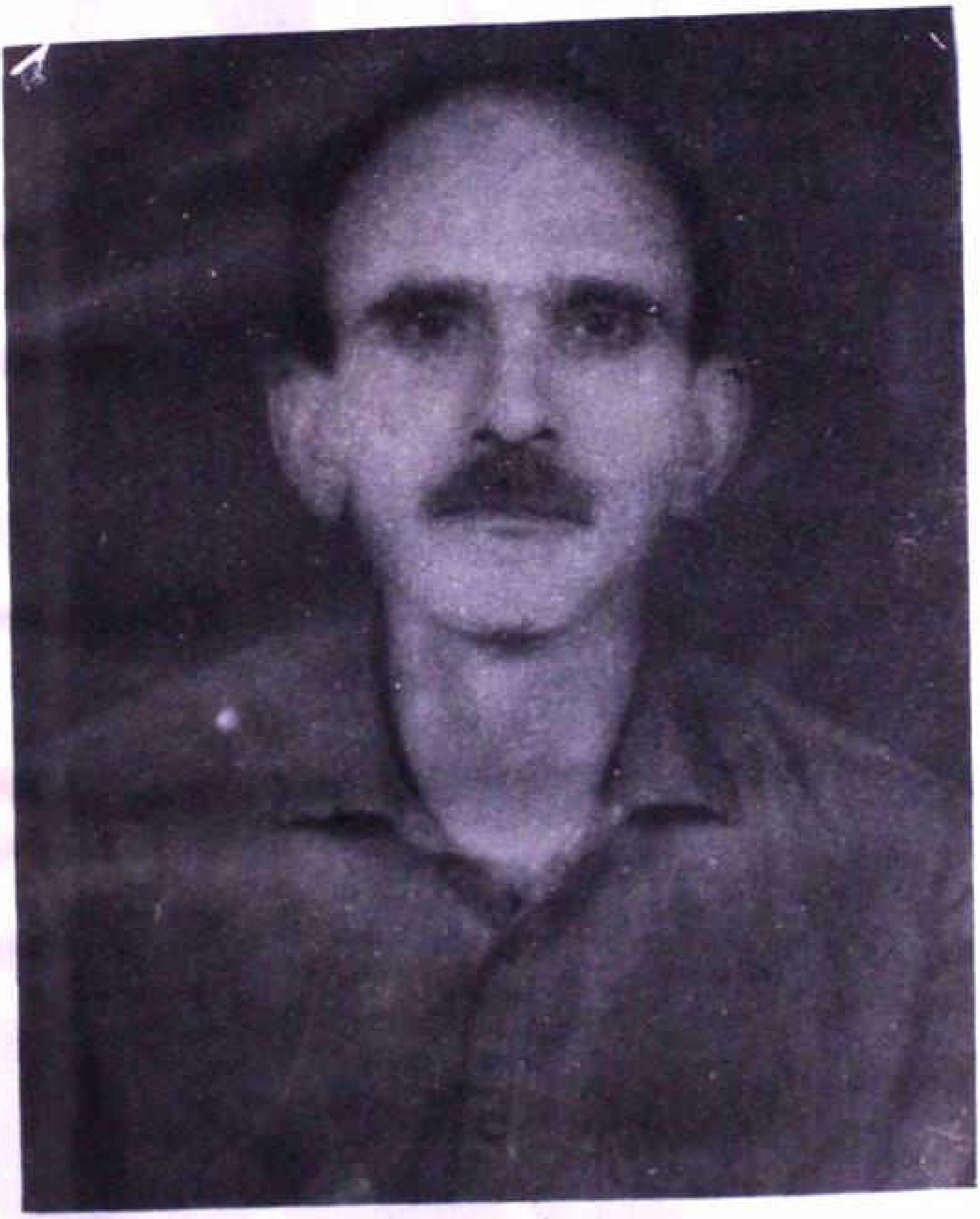


میرا بڑا بیٹا ۔ سیّد شمیم حیدر رضوی

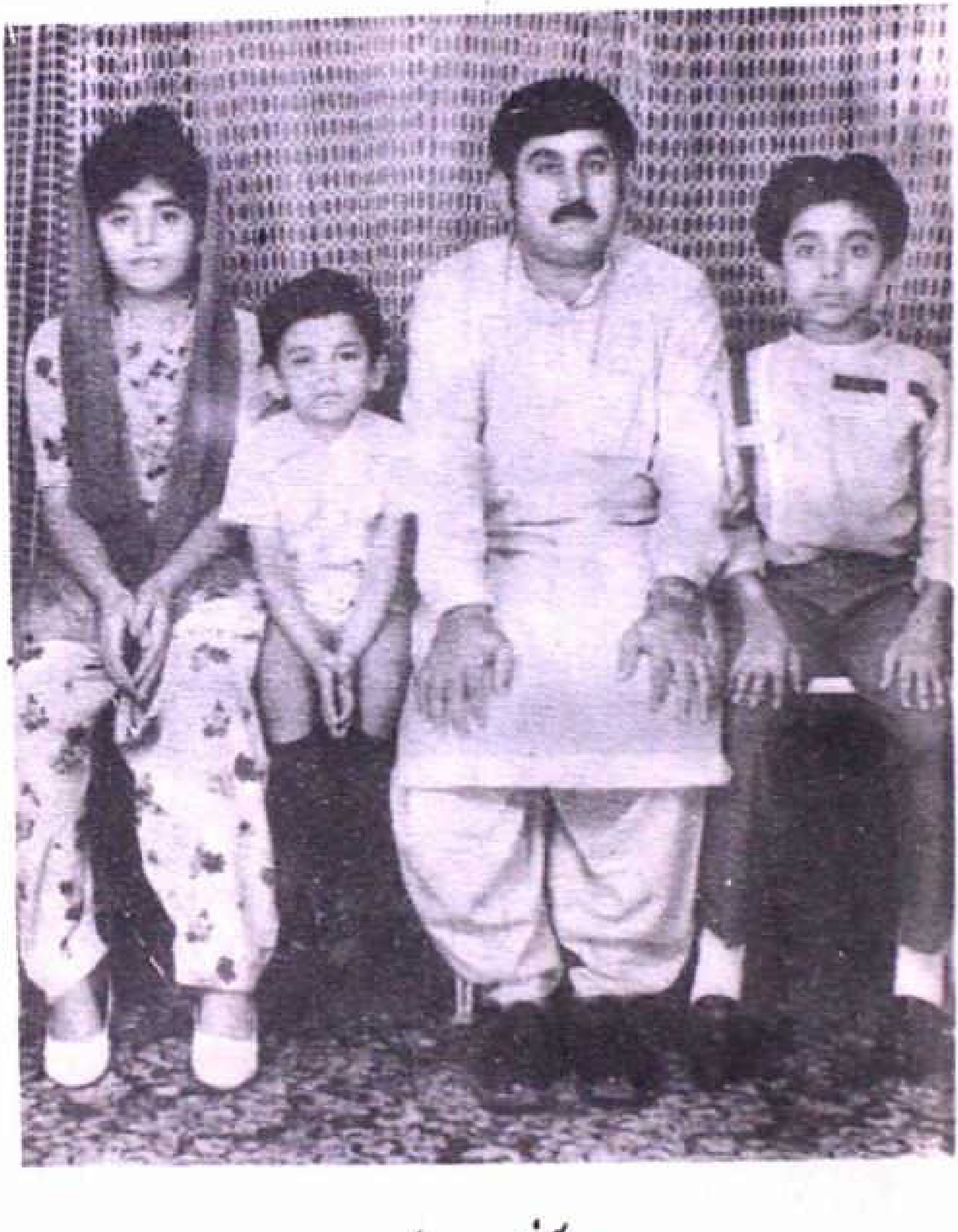





سیّدہ نیلوفر شمیم   سیّدہ فرح شمیم   سیّدہ ثمرین شمیم - سیّدہ صبا شمیم -



میرا منجھلا بیٹا
سید نسیم حیدر رضوی



میرا منجھلا بیٹا

سیّد کامران حیدر رضوی - سیّد قیم حیدر قیّم رضوی - سیّد عرفان حیدر رضوی

سیّد نرجس قیم رضوی -



میرا چھوٹا بیٹا

سیدہ سطوت زہرا   سید وسیم حیدر رضوی   سید محمد جواد حیدر

خودنوشت سوانحِ حیات

اپنی کہانی اپنی زبانی

ابھی وہ چند لوگ بقیدِ حیات ہیں، جنھوں نے میری زندگی کے بعض ادوار (شباب اور پیری) کو دیکھا ہے اور براہ راست حالات اور واقعات کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا ہے۔ ان حضرات کی تعداد روز بہ روز کم ہوتی چلی جارہی ہے اور میں بھی اب چراغِ سحری ہوں، مگر ایسے بزرگ اب تقریباً عنقاے معدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ جو میری پیدائش اور نشوونما کے حالات سے واقف تھے، بنابریں بہتر سمجھتا ہوں کہ جو کچھ مجھے یاد ہے اور گھرانے کے بزرگوں نے جو کچھ مجھے یاد دلایا اور بتلایا تھا اور ابھی تک لوحِ حافظہ پر ثبت ہے، ہوش و حواس گم ہونے سے پہلے اسے کاغذ پر منتقل کردوں سے

نوشتہ بماند سیہ بر سفید
نویسندہ را نیست فردا امید

جہاں تک میری علمی و ادبی مصروفیات کا تعلق ہے تو وہ کھلی کتاب کی حیثیت رکھتی ہیں، کیونکہ وہ ایسا تسلسلِ عمل ہے جو منظرِ اشاعت پر برابر آتا رہا ہے اور مجالس نیز ادبی اجتماعات کے ذریعے اس کی یاد دہانی اور تجدید و اعادہ ہوتا رہتا ہے۔ نیز میری ناچیز قلمی کاوشوں کے بارے میں کتابوں سے کئی معلومات کا حصول ممکن ہے۔ سنہ ۱۹۷۴ء میں مرکز سادات امروہہ کراچی نے جب میری مرثیہ گوئی کی گولڈن جوبلی منائی تھی تو اس موقع پر چار سو چوبیس صفحات کی ایک ضخیم کتاب "عرفانِ نسیم"، میری ادبی زندگی اور شخصیت کے بارے میں شائع کی تھی۔ اس کتاب میں سنہ ۱۹۵۰ء (میری ہجرتِ پاکستان) سے لے کر اب تک میری تخلیقاتِ علمی و شعری کے بارے میں مختلف اہلِ قلم کے مقالات یکجا کردیے گئے ہیں۔ مشہور نقاد پروفیسر وقار عظیم

نے اپنے ڈیڑھ سو صفحے کے طویل مضمون میں میری ادبی اور قلمی کاوشوں اور کوششوں کا جائزہ لیا ہے۔ اور سندھ کے مشہور اہلِ قلم پیر حسام الدین راشدی (مرحوم) نے میری شخصیت پر روشنی ڈالی ہے اور ذاتی تجربات کی بنا پر میرے علمی معیار سے بحث کی ہے۔ حال میں عزیز الوجود ڈاکٹر ہلال نقوی نے اپنے طویل و بسیط مقالے میں، جس کا ٹائپ کیا ہوا مسودہ آٹھ نو سو صفحات پر مشتمل ہے، میری شعر گوئی اور احوال کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اسی مقالے پر انھیں کراچی یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملی ہے۔ چونکہ ان کا موضوع بیسویں صدی کے ایک محدود حصے کو محیط ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ وہ ایک حد تک ہی میری سرگزشتِ زندگی کے بارے میں کچھ لکھ سکتے تھے۔ ان سے پہلے عزیزم سید محمد رضا کاظمی بھی اپنے مقالے میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ ان کے بعد عزیزم سید ضمیر اختر نقوی نے بھی اپنے ذرائع سے معلومات بہم پہنچا کر کچھ نہ کچھ لکھا ہے لیکن ان جملہ مضامین کا تعلق میری اس ادبی زندگی سے ہے ــــ جو جوانی اور بڑھاپے کی سرگرمیوں تک محدود ہے ــــ کسی نے میری پیدائش، بچپن، لڑکپن اور عنفوانِ شباب کو موضوع بنا کر کچھ نہیں لکھا۔ بلکہ ان منزلوں سے ہر ایک سرسری طور پر گزر گیا ہے۔

آپ کو اندازہ ہوگا کہ کسی مردِ کار کی زندگی میں اس کے بچپن اور لڑکپن کو امید افزا یا مایوس کن ہونے کے زاویۂ نگاہ سے کتنی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح عنفوانِ شباب کا دور کس قدر ہیجان انگیز ہوا کرتا ہے۔ یہی وہ زمانے ہیں جن میں فرد کی شخصیت کی نشوونما ہوتی ہے اور طفولیت کے دل میں امنگ اور نوجوانی کے سینے میں عزم و عمل کے شعلے فروزاں ہونے شروع ہوتے ہیں اور اسی وقت اس کے مستقبل کی وہ بنیاد رکھی جاتی ہے، جو آئندہ شخص کو شخصیت کا مرتبہ بخش دیتی ہے۔ اس عہدِ زندگی میں میرے حالات بہ طورِ خاص سبق آموز ہیں۔ ان واقعات کے مطالعے سے نئی نسل

کے بچوں اور لڑکوں کا یہ احساس بیدار ہوگا کہ ایک "بے سہارا بچہ"[1] ذاتی ذوق و شوق اور خود ارادی محنت اور جدوجہد سے کس طرح موجودہ درجۂ ارتقا تک پہنچا ہے۔ میری بے وسیلہ زندگی اور پھر اس میں انتھک محنت و جانفشانی کے بعض واقعات ممکن ہے کہ نسلِ نو کے لیے ایک نمونہ بن جائیں۔ آج میں جو کچھ ہوں، اس کی بنیاد درحقیقت اسی دور میں پڑی تھی۔

بعض مخلص احباب کا اصرار تھا کہ میں اپنے قلم سے اپنے سوانحِ حیات قلمبند کردں تاکہ اس کے مختلف اجزا، مختلف لوگوں کے لیے زندگی کی گوناگوں تاریکیوں میں شمع راہ ثابت ہوں۔ بلاشبہ ان احباب کی رائے مستحسن اور ان کا اصرار بجا! لیکن میری موجودہ زندگی کا نہج کچھ عجیب سا ہے۔ میری معیشت کا انحصار میری روزانہ کی قلمی اور دماغی مشقت پر ہے اور یہ مشاغل ____ جن کے بغیر چارہ نہیں ____ ہر بار اس ارادے میں حائل ہوجاتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں اور آج بھی یہ کشمکش جاری ہے۔ اس باب میں کوئی پچیس سال پہلے میرے عنایت فرما جناب کریم بخش خالد (ڈائرکٹر انفارمیشن) نے تحریک کی تھی، جبکہ انھوں نے مجھے میری "تاریخِ خیرپور" (مطبوعہ ۵۵ء) کا جزو بنانے کے لیے ایک مقالہ لکھ کر دیا تھا[2] "ہمارے شہر کا ایک زندہ شاعر اور ادیب" ____ اسی وقت یہ فرمائش بھی کی تھی کہ ____ آپ اب ایک ایسے ملک میں آکر بس گئے ہیں جس کی اکثریت آپ کی شخصیت اور ادبی حیثیت سے ناواقف ہے، اس لیے آپ کو اپنے تعارف کے لیے ایک خودنوشت سوانحِ عمری شائع کردینا چاہیے ____ جب میں خیرپور سے ۱۹۶۱ء میں اردو بورڈ کی خدمات پر مامور ہوکر کراچی آیا تو علامہ رشید ترابی اعلی اللہ مقامہ

---

[1] راقم الحروف کی طرف اشارہ ہے جس کے بے سہارا ہونے کا حال آگے چل کر معلوم ہوگا۔

[2] یہ مقالہ میری شاعری پر ایک قسم کا تبصرہ تھا اور اب مطبوعہ تاریخ خیرپور میں شامل ہے۔

نے ایک موضوع خاص پر گفتگو فرماتے ہوئے مجھے اسی قسم کی کتاب لکھنے کا مشورہ دیا۔ مگر یہ بات اس وقت میری عدیم الفرصتی کے باعث آئی گئی ہوگئی۔ ایک دن ان کے صاحبزادے جناب نصیر ترابی سلمہٗ نے اس ضرورت کا احساس دلایا۔ ان کے علاوہ قاریِ مرثیۂ انیس جناب سید سبط حسن انجم نے کراچی ہیں، اور جناب سید وحید الحسن ہاشمی (ہیڈ ماسٹر) نے لاہور میں اسی موضوع پر گفتگو کی سب سے زیادہ پر زور اور مسلسل اصرار برادرم جناب رئیس امروہوی کا ہے جو تقریراً و تحریراً اس فرمائش کا اعادہ کرتے رہتے ہیں۔ جب کبھی ملاقات ہوتی ہے یا خط آتا ہے، وہ تقاضا کرتے ہیں کہ وہ ہماری خواہش کب پوری ہوگی کہ آپ اپنے قلم سے اپنی ابتدائی زندگی کے چند ابواب تحریر فرمائیں گے۔ اب کی بار جو انھوں نے تقاضا کیا اس کا خاتمہ اس مصرع پر تھا۔ اے زفرصت بے خبر در ہرچہ باشی زود باش۔ جسے پڑھتے ہی میں چونک پڑا اور سوچنے لگا کہ اب میں اپنی عمر کے اسی سال پورے کر چکا ہوں۔ صحت بھی زوال پذیر ہے اور عمر بھی اختتام پذیر۔ رات تھوڑی رہ گئی ہے اور داستان ابھی شروع بھی نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس ناتوان کے لیے جو ہر سانس پر حضرت عزرائیل کی زیارت کا منتظر ہے۔ کسی مفصل و مکمل سوانحِ عمری کے لیے قلم اٹھانا، کتاب کو نامکمل چھوڑ جانے کا تہیہ کر لینے کے مترادف ہے، البتہ اتنا کام شاید پورا ہو جائے کہ اس مجموعے کے آغاز میں بطور اختصار اور بہ لحاظِ اجمال اپنی پیدائش، تعلیم، تربیت آغاز شعر گوئی اور مشقِ سخن کے زمانے کے قابلِ ذکر واقعات لکھ دوں تاکہ اس کے حالات جو کلیتہً صرف مجھکو اور جزواً برادرم رئیس امروہوی کو بھی معلوم ہیں، بساطِ زیست تہ ہونے سے پہلے معرضِ تحریر میں آجائیں اور وہ لوگ جو میرے باپ دادا کی شہرت اور ان کے ادبی کارناموں سے واقفیت کی بنا پر اس خیال میں مبتلا ہیں کہ مجھے دو ایسے بزرگوں کی تربیت اور سرپرستی حاصل رہی ہے جو فنِ مرثیہ گوئی میں کمال رکھتے تھے۔ اور وہ مجھے اس فنِ شریف کے بارے میں سب کچھ سکھا گئے ہیں اور اب جو کچھ برا بھلا

میں کہہ لیتا ہوں یہ سب انھیں بزرگوں کا فیض ہے، تو انھیں معلوم ہو جائے کہ میں اپنی ازلی بدنصیبی کی بنا پر اس فیضان سے محروم رہا ہوں، کیونکہ ع

جب اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

امر واقع یہ ہے کہ مجھے اپنے بزرگوں سے استفادے کا سال چھ مہینے بھی موقع نہ مل سکا۔ یہ جو کچھ مجھے حاصل ہوا وہ میری والدہ کی دلچسپی اور ان کی مادرانہ تاکید اور میری ذاتی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ البتہ شعر و ادب کے موروثی رجحان کی کارفرمائی کا اعتراف ضروری ہے۔ میری زندگی ہر مرحلے اور ہر موڑ پر SELF MADE کی حیثیت رکھتی ہے اور میرے حالات کے تدریجی ارتقا سے قرآن مجید کے اس اصول کی تصدیق ہوتی ہے کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ — مختصر یہ ہے کہ محنت کا صلہ اور مطلوبہ عظمت اسی کو ملتی ہے جو اول کسی مقصد کی تکمیل اور کسی چیز کے حصول کا عزم صمیم کرے اور پھر اس کے لیے دلی شوق، لگن اور محنت کے ساتھ پوری کوشش کرتا رہے تو انجام کار وہ بہ توفیق الٰہی کامیاب و کامران ہو جاتا ہے۔

برادرم جناب رئیس امروہوی نے اپنی رائے کی تعمیل پر زور دیتے ہوئے یہ اشارہ بھی کیا کہ شاعر کی فطرت، ذہنیت اور اس کے ماحول و حالات کو جانے بغیر ایک نقاد اس کے کلام کی صحیح قدر و قیمت کے تعین میں ناکام رہتا ہے اور اس کی شعری حاصلات پر صحیح تبصرہ نہیں کر سکتا۔ رئیس صاحب نے اس نکتے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے یاد دلایا کہ ابتدائے شباب سے اب تک آپ کی زندگی ایسے حالات سے بالکل متضاد اور مختلف النوع گزرگاہوں سے گزری ہے۔ اس لیے اپنے کلام کو پہچنوانے کی غرض سے بھی ان واقعات کو منظر عام پر لانا ضروری ہے جو آپ کی شاعری پر اثر انداز ہوئے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ مشورہ معقول تھا، تسلیم کرنا ہی پڑا۔ چنانچہ زیرِ نظر اوراق میں اپنی پیدائش سے لے کر نشوونما اور پنپنے کے

وقت (۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۲ء) تک کے حالات قلمبند کر رہا ہوں :

نہ پوچھ نامۂ اعمال کی دل آویزی
تمام عمر کا قصہ لکھا ہوا پایا

عمر نے وفا کی اور مشیت الٰہی ہوئی تو بقیہ عمر کے حالات بھی سپردِ قلم کرنے کا سلسلہ جاری رکھوں گا۔ ممکن ہے کہ اس طرح مرثیہ گوئی کے رموز اور شاعری کے بہت سے ایسے اسرار و خوامض کے چہرے سے نقاب اٹھ جائے جن کا جاننا، سمجھنا اور برتنا ہر پختہ کار اور اہلِ فن شاعر کے لیے ضروری ہے۔

تکبیروں کی گونج میں میرا تولّد

والد کے وعدے اور دادا کی پیش گوئیاں

میں دوشنبہ، ۲۷ رجب المرجب ۱۳۲۶ھ، مطابق ۲۴ اگست ۱۹۰۸ء کو بمقام امروہہ ضلع مراد آباد، یو۔پی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بعثتِ مبارکہ کے دن، اپنے دادا فرزدقِ ہند حضرت شمیم امروہوی (شاعر دربار ریاست رام پور) کے دیوانخانے میں۔ جو بڑا امرکان کہلاتا تھا۔ فجر کے اُس لمحے میں تولّد ہوا جبکہ بڑوس کی مسجد کا موذن اذان صبح کی پہلی تکبیر کہہ رہا تھا۔ کنبے کی خواتین نے بعثت کے متبرک دن، اور اذان صبح کی تکبیر اوّل، ان دونوں باتوں کو میرے حق میں فالِ نیک سمجھا۔ مجھ سے پہلے میری ایک بہن اور چار بھائی پیدا ہوتے ہی یا دس پانچ دن زندہ رہ کر اللہ کو پیارے ہو جاتے تھے۔ صرف بڑی بہن زندہ تھیں جو اس وقت بھی بحمد اللہ نوے سال کی عمر میں زندہ ہیں۔ والد مرحوم (سید نبر جیس حسین برجیس) میرے مرحوم بہن بھائیوں کی پے در پے اموات سے بہت

شکستہ دل ہو چکے تھے۔ انسان کی فطرت ہے کہ ایسی دل شکستگی کے عالم میں یا تو خدا اور مذہب سے بغاوت پر اتر آتا ہے، یا جنون اور دیوانگی کی حد تک خدا اور مذہب پر شیفتہ ہو کر دعاؤں اور تعویذوں اور بزرگانِ دین سے لو لگانے کو حصولِ مطلب کا واحد وسیلہ سمجھنے لگتا ہے۔ والد مرحوم کو ان کی دل شکستگی نے اولیاء اللہ کی بارگاہ میں تضرع و زاری کے لیے جھکا دیا تھا۔ غالباً یہ اس بات کا اثر تھا کہ انھوں نے ددھیال اور ننھیال دونوں گھرانوں میں اہلِ علم اور پابند شرع اصحاب کی گود میں پرورش پائی تھی، پھر مرثیہ گوئی کے ماحول میں ان کی چوتھی پشت تھی، یعنی بر حبیب بن جواد حسین شمیم بن حیدر حسین یکتا بن خادم حسین رذی اور خود بھی مرثیہ کہتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ حسین کے مرثیہ گو کو حسین سے بے پناہ محبت و عقیدت ہوتی ہے ع

بلبل شود کہ قافلۂ گل ہمیں بس است

چنانچہ والد مرحوم اسی جوشِ عقیدت میں اٹھے اور مجھے ماں کے پہلو سے اٹھا کر اپنی گود میں لیا اور مسجد و عزاخانہ کی طرف لے چلے۔ ہمارے دیوان خانے کی مشرقی دیوار مسجد اور امام باڑے کی دیوار سے بالکل متصل تھی۔ گویا دونوں دیواریں چپکی ہوئی تھیں۔ اس دیوار میں ایک کھڑکی تھی جس سے گزر کر بائیں جانب کوئی دو گز اونچی کرسی پر مسجد تھی اور دائیں جانب اتنی ہی بلندی پر امام باڑہ۔ بیچ میں راستہ اور صحن تھا۔ والد مرحوم اسی کھڑکی سے گزر کر اول مجھے مسجد میں لے گئے اور وہاں منبر اور تبرکات سے میرے جسم کو مس کیا۔ پھر وہیں میرے کانوں میں اذان اور اقامت کہنے کی سنت ادا کی۔ پھر مجھے لے کر عزاخانے میں تشریف لائے۔ جہاں شرقاً غرباً بنے ہوئے اور رنگ برنگ ترشے ہوئے شیشوں سے مرصع دیواروں کے طویل و عریض ہال میں جنوب کی جانب تین چھوٹے چھوٹے کمروں میں امامِ مظلوم، امام موسیٰ کاظم اور امام علی رضا کے مزاراتِ مقدسہ کی شبیہیں رکھی رہتی تھیں۔ والد نے یکے بعد دیگرے ان کمروں کے دروازے کھولے اور تینوں

ضریحوں سے میرے جسم کو مس کیا اور پھر مجھے امام حسین کی ضریح اقدس کے پاس دری کے فرش پر لٹا دیا اور (جن لفظوں میں بھی ہو) یہ معروضہ پیش کیا۔ "مولائے کربلا! یہ بچہ آپ کے توسط سے آپ کے نانا کی نذر ہے۔ جیتا رہا تو میں آپ کے گھرانے کی خدمت کے لیے وقف کردوں گا اور وہی تعلیم دلاؤں گا جو اس مقصد کے لیے ضروری ہے۔" یہ کہتے ہوئے مجھے وہیں چھوڑ کر الٹے پاؤں باہر آئے اور ضریح کا دروازہ بند کر دیا۔ یہاں تو یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور وہاں گھر میں سب لوگ واپسی کے منتظر تھے۔ جب زیادہ دیر ہوئی تو دادی صاحبہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے میری بڑی بہن اسی کھڑکی سے گزر کر جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ مسجد اور امام باڑے کے صحن میں آگئیں۔ یہاں پہنچ کر جب مجھے والد مرحوم کی گود میں نہ پایا تو دادی صاحبہ نے گھبرا کر پوچھا۔ برجیس! بچہ کہاں ہے؟ والد مسکرائے اور جواب دیا کہ اسے امام حسین کے سپرد کر دیا اور اب وہ ان کی ضریح اقدس میں بند ہے۔ دادی صاحبہ نے ضریح امام حسینؑ کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ میں شبیہ مزار سید الشہدا کی طرف منہ کیے پڑا ہوں اور ہمک ہمک کر مسکرا رہا ہوں۔ دادی صاحبہ نے آگے بڑھ کر مجھے گود میں اٹھا لیا اور فرمایا کہ بی بی کے لال نے میرے پوتے کو قبول کر لیا۔ دیکھو تو کیا ہنس رہا ہے۔ یہ کہہ کر مجھے گھر کی طرف لے چلیں۔ والد بھی ضریح کا کمرہ بند کر کے ان کے پیچھے پیچھے گھر آگئے۔ چار پانچ دن سے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد بارانِ رحمت کا سلسلہ جاری تھا۔ اسے بھی مولود کے لیے فالِ نیک سمجھا گیا۔

دادا مرحوم دربارِ ریاست سے تعلق کے سبب رام پور میں تھے۔ دادی صاحبہ نے نانا مرحوم (سید زکی حسن صاحب) سے خط لکھوا کر ایک ملازم کے ہاتھ رام پور بھیج دیا۔ مرحوم نے خط کھولا اور پڑھ کر بہت خوش ہوئے۔ قاصد کو انعام و اکرام دیا۔ مٹھائی تقسیم کی۔ اور میرا نام قائم رضا تجویز کیا۔ یہ نام کئی پوتوں کی موت کے بعد تفاؤل کی

حد میں ان کے دلی جذبات اور خواہش کا آئینہ دار ہے۔ اسی وقت ارتجالاً ایک رباعی ارشاد فرمائی، جو دراصل میرے تولّد کی تاریخ ہے:

شوقِ ہنر و کمال دائم رکھّے　　　　اونچے درِ خیبر سے عَلَم رکھّے
اے کاش اجل کا سر قلم کرکے شمیم　　　　قائم کو خدا جہاں میں قائم رکھّے

— چوتھے مصرعے کے اعداد ۱۳۲۷ ہوتے ہیں۔ ان میں سے "اجل" کے سر یعنی الف کا ایک عدد کم کر دیں (جیسا کہ تیسرے مصرعے میں اس کی جانب اشارہ ہے) تو ۱۳۲۶ رہ گئے! اور یہی میرا سالِ پیدائش ہے — اس رباعی کے ساتھ نانا کے خط کا جو جواب قاصد کے ہاتھ بھیجا۔ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ میرے بہت سے بیٹے پوتے اور نواسے پیدا ہوئے مگر میں نے کسی کی تاریخِ ولادت نہیں کہی۔ البتہ اس بچے کا مژدہ سن کر جیسے یہ القا ہوا کہ تاریخ کہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ یہ بچہ عمرِ طویل پائے گا اور میرا جانشین ہوگا۔ برجیس سے کہہ دیجیے کہ وہ دو رکعت نمازِ نذر (مستحب) پڑھ کر اس بچے کو صدقِ دل سے امام حسین کے لیے وقف کر دے۔ انشاءاللہ زندہ بھی رہے گا! اور باپ دادا کا بستہ بھی سنبھالے گا۔

میری دادی صاحبہ مرحومہ ایک پختہ عقائد کی نمازی، روزہ دار اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ میرے بچپن میں انھوں نے یہ سب واقعات مجھے سنائے اور اس طرح ادا کیے جس طرح بڑی بوڑھیاں بچوں کو کہانی سنایا کرتی ہیں۔ مرحومہ بار بار مجھے یہ ہدایت کرتی تھیں کہ بیٹا تمھارے باپ دادا نے تمھیں امام حسینؑ کی نذر کر دیا ہے۔ تم ہمارے نہیں۔ امام حسینؑ کے ہو۔ باپ دادا کی رباعیاں یاد کرو اور امام حسینؑ کی مجلس میں پڑھا کرو۔ کبھی فرماتیں کہ تمھارے مالک امام حسینؑ ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنے مالک کی مرضی پر چلے۔ دیکھو سلیمہ (اصیل) ہمارے ہاں رہتی ہے اور مجھے اپنی مالکہ سمجھتی ہے تو میری مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتی۔ امام حسینؑ

نماز پڑھتے میں شہید ہوئے اور نماز پر اپنی جان قربان کر دی۔ انھیں نماز بہت پیاری تھی۔ وہ اسی سے خوش ہوں گے جو نماز پڑھے۔ تمھیں چاہیے کہ اپنے مالک کی مرضی کو پورا کرو اور پنج وقتہ نماز پڑھنے سے ذرا بھی غفلت مت برتو۔

نسب کی رو سے میں آنحضرتؐ کی اولاد ہوں اور ۲۹ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد میرا سلسلہ بام تقویٰ کے صدر نشین حضرت امام محمد تقیؑ سے مل جاتا ہے جو آنحضرتؐ کی آٹھویں پشت میں تھے۔ مسلک کے اعتبار سے شیعۂ اثنا عشری ہوں، مگر ددھیال اور ننھیال میں دونوں طرف کے کچھ لوگ شیعہ ہیں اور کچھ سنی۔ مثلاً شوہر شیعہ بیوی سنی یا بالعکس باپ یا ماں سنی اور اولاد شیعہ۔ اس لیے میرے گھرانے کی تربیت میں اس بات کو بڑی اہمیت بلکہ اوّلیت حاصل ہے کہ دوسرا کلمہ گو چاہے کسی مسلک پر گامزن ہو اس سے دوئی برتنا توحید باری تعالیٰ کے انکار کے برابر جرم سمجھا جاتا ہے [دیکھ لیجیے آج مرکز سادات امروہہ کے ارکان اسی تربیت خاندانی کے اثر سے سنی بھی ہیں اور شیعہ بھی] البتہ آل رسول کو ہر حال میں یاد کرنا اور یاد رکھنا پورے خاندان کا دین و ایمان ہے جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خاندان کی خواتین بچوں کو اٹھتے بیٹھتے محبت اہل بیت کا سبق دیتی ہیں بلکہ لوریوں میں بھی اس سبق کو نہیں بھولتیں۔ چنانچہ جب میں کچھ سیانا ہوا تو دادی صاحبہ نے مجھے سنا کر والدہ سے کہا۔ "کنیز سیدہ! جب قائمؔ، رات کو اپنا سبق یاد کر کے نمٹا کرے تو اس سے ایک آدھ شعر امام حسینؑ یا ان کے عزیزوں کی شان میں کہلوایا کرو یا سنا کرو۔ ہمارے بڑے امام باڑے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لے کر امام مہدی آخر الزماں تک سب کی پیدائش کے دن محفل منعقد ہوتی تھی اور اس میں نو تصنیف قصیدے اور منقبتیں پڑھی جاتی تھیں۔ جب کسی محفل کے دن قریب آتے تو دادی صاحبہ اور والدہ مرحومہ بھی مجھے بار بار یاد دلاتیں کہ فلاں محفل قریب آ گئی ہے۔ اس لیے شعر کہنا شروع کر دو۔ حضرت رسالتمآبؐ کی پیدائش

(۷ ارربیع الاول) میں تین چار دن باقی تھے۔ میں نے اس محفل کے لیے دو شعر کہے اور دادی صاحبہ کو سنائے۔ والدہ اور پھپی صاحبہ (مسماۃ مدینہ خاتون) نے بھی سنے جو منقبت وغیرہ کے شعر خود بھی کہتی تھیں۔ میں اس وقت گیارہ برس کا تھا۔ قرآن پاک ختم کر چکا تھا اور منشی حمید حسن صاحب مرحوم (محلہ حقانی امروہہ) سے مصدر فیوض اور اخلاقِ محسنی اور مولانا سید باقر حسین صاحب مرحوم (محلہ نجشی امروہہ) سے میزان و منشعب پڑھا تھا:

ہمارے محمدؐ تمہارے محمدؐ سبھی (کذا) امتی کے ہیں پیارے محمدؐ

سحر اٹھ کے ہم جن کا پڑھتے ہیں کلمہ وہ ہیں آمنہ کے دلارے محمدؐ

والدہ مرحومہ اردو اور فارسی کی ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ میری پیٹھ تھپک کر بولیں۔ شاباش بہت اچھے شعر کہے ہیں۔ پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں "سبھی" کی جگہ "ہر اک" پڑھو تو شعر بہت اچھا ہو جائے گا۔ پھپی صاحبہ نے مجھے وہ غلطی بھی سمجھائی جو اس جگہ "سبھی" کے استعمال سے پیدا ہو گئی تھی — اس طرح میں نے محفلِ عام میں پڑھنے کے لیے سب سے پہلا شعر نعت میں کہا اور والدہ نے اس کی اصلاح کی۔ دادی صاحبہ نے فرمایا کہ تمہاری پیدائش کے بعد تمہارے دادا مرحوم نے جو خوشخبری دی تھی کہ تم باپ دادا کا بستہ سنبھالو گے، آج تمہارے شعر سن کر یقین ہوا کہ وہ بالکل ٹھیک اور الہامی بات تھی۔ اب تم جلدی جلدی مرثیے کہنے لگو تو ان کا بستہ تمہیں مل جائے گا۔ مرحومہ کی ان باتوں سے میرے دل میں اس بستہ کا مالک بننے کی امنگیں اٹھتیں اور یک گونہ سرخوشی کے عالم میں کھو جاتا۔ اٹھتے بیٹھتے شعر سوچتا اور کچھ نہ کچھ برا بھلا کہہ بھی لیتا۔ اس فکرِ سخن کا یہ نتیجہ نکلا کہ میں اوّل اوّل ٹوٹے پھوٹے اور پھر بہت جلد سچ مچ کے صحیح سالم اور تندرست شعر کہنے لگا۔

وعدوں اور پیش گوئیوں پر ایک نظر

قبل اس کے کہ میں بچپن اور تعلیم کے حالات قلمبند کروں، مناسب بلکہ ضروری

معلوم ہوتا ہے کہ والد مرحوم اور دادا مرحوم (اعلی اللہ مقامہما) نے میری پیدائش کے بعد بارگاہِ رسالت و امامت میں جو وعدہ کیا تھا اور ارمان بھری پیش گوئیاں کی تھیں ان پر تھوڑی سی روشنی ڈالتا چلوں کیونکہ ان کے بعض اجزاء پر میرے بچپن اور لڑکپن کے اکثر حالات سمجھنے کا انحصار ہے۔ مجموعی طور پر یہ پانچ باتیں تھیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) ضریحِ اقدس کی طرف رخ کر کے والد مرحوم نے مولائے کربلا سے ایک وعدہ کیا تھا جس کے دو جزو تھے (الف) اگر یہ بچہ جیتا رہا تو میں آپ کے گھرانے کی خدمت کے لیے اسے وقف کر دوں گا (ب) وہی تعلیم دلاؤں گا جو اس مقصد کے لیے ضروری ہے۔

اس وعدے کا پہلا جزو والد مرحوم (اور دادا بھی) اس لیے پورا نہ کر سکے کہ موت نے انھیں مہلت نہ دی اور دونوں بزرگ مجھے پانچ ساڑھے پانچ برس کا چھوڑ کر چل بسے مگر قدرت نے کچھ ایسا ڈھنگ ڈالا کہ ان کا یہ وعدہ اسی طرح پورا ہوا جس طرح وہ چاہتے ہوں گے اور جس کا جیتا جاگتا اور منھ بولتا ثبوت نسیم امروہوی کے روپ میں دنیا کے سامنے موجود ہے۔ میں نے بچپن سے اب تک، جب کہ میری عمر سال ہجری کے حساب سے اسّی برس کی ہے، امام حسینؑ اور ان کے انصار و اعزا کی خدمت (مدح و منقبت اور مرثیہ) میں ساری زندگی گزار دی ہے اور باوجودیکہ ہر قسم کے شعر (غزل، مثنوی، اخلاقی معاشرتی قومی اور سیاسی ہر قسم کی نظمیں وغیرہ) کہہ سکتا ہوں اور کہی ہیں، مگر خود کو مرثیہ گوئی کے لیے مختص کر دیا ہے۔ مرثیے کے علاوہ دیگر اصنافِ سخن کبھی اپنے نام سے کسی جلسے یا محفل میں نہیں پڑھتا اور اپنے نام کے ساتھ "شاعرِ آلِ محمدؐ" کے الفاظ دیکھ کر خوش ہوتا ہوں۔ ایک مرثیے میں بڑے مفتخرانہ لہجے میں کہہ چکا ہوں:

کل زندگی میں ایک نہیں شعر رائگاں — جز حمد و نعت و منقبت و مرثیہ بیاں

گو کہ میں شعر و شاعری پر جان چھڑکتا ہوں اور ہر نوع کے شعر سے حظ اٹھاتا ہوں، مگر مشاعروں میں شرکت نہیں کرتا۔ پارکوں وغیرہ میں منعقد شدہ مختلف الموضوع جلسوں

میں نہیں جاتا۔ صرف اس لیے کہ کوئی ایسا شخص کچھ پڑھنے کی فرمائش نہ کر بیٹھے جسے ٹالنا ممکن نہ ہو۔ دراصل ایسے مواقع پر میرے اندر کا آدمی مجھ سے کہتا ہے کہ منبر نشینِ مجالس و محافل کو دوسرے، عام جلسوں میں ذاکری کرنا عروج سے پستی کی طرف آنے کا مترادف اور مداحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لیے کسرِ شان ہے۔ البتہ یہ سوچ کر فخر محسوس کرتا ہوں کہ میں نے تقریباً سوا دو سو سے زیادہ مرثیے کہے ہیں اور جب تک زندگی ہے کچھ اور بھی کہوں گا، اور روزِ حشر حساب کتاب کے وقت جب یہ دفتر پیش ہوگا، تو مجھے میر ضمیرؔ و خلیقؔ اعلی اللہ مقامہما سے لے کر اب تک کے مرثیہ گویوں میں تعدادِ مراثی کے اعتبار سے صفِ اول میں جگہ ملے گی۔ یہ سب والد مرحوم اور دادا مرحوم کے خلوصِ نیت کا طفیل ہے۔

والد کے وعدے کا دوسرا جزو (جزو ب) اس طرح پورا ہوا کہ جب میں اردو کی رواجی کتابیں اور قرآن شریف نصف سے زیادہ پڑھ چکا تو نانا مرحوم نے (جو والد اور دادا کی رحلت کے بعد میرے سرپرست تھے) مجھے انگلش پرائمر شروع کرائی۔ رات کو جب والدہ حسبِ معمول مجھے آج کا سبق یاد کرانے کے لیے بیٹھیں تو انگلش پرائمر کی شکل دیکھتے ہی مارے غصے کے آگ بگولا ہوگئیں۔ کتاب مجھ سے چھین کر پھاڑ ڈالی اور دوسرے دن جامعۂ نور المدارس (امروہہ) سے (جو ہمارے گھر سے کوئی دو ڈھائی سو قدم کے فاصلے پر تھا) منشی حمید حسن صاحب (مرحوم) کو بلوا کر مجھے ان کے سپرد کر دیا۔ مرحوم نے اسی دن مجھے گلزارِ دبستاں اور آمد نامہ شروع کرا دیا۔ وہ بدھ کا دن تھا۔ یہ اس لیے یاد رہ گیا کہ منشی جی نے والدہ سے کہا تھا کہ آج بدھ کا دن ہے جس کا تعلق عطارد (ستارے) سے ہے۔ جو منشیِ فلک کہلاتا ہے۔ اس لیے بدھ کا دن لکھنے پڑھنے کا نیا کام کرنے کے لیے نیک ہوتا ہے۔ اس طرح اول فارسی کا اور پھر کچھ ہی دن میں عربی کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوگیا۔۔۔ اور یہی وہ تعلیم تھی جس کا والد

مرحوم نے مولائے کربلا سے وعدہ کیا تھا۔

(۲) دادا مرحوم نے قائم رضا نام رکھا اور تاریخ ولادت پر مشتمل رباعی میں دعا مانگی کہ "اس بچے کے عزائم بلند ہوں اور یہ "قائم" رہے"۔ مرحوم کی یہ دونوں دعائیں قبول ہوئیں۔ ہمارے ملک میں انسان کی عمر طبعی عموماً ساٹھ برس ہوتی ہے اور میں اب اسّی برس کا ہو گیا۔ بحمداللہ صحت ایسی ہے کہ صبح تہجد کے وقت اٹھتا ہوں خود آگ جلا کر حقّہ بھرتا ہوں۔ اپنے لیے خود چائے بناتا ہوں۔ سردی کا موسم ہوا تو وضو کے لیے پانی خود گرم کرتا ہوں۔ ضروریات اور نماز سے فارغ ہو کر ایک صوفے پر بیٹھ جاتا ہوں۔ یہ نشست مغرب کی اذان تک برقرار رہتی ہے۔ البتہ بیچ میں کچھ وقت ناشتے اور نمازِ ظہر وعصر میں خرچ ہوتا ہے۔ کھانا دن میں نہیں کھاتا لیکن دوبار چائے پیتا ہوں۔ اس میں بھی چند لمحات کے لیے کام معطل ہوتا ہے۔ باقی سارا وقت نظم کہنے یا نثر لکھنے میں گزرتا ہے۔ ارادے کتنے بلند ہیں؟ اس کا جواب میرے حالات پڑھنے سے معلوم ہوگا۔

(۳) دادا مرحوم نے پیش گوئی کی اور اسے القائے تعبیر کیا کہ "یہ بچہ طویل عمر پائے گا"۔ اس کی تصدیق و توثیق اس دعا کی مقبولیت سے ہو گئی جس کا نمبر (۲) میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ درحقیقت یہ ایک القا تھا جوان شاعروں کو جو آیہ قرآنی الّا الّذین آمنوا و عملوا الصّالحات میں گمراہ کن شاعری سے مستثنیٰ قرار دیے گئے ہیں، اکثر عالمِ محویت میں ہوا کرتا ہے۔

(۴) دادا مرحوم نے بڑے اعتماد اور یقین سے فرمایا کہ یہ بچہ میرا جانشین ہوگا۔ اگرچہ میں حضرت فرزوقِ ہند شمیم امروہوی کے ایسے پُرگو اور ہمہ گیر شاعر کی جانشینی کا اہل نہیں مگر اس بات کی روک ٹوک میرے بس سے باہر ہے کہ لوگ میرے لیے ایسا ہی کہتے ہیں۔ مرحوم کے شاگردِ رشید نواب سید باقر علی خاں فہیم مرحوم رئیس

جانسٹھ نے امروہہ کی مجلس میں میرا پہلا مرثیہ سن کر رسمِ دستار بندی انجام دی تھی (دیکھیے عرفانِ نسیم صفحہ ۲۳) مگر میں ایسی تمام باتیں تو محض اتفاقی خیال کرتا ہوں۔ البتہ میرے اور دادا مرحوم کے مرثیوں کی تعداد وغیرہ قدرِ مشترک ہے۔ مرثیہ نگارانِ امروہہ کے مصنف نے صفحہ ۵۶ پر لکھا ہے۔ "شمیم صاحب کے مرثیوں کی تعداد ۲۵۰ سے زیادہ ہے" میں نے اب تک سوا دو سو سے کچھ زیادہ مرثیے کہے ہیں اور ارادہ ہے کہ اگر دو چار سو برس اور بھی سانس چلتی رہی تو کل انصارِ حسینی کے مرثیے بھی کہہ لوں گا جن میں سے اب تک حرؑ، حبیب اور وہب کلبی کے مراثی کہہ چکا ہوں۔ گو کہ مرثیوں کی تعداد میں دادا کی جانشینی متحقق ہے۔ مگر فی الوقت قدرے کمی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جانشین کو بہر حال مالکِ مسند اور مورث سے کم ہونا چاہیے۔

(۵) دادا مرحوم نے پیش گوئی کی کہ یہ بچہ باپ دادا کا بستہ سنبھالے گا۔

اس جملے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک بطور کنایہ اور دوسرے بطور صراحت۔ بطور کنایہ تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ یہ بچہ باپ دادا کی طرح مرثیہ گوئی کا فن اختیار کرے گا، ان معنی میں یہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ دوسرے معنی اس جملے کے یہ بھی ہوتے ہیں کہ باپ دادا کے بستوں میں جس قدر کلام ہے وہ سب ترکے میں اس بچے کو ملے گا اور یہ اس کلام کو قدر شناسی کے ساتھ سنبھال کر رکھنے کا اہل ہوگا۔ اگر مرحوم کی پیش گوئی کے یہ معنی مراد لیے جائیں تو پھر یہ ایک فی صدی بھی درست ثابت نہ ہوئی۔ بستہ ملنے اور اس کو سنبھالنے کا تو کیا ذکر ہے آج تک اس بستے کی زیارت بھی نصیب نہ ہو سکی۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کچھ نہ کچھ مصلحت ہوگی۔ شاید یہ مصلحت ہو کہ اگر کسی کی زبان سے نکلی ہوئی سب ہی پیش گوئیاں حرف بہ حرف پوری ہو گئیں تو کہیں لوگ اسے ولی اللہ یا اس سے بھی کچھ زیادہ نہ کہنے لگیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشیتِ ایزدی یہ چاہتی

ہو کہ یہ کلام جواب تک مقید رہا آئندہ مقید نہ رہے۔ ملک بھر کے اہلِ ذوق میں تقسیم اور شائع ہو جائے۔ زیادہ سے زیادہ لوگ اسے پڑھیں اور مصنف کو ہمیشہ ہمیشہ اس کا ثواب پہنچتا رہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میری محرومیت میں خود میری ترقی کے راز مضمر ہوں کیونکہ اگر یہ بستہ مجھے مل جاتا تو میری مرثیہ گوئی میں کمی ضرور آجاتی جس کے بعد بہت سا مرثیائی ادب جو میرے قلم سے تخلیق ہوا، وجود پذیر نہ ہوتا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی جو بھی مصلحت ہو، دادا مرحوم کی یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی اور باپ دادا کا بستہ سنبھالنے کے لیے مجھے نہ مل سکا۔ کیوں؟ یہ ایک طویل داستان ہے جس کو جاننے اور سمجھنے کے لیے کم و بیش بائیس سال کی عمر تک میرے حالاتِ زندگی پر عبور ضروری ہے۔ لہٰذا آگے چل کر "دادا مرحوم کے سرمایۂ کلام کی بربادی" کے عنوان سے اس موضوع پر روشنی ڈالی جائے گی۔

شیر خواری سے یتیمی تک

رحمتِ الٰہی کے مذکورہ بالا انعامات کی بارش میں فطرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ وہ قدم قدم پر رحمتِ الٰہی سے برسرِ پیکار رہی، مگر انجام کار ہر مرحلے پر رحمت کا مقابلہ کر کے منھ کی کھائی۔ میری ولادت کے بعد فوراً والدہ علیل ہوگئیں۔ خاندان کے حکیم جناب سید حید رنذر نقوی مرحوم نے جو ہمارے ہم جدّی اور خانوادۂ طب کے تعلیم یافتہ اور تجربہ کار معالج تھے، بچے کو (یعنی مجھے) ماں کا دودھ پلانے کی ممانعت کر دی۔ اب ایک خاص قسم کی گھٹی اور سادی چائے غذا مقرر ہوئی اور اسی سے جسم میں ایسی توانائی پیدا ہونے لگی کہ فطرت دیکھتی رہ گئی۔ بعض بڑی بوڑھیوں نے بکری یا گائے کا دودھ (سادہ یا مخلوط بہ آب) پلانے کا مشورہ دیا۔ مگر حکیم صاحب نے برسات کا موسم ہونے کے باعث اسے مسترد کر دیا۔ کچھ دن کے بعد گھٹی بھی بند ہوئی۔ اور اب

سادی چائے بھی اور سہم! جس کا سلسلہ کم و بیش دو سال جاری رہا۔ اس مدت میں اگر کوئی دودھ کے دو چار قطرے بھی منہ میں چوا تا تو میں اُگل دیتا۔ البتہ کچھ پھلوں کے عرق شوق سے پی جاتا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی انگلی کے پورے نمک لگا کر میرے ہونٹوں پر رکھتا تو میں پوری طاقت سے اسے منہ میں لے کر چوستا رہتا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ نمک، رسولؐ کی بیٹی بی بی فاطمہ زہرا کا مہر ہے۔ بہرحال سادی چائے، پھلوں کے عرق اور نمک نے جسم میں اتنی توانائی پیدا کر دی کہ میں اپنی ماؤں کا دودھ پینے والے بچوں کے مقابل زیادہ تندرست لگتا تھا۔ چنانچہ میری خالہ مسماۃ امینہ خاتون کے گھر ایک لڑکی میرے ساتھ پیدا ہوئی تھی، ثمینہ خاتون یعنی سید آباد محمد زائر سوز خوان (کراچی) کی ماں۔ اسی طرح میرے بڑے چچا (تایا) کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔ سید ہمبر رضا یہ دونوں بچے مجھ سے علی الترتیب دو مہینے اور دس مہینے بڑے تھے مگر میرے سامنے مجھ سے سال چھ مہینے چھوٹے نظر آتے تھے ــــ یہ ہے رحمت کی فتح اور فطرت کی شکست! انھیں دودھ سے جو آدمی کی فطری غذا ہے، وہ توانائی اور فرحت نہ مل سکی جو مجھے چائے سے مل گئی، جو ایک لحاظ سے بالکل مصنوعی غذا ہے، اور فطرت کی یہ شکست اب تک برقرار ہے۔ چنانچہ میں چائے ہر وقت بڑے شوق سے پیتا ہوں اور وہ مزے کی بھی لگتی ہے، دودھ بدمزہ بھی لگتا ہے اور ہضم بھی نہیں ہوتا۔

دادی صاحبہ اور والدہ نے بتایا کہ میں دوسرے عام بچوں کے مقابل بہت جلد بولنے لگا تھا، اور اس سلسلے کی ایک بات میرے لیے بھی بہت دن تک باعث حیرت بنی رہی کہ (ان کے بیان کے مطابق) میں نے پورے ڈھائی برس کی عمر میں کلمہ، تکبیر، پنجتن، اصولِ دین، فروعِ دین اور چودہ معصومین کے نام زبانی یاد کر لیے تھے، اور چچا، تایا، باجی، ماموں، خالہ جان اور پھپی اماں وغیرہ بے تکان ادا کرتا تھا، اگر یہ خبر اعزہ کے تواتر سے نہ سنی ہوتی تو میں مبالغہ سمجھ کر اس کی صحت سے شاید

انکار کر دیتا۔ تین برس کا سن ہوا تو والد مرحوم نے مجھے ایک رباعی یاد کرائی اور گود میں اٹھا کر اپنی پیش خوانی میں منبر پر بٹھا دیا۔ میں نے بغیر کسی جھجک کے اپنی پوری آواز میں چاروں مصرعے اُن تیوروں کے ساتھ پڑھے جن کی والد نے مشق کرائی تھی۔ رباعی یہ تھی:

اولادِ شمیم سخن آرا ہوں میں　　منبر ہے اک آسمان، تارا ہوں میں
کیوں بزمِ سخن میں اب چمک کرنہ پڑھوں　　برجیس کی قسمت کا ستارا ہوں میں

اسی سال مجھے قواعد بغدادی شروع کرا دی گئی، گو کہ والد مرحوم خود مجھے پڑھاتے اور یاد کراتے تھے، مگر گھرانے کے رسم و رواج کے مطابق منشی شیخ ولایت علی معلم مقرر ہوئے جو حنفی المسلک تھے۔ روزانہ وہ بھی پڑھاتے، مگر ان کا اصل کردار یہ تھا کہ جو کچھ والد نے پڑھایا ہے اسے ازبر کرا دیں اور تختی پر کئی بار میرا ہاتھ پکڑ کر قلم سے لکھا دیں۔ دادا مرحوم ہر جمعہ کو رام پور سے امروہہ آتے۔ میرا سبق سنتے۔ تختی لکھاتے اور انعام دیتے۔ چار پانچ مہینے میں یہ کتاب ختم ہوئی اور مولوی اسمٰعیل میرٹھی کی "اردو کی پہلی"، جسے میں اس وقت "پانا جانا" کہتا تھا، اور (اسی عمر کے تلفظ میں) عام کا پارہ (سیپارۂ عم) شروع کرا دیا گیا۔ اس وقت وہ سارا سماں میری آنکھوں میں ناچ رہا ہے۔ نہ عام بچوں کی طرح زبان میں لکنت تھی، نہ ق کو ک پڑھتا تھا، نہ ر کو ل۔ حد ہو گئی کہ ایک دن کہیں سے پھرتے پھرتے چچا سید حسن مجتبیٰ مرحوم (الحاج مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ پرنسپل جامعہ نور المدارس امروہہ کے سنجھلے بیٹے) نکلے، انھوں نے "الحمد" کا سبق سنا میں نے ض کو غلط تلفظ سے ادا کیا۔ انھوں نے بر وقت صحیح تلفظ کی مشق کرائی۔ والدہ نے انھیں ایک پیالی چائے پلائی۔ جتنی دیر میں انھوں نے چائے پی میں نے اس تلفظ کی مشق کر لی اور رخصت ہونے سے پہلے انھیں سنا دیا۔ وہ ایک روپیہ انعام دے گئے۔

والد ہر وقت مجھے اپنے ساتھ رکھتے تھے اور عام بات چیت میں الفاظ کے صحیح تلفظ کی مشق کراتے تھے۔ اب مجھے جامعہ نورالمدارس کے مکتب (پرائمری سیکشن) میں داخل کرنے کے صلاح مشورے ہونے لگے، مگر عمر کی کمی اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے مانع رہی۔

والد مرحوم، محرم کے عشرے کی مجالس پڑھنے کے لیے ہر سال امروہہ سے جانسٹھ (ضلع مظفرنگر یوپی) جاتے تھے، جو نواب سید اصغر علی خاں (مرحوم) کے ہاں منعقد ہوتا تھا۔ اور ان کے دیوان خانے موسوم بہ "رنگ محل" کی مخصوص تیسری منزل کے ان کمروں میں قیام کرتے تھے۔ جن میں نواب موصوف کے چھوٹے بیٹے نواب سید باقر علی خاں فہیم کی مردانہ نشست تھی۔ فہیم صاحب دادا مرحوم کے شاگرد رشید تھے۔ شاعر تو نہ تھے مگر دادا کے سامنے زانوے ادب تہ کر کے تحت اللفظ خوانی کے اصول سیکھے تھے اور خوشنویسی کی مشق کی تھی۔ بالکل ایسا لکھتے جیسے دادا۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے جانسٹھ سے رام پور آکر مدت تک دادا مرحوم کے مہمان رہ چکے تھے۔ نواب اصغر علی خاں مرحوم نے اس مرتبہ والد مرحوم کے پاس محرم کی مجالس میں ذاکری کرنے کے لیے دعوت نامہ بھیجا تو اس میں یہ بھی لکھا کہ باقر علی خاں سلمہٗ کی خواہش ہے کہ اس سفر میں آپ قائم رضا سلمہٗ کو بھی اپنے ساتھ لائیں۔ یہاں ہم سب لوگ انھیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ استاد (یعنی شمیم صاحب) نے ان سے کہا ہے کہ یہ بچہ اپنے دادا کا جانشین ہوگا۔ چنانچہ اس سال (۱۳۳۰ھ) کے محرم میں جب والد جانسٹھ تشریف لے گئے تو میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے مجھے اپنی منھ بولی بہن مسماۃ بادشاہی بیگم کے پاس رکھا۔ جو جانسٹھ کے رئیس اعظم نواب سید عبداللہ خاں صاحب کی شریک حیات اور نواب باقر علی خاں کی بہن تھیں۔ میں جتنی دیر ان کے پاس رہتا وہ اس طرح میری خاطر داری، دلجوئی اور

دیکھ بھال کرتیں کہ مجھے بھول کر بھی اپنا گھر اور اپنی والدہ یاد نہ آتیں۔ کچھ دیر کے لیے جب مجھے رنگ محل کے زنانے میں پہنچایا جاتا تو وہاں نواب سید اصغر علی خاں کے منجھلے صاحبزادے نواب سید جعفر علی خاں مرحوم کی اکلوتی بیٹی مبارک بانو ہر وقت میرا دل بہلاتی تھیں۔

رنگ محل میں نماز مغرب کے بعد زنانی مجلس ہوتی تھی۔ مبارک بانو ہر روز مجھ سے اس مجلس میں رباعیاں پڑھواتیں۔ ایک دن میں نے ان کی مجلس میں ایک سلام بھی پڑھا۔ جس کا مطلع یہ تھا:

شاہِ دیں کی مہربانی ہو گئی

—— یہ سلام والد نے اسی محرم سے چند دن پہلے کہا تھا جبکہ وہ مہینہ بھر بخار میں مبتلا رہنے کے بعد بستر سے اٹھے تھے۔ اس سلام کا ایک شعر مجھے اب بھی یاد ہے:

عابدِ بیمار کی امداد سے　　　تپ کی حدت پانی پانی ہو گئی

—— بارہ تیرہ دن جانسٹھ میں رہنے کے بعد جب میں امروہہ واپس آیا تو کئی دن تک اس طرح سینہ ابھار کر چلتا تھا جیسے حاجی مکۂ معظمہ سے واپسی کے بعد مفتخرانہ انداز میں قدم اٹھاتے ہیں۔ $3\frac{1}{2}$ برس کی عمر میں میرا یہ سفر حج سے کم نہ تھا۔

جانسٹھ سے واپسی کے بعد والد مرحوم تقریباً $9\frac{1}{2}$ مہینے زندہ رہے۔ اس مدت میں جہاں تک میری تعلیم کا تعلق ہے، میں کم و بیش $4\frac{1}{2}$ مہینے ان کی توجہ اور سرپرستی سے مستفیض ہو سکا۔ اور میں نے پارۂ عم کے بعد دو اور پارے ختم کر لیے۔ مولوی اسمٰعیل کی اردو کی دوسری بھی تمام ہو گئی۔ یہ پارہ اور ریڈریں مجھے والد نے اس طرح یاد کرائیں کہ آج تک کئی آیتیں اور ریڈر کے متعدد اشعار زبانی یاد ہیں۔ جمادی الثانیہ میں مرحوم صاحب فراش ہو گئے، انھیں بخار آیا جو ایک مہینے تک مسلسل یکساں حالت پر جما رہا اور اس نے انھیں اتنا کمزور کر دیا کہ دو آدمیوں کے سہارے سے اٹھنے اور گاؤ پر کمر لگا کر

بیٹھنے لگے۔ وہ بھی دن رات میں ایک آدھ بار۔ معالجوں نے ایک ماہ کے بعد تشخیص کیا کہ انھیں تپ دق کا مرض شروع ہو گیا ہے۔ اس تشخیص کے چند ہی دن بعد ان کی ناتوانی کا یہ عالم ہو گیا کہ آواز بھی بہ مشکل نکلتی تھی۔ میں بار بار دوڑ دوڑ کے ان کے قریب جاتا تھا اور وہ منھ بنا کر مجھے دور ہٹا دیتے تھے۔ میں روتا ہوا دادی صاحبہ سے لپٹ جاتا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ رونے لگتی تھیں۔ میں رو رو کر ان سے پوچھتا تھا کہ ابا مجھ سے کیوں نفرت کرنے لگے؟ وہ پیار کرتیں اور تسکین دیتیں۔ آخر ایک بار میں نے ضد کر کے پوچھا تو انھوں نے آنسو پونچھ کر جواب دیا کہ ابا کو ایسی بیماری لگ گئی جو اڑ کر بچوں کو بھی لگ جاتی ہے۔ اس لیے حکیم جی نے منع کر دیا ہے کہ بچوں کو اپنے پاس مت آنے دینا۔ اس وقت میرے آنسو رکے اور یہ بات سمجھ میں آئی کہ ابا مجھ کو نفرت سے نہیں بلکہ محبت سے ہٹا دیتے ہیں۔

اب والد اتنے کمزور اور دبلے ہو گئے کہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچا تھے جسے دیکھ کر ڈر لگتا تھا۔ رات میں وہ کئی بار جاگتے تھے۔ کبھی پیاس لگتی اور کبھی پیشاب کی ضرورت ہوتی۔ مگر پکارنا اور ہلنا مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ والدہ نے اپنا پلنگ ان کے پلنگ سے ملا کر بچھا لیا تھا۔ اور حقّے کی نے ان کی بائیں کروٹ کی جانب رکھ دی تھی۔ جو والدہ کے پلنگ سے متّصل تھی۔ جب ضرورت ہوتی حقّے کی نے اٹھاتے اور والدہ کو ٹھوکا دے کر جگا دیتے۔ مرض بڑھتا گیا۔ بوبو (میری بڑی بہن)، اماں، دادی صاحبہ اور گھر کی دوسری خواتین چھپ چھپ کر روتیں اور پھر آنسو پونچھ کر دوا دارو اور دوسرے ضروری کام کاج دیکھتیں بھالتیں۔

ایک دن جب دادا مرحوم بھی رام پور سے امروہہ آئے ہوئے تھے شام کے وقت خاندان کے بزرگ اور سرپرست الحاج مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ (پرنسپل جامعہ نور المدارس امروہہ) جو ایک رشتے سے والد

اور دوسرے رشتے سے چچا تھے، عیادت کے لیے تشریف لائے۔ والد نے اسی وقت کسی کو بھیج کر نانا مرحوم (سید زکی حسن صاحب) کو بھی بلوالیا اور ان تینوں بزرگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ میں اب اتنا ناتوان ہوں کہ گاؤ کے سہارے بھی نہیں بیٹھ سکتا۔ ایسی حالت میں وصیت نامہ لکھنا میری طاقت سے باہر ہے۔ جب تک کہ بڑے ابا (شمیم صاحب) زندہ ہیں مجھے اپنے بچوں کے لیے کسی بات کی فکر نہیں۔ لیکن یہ جانتا ہوں کہ جب بڑے ابا کا سایہ ان کے سر سے اٹھے گا تو یہ مجوب الارث ہو جائیں گے۔ جہاں تک ان کے پیٹ بھرنے کا سوال ہے اس کا ذمہ دار خداوند عالم ہے۔ وہ سب کو رزق دیتا ہے۔ انھیں بھی دے گا۔ لیکن بڑے ابا اگر مناسب سمجھیں تو اپنے کئی گھروں میں سے ایک گھر ان بچوں کی ماں کے نام لکھ دیں اور سب سے بڑی فکر مجھے قائم رضا کی اس تعلیم کے متعلق ہے جس کا وعدہ میں نے مولائے کربلا سے اس کی پیدائش کے دن کیا تھا۔ اب میرا سفر قریب ہے۔ آپ تینوں حضرات میرے وعدے کے مطابق اس کی تعلیم پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا وعدہ کریں تو میرا دل جو ہر وقت مضطرب ہے سکون پائے اور میں بے چین ہو کر نہ مروں۔

مجھے تو یہ باتیں یاد نہیں۔ مگر والدہ نے بتایا کہ دادا اور نانا تو یہ سن کر رونے لگے اور اتنا روئے کہ روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی، البتہ بزرگ خاندان الحاج مرحوم نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ یہ کام میں اپنے ذمے لیتا ہوں اور انشاء اللہ اس بچے کی تعلیم نقطۂ آخر تک پہنچا دوں گا۔ والد نے یہ سن کر اشاروں سے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد یہ مجمع منتشر ہو گیا۔ اس کے چند ہی روز بعد ۲۸ ر شوال ۱۳۳۰ھ کو یکایک والد کی حالت بگڑی۔ بصارت زائل ہوئی، زبان بند

۱؎ چھوٹے ابا اپنے بڑے بھائی سید معجز حسین مرحوم کو کہتے تھے جو ان سے بڑے تھے۔

ہوئی، اور ۳۲ سال دنیا میں رہنے کے بعد کوچ کر گئے۔

دادا مرحوم رام پور میں تھے۔ پہلی ریل گاڑی سے ملازم بھیج کر انھیں بلوایا گیا۔ قاصد نے اشتداد علالت کی خبر دی۔ فوراً مرحوم نے نواب ہز ہائینس حامد علی خاں (والی رام پور) کی کوٹھی خاص باغ میں ہرکارہ بھیج کر کار منگوائی اور امروہے جا پہنچے۔ گھر کے دروازے کی غلام گردش میں قدم رکھا تو رونے کی آوازیں اور عورتوں کے بین سنے۔ سمجھ گئے کہ پارۂ جگر رخصت ہوا۔ کلیجہ پکڑ کر ایک آہ بھری اور زمین پر گر کر بیہوش ہو گئے۔ مرحوم کے فرزندوں میں ایک والد مرحوم ہی تھے جنھوں نے ان کی شاعری اور ذاکری کے فنوں کو اپنایا تھا۔ اس لیے دادا مرحوم کو والد مرحوم سے بے پناہ محبت تھی۔ اتنی محبت کہ اگر ترازو کے ایک پلّے میں کُل اولاد کو بٹھایا جائے اور دوسرے میں تنہا برجیس کو تب بھی برجیس ہی کا پلّہ بھاری رہے — اس کے بعد وہ سب کچھ ہوا جو ایسے لائق ہونہار اور جوانا مرگ بیٹے کی موت پر ہوتا ہے ؎

حسین تو وہ نہیں تھے جو صبر کر لیتے

پھولوں کی رسم میں جو مجلس ہوئی اس میں خود دادا مرحوم نے جناب علی اکبرؑ کے حال کا مرثیہ پڑھا۔ یہ مرثیہ تو اب تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ مگر مرحوم کے شاگرد اور میرے تحت اللفظ خوانی کے استاد سید ناصر حسین یتیم مرحوم (محلہ دانشمند امروہہ) نے اس مجلس کا ذکر کرتے ہوئے سلام کا پہلا اور آخری شعر اور مرثیے کے چہرے کا ایک بند اور مقطع سنایا تھا جو میں نے لکھ لیا تھا اور اب قارئین کرام کی نذر کیا جاتا ہے (چہرے کا بند سننے سے پہلے مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ والد عاشورۂ محرم کو پیدا ہوئے تھے):

سلام کا پہلا اور آخری شعر:

ریاضِ سبطِ نبی میں ذرا تری نہ رہی — شجر تو کیا کوئی کوپل ہری بھری نہ رہی

پسر کے داغ نے ایسا کیا نحیف شمیمؔ — وہی زباں ہے مگر وہ سخنوری نہ رہی

مرثیے کے چہرے کا بند اور مقطع۔

مجکو اللہ نے اک نورِ نظر بخشا تھا — جس سے روشن تھا مرا گھر وہ قمر بخشا تھا
روزِ عاشورِ محرم جو پسر بخشا تھا — شاہِ مظلوم کی الفت کا ثمر بخشا تھا
جشن، رومال کو اشکوں سے بھگوتے گزرا
اس کے میلاد کا دن بھی مجھے روتے گزرا

بس شمیمؔ اب نہ قلم کو نہ زباں کو یارا — چرخ بے رحم نے کیا تیر جگر پر مارا
میں بھی بسمل دلِ بیتاب بھی پارہ پارہ — ظلمت قبر کی سیر اور مرا سیّارہ
اوج پر آتے ہی آنکھوں کا وہ تارہ ڈوبا
جس کا بر جیس لقب تھا وہ ستارہ ڈوبا

مولوی سید اولاد حسن صاحب قبلہ سلیمؔ مرحوم اعلی اللہ مقامہ (امام جمعہ و جماعت امروہہ) نے (جو قریبی رشتے سے میری دادی صاحبہ کے بھائی ہوتے تھے) تاریخ وفات کہی ؎

آہ وہ نورِ نظر آج چھپا آنکھوں سے — جس کے صدمے سے نہ قابو میں رہی جاں سلیمؔ
قبرِ مرحوم پہ لکھ دے کوئی تاریخِ وفات — مرقد لامع بر جیس حسین ابن شمیمؔ

۱۳۳۰ھ

نواب رام پور کو پھولوں کے دن اس سانحے کی خبر ملی۔ دو چار دن کے بعد ان کے چیف سکریٹری پرسے کے لیے رام پور سے امروہہ آئے۔ نواب مرحوم دادا کو اپنے دربار کا ہیرا خیال کرتے تھے۔ انھوں نے چیف صاحب کو ہدایت کردی

؎ ابن جب دو ناموں کے بیچ میں آتا ہے تو الف نہ مکتوب ہوتا ہے نہ ملفوظ

تھی کہ تسنیم صاحب کو جس طرح بھی بن پڑے اس ناقابلِ تحمّل غم کے ماحول سے نکال کر رام پور لے آئیں۔ انھوں نے دو ایک دن امروہہ میں قیام کیا اور بالآخر رام پور کے لیے رضامند کر لیا۔ دادا مرحوم کو والد سے جو بے پناہ محبت تھی۔ اب وہ میری طرف منتقل ہو چکی تھی۔ چنانچہ یکم ذی قعدہ سنہ ۱۳۳۰ھ سے لے کر اپنی وفات تک (۱۴) مہینے ہر وقت مجھے اپنے ساتھ رکھا اور میرے معلم منشی ولایت علی مرحوم کو بھی رام پور لے گئے۔ والد مرحوم کا بستہ جو دادا مرحوم کے جملہ مراثی وغیرہ کی نقول پر مشتمل تھا اور جس میں والد کا بھی تمام کلام تھا اسے بھی دادا مرحوم اپنے ساتھ لے گئے۔ چلتے وقت والدہ سے فرمایا کہ یہ تیرے بچوں کی امانت ہے، جو وقت آنے پر انھیں دے دی جائے گی۔

والد کی رحلت سے دادا کی رحلت تک

والد مرحوم کی وفات کے بعد دادا کے ساتھ رام پور پہنچ کر، میں جس مکان میں اترا وہ فرنگن کی گلی میں ایک وسیع و عریض صحن کا گھر تھا اور عرفِ عام میں محل سرا کہلاتا تھا۔ اس کی مردانہ نشست میں تین کمرے تھے۔ ان کے آگے دالان اور پھر بڑا سا آنگن۔ کئی دن تک فاتحہ خوانی کے لیے لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا۔ دسویں یا بیسویں کے فاتحہ میں ہز ہائینس نواب حامد علی خاں مرحوم اور ان کے خاص خاص درباریوں نے بھی شرکت کی۔ اس موقع پر جالنٹھ سے نواب سید باقر علی خاں فہیم بھی آئے اور پھر دادا کا غم بٹانے کے لیے ہمارے ہی یہاں رہ پڑے۔ دادا مرحوم کو ان سے اتنی محبت تھی کہ میں بہت دن تک انھیں اپنے کنبے کا ایک فرد سمجھتا رہا۔ اور میرے اس تصور کو گھر والوں کے اس طرزِ عمل سے اور بھی تقویت پہنچی کہ کنبے کی بزرگ خواتین (دادی صاحبہ اور پردادی صاحبہ[1])

---

[1] جو دادا کی وفات کے بعد کئی سال زندہ رہیں۔

تو رام پور میں موجود تھیں ان سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ بہت دن کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ہمارے رشتہ دار نہیں، دادا مرحوم کے شاگرد رشید اور والد مرحوم کے مخلص دوست ہیں۔ نواب صاحب موصوف کی ہمہ وقتی حاضری اور مرثیے بیں نئی سے نئی روایات اور واقعات نظم کرنے کی فرمائشیں دادا مرحوم کا غم غلط کرنے میں بہت مددگار ثابت ہوئیں اور پندرہ بیس دن کی مدت میں ان کی غمزدہ طبیعت اعتدال پر آنے لگی ــــــ البتہ اس بات کا کوئی علاج نہ تھا کہ دادا مرحوم جب زنان خانے میں جاتے اور ان کی نظر اس سیاہ رنگ کے بکس پر پڑتی جس میں والد مرحوم کا بستہ مقفل تھا تو اسے دیکھتے ہی رو دیتے اور پھر دیر تک روتے رہتے۔ جب یہ سلسلہ جاری رہا تو ایک روز نواب صاحب نے دادی صاحبہ اور پر دادی صاحبہ کے مشورے سے وہ بکس مردانے مکان میں لے جاکر اپنے نماز کے تخت کے نیچے رکھ لیا۔ پھر ان کا یہ وظیفہ ہو گیا کہ دن بھر اور رات میں بھی جب تک جاگتے اس بکس کو کھول کر مرثیوں کا مطالعہ کرتے رہتے اور دادا کے آنے کا وقت ہوتا تو بکس کو مقفل کر کے تخت کے نیچے سرکا دیتے۔

مجھ سے بھی نواب صاحب مرحوم کو اتنا انس ہو گیا تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔ میں اردو کی کتاب اور قرآن پاک کا سبق انھیں کے پاس بیٹھ کر یاد کرتا تھا۔ منشی ولایت علی مرحوم بھی انھیں کے کمرے میں بیٹھ کر مجھے سبق پڑھاتے تھے۔ نواب صاحب نے مجھے والد کی کئی رباعیاں اور متعدد سلام زبانی یاد کرا دیے تھے اور اس کلام کو تحت اللفظ پڑھنے کی روزانہ بلا ناغہ مشق بھی کراتے تھے جس کے دوران وہ مجھے لفظ کے معنی بتاتے اور پھر سمجھاتے کہ پڑھتے میں یہ لفظ آواز کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس طرح منھ سے نکالو تاکہ سننے والا تمھارے لہجے سے سمجھ لے کہ اس لفظ سے کیا مطلب ہے۔ جب دادا ان کے پاس آکر بیٹھتے تو وہ انھیں سنواتے دادا میری بے جھجک

خوانندگی سے بہت خوش ہوتے۔ مجھے پیار کرتے۔ اور کبھی کبھی انعام بھی دیتے۔

دو مہینے کے بعد محرّم آگیا اور نواب صاحب دادا مرحوم کو عشرے کی مجالس پڑھنے کے لیے اپنے ہمراہ جانسٹھ کو لے چلے۔ میں بھی ان کے ساتھ گیا اور گزشتہ سال کی طرح اس دفعہ بھی محترمہ مبارک بانو کی زنانی مجلسوں میں ہر روز کچھ نہ کچھ پڑھتا رہا۔ نواب صاحب نے مجھے **والد مرحوم کے** اور ا**نھیں کی پڑھت کے چند بند بھی** زبانی یاد کرائے تھے اور ان کے طرزِ خوانندگی کی مشق بھی کرادی تھی۔ نویں محرّم کو (عشرے کی آخری مجلس میں) یہ بند انھوں نے مجھ سے دادا مرحوم کی پیش خوانی میں پڑھوائے۔ میں نے کچھ ایسے تیور سے اور کڑک کر یہ بند پڑھے کہ سامعین شروع ہی سے ابھر ابھر کر داد دینے لگے۔ اور آخری بند پر تو چھتیں اڑ گئیں۔ بند یہ تھا:

حر لپکارا کہ تری سنگدلی کیا مکار — پانی پانی ہوا گر کھینچ لوں اپنی تلوار
ایسے لودوں سے سپاہی نہیں دبتے زنہار — جانتا ہے کہ میں ہوں بیرِ وغیر فرّار

کچھ مجھے فکرِ ہجوم سپہ شام نہیں
تابہ کوفہ نہ بھگایا ہو تو حر نام نہیں

ـــــ ایک طرف تو مجمع کی شگفتگی کا یہ عالم تھا کہ سامعین کے چہرے گلاب کی طرح سرخ اور شاداب ہو رہے تھے۔ اور دوسری طرف دادا مرحوم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں اس وقت تو اس متضاد کیفیت کو نہ سمجھ سکا مگر مجلس کے بعد کی پرائیوٹ نشست میں جب نواب باقر علی خاں کے منجھلے بھائی نواب جعفر علی خاں نے جو خود بھی تحت اللفظ پڑھتے تھے) دادا سے یہ الفاظ کہے کہ استاد آج تو اس بچّے نے ایسا پڑھ دیا کہ برجیس مرحوم کے تیور یاد آگئے۔ یہ سنتے ہی دادا مرحوم کی آنکھوں سے پھر بے ساختہ آنسو ٹپکنے لگے تب میں سمجھا کہ مجلس میں چھتیں اُڑنے کے موقع پر بھی دادا کو والد مرحوم کی یاد نے رلایا ہوگا۔

بہر حال یہ داد و تحسین کا شور و غل چاہے حقیقی ہو یا میرا دل بڑھانے کے لیے مصنوعی، اس

میں شبہ نہیں کہ اس رزم مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کی آتش شوق میرے دل میں کچھ اس طرح بھڑک اٹھی تھی کہ اس کی حرارت آج تک باقی ہے۔ حالانکہ خون رگوں میں سرد ہو کر جم چکا ہے۔

قابلِ تحسین و آفرین ہیں ڈاکٹر سید صفدر حسین مرحوم (ایم۔ اے، پی ایچ ڈی) اور ان کا ذوقِ سلیم جنھوں نے "رزم نگاران کربلا" کے صفحہ ۱۵۳ پر میرے اور جالنسٹھ کے ذکر میں یہ جملہ لکھا ہے:

"جالنسٹھ کی مجلسی فضا نے ان کے (یعنی میرے) کلام کو پسند کر کے خود اعتمادی کا حوصلہ دیا"

— گو کہ یہ کلام میرا نہ تھا، مگر طرزِ ادا تو میرا ہی تھا جس کی پسندیدگیِ عام نے میرا حوصلہ بلند کر دیا تھا۔ اگرچہ ڈاکٹر صفدر مرحوم اس وقت عالمِ وجود میں بھی نہیں آئے تھے۔ مگر یہ جملہ پڑھ کے اور اپنی کیفیت پر نظر ڈال کے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے وہ مجلس میں بیٹھے تھے اور چہرے کے خطوط سے دل کے ورق کا مطالعہ کر رہے تھے۔

دادا مرحوم آج کی مجلس میں اپنا وہ مشہور مرثیہ پڑھتے جو (مرحوم کے حلقۂ اثر میں) "خنجروں والا" کے نام سے مشہور ہے۔ وجہ تسمیہ: مرحوم نے چند سال پہلے جب یہ مرثیہ حیدرآباد دکن میں نواب عسکر جنگ[1] کے ہاں پڑھا تھا تو سامعین میں سرکار نظام کے حفاظتی دستے کے چند ایرانی سپاہی بھی موجود تھے۔ مرثیہ حضرت شہربانو کے حال میں تھا۔ جو ایرانی النسل تھیں۔ ان ایرانیوں نے جب اس مرثیے کا حسب ذیل بند سنا تو خود کو اپنے خنجروں سے زخمی کر لیا (اس جگہ صدق و کذب روایت سے بحث نہیں کیونکہ یہ بیانِ واقعہ ہے نہ کہ نقد و تبصرہ) حضرت شہربانو جب شہادت امام کے بعد گھوڑے پر سوار ہو کر چلیں اور راستے میں

---

[1] نواب عسکر جنگ، زید پور ضلع بارہ بنکی کے باشندے اور ہمارے ہم جدی (نقوی) تھے۔

اپنے بھائی شہریار سے ملاقات ہوئی جو نصرت امام کے لیے مقامِ مرو (ایران) سے چل کر عراق آرہے تھے تو شہر بانو نے شہادتوں کے کل واقعات سنانے کے بعد بھائی سے کہا:

کم ہیں وہ اہلِ درد جو کام آئیں وقت پر　　　　ماں جائے ہو یہ تم کو سمجھتی ہوں میں پدر

بھیا! فقیرنی ہوں مجھے لے چلو گے گھر　　　　بھاوج نہ آنے دے گی مگر بخش جان کر

طعنے یہ دے گی رانڈ فلک کی ستائی ہے

سسرال کو اجاڑ کے میکے میں آئی ہے

ـــ جانسٹھ کی زیرِ نظر مجلس میں بھائی بہن کے مکالمے پر اتنا گریہ ہوا کہ لوگ گھروں تک روتے چلے گئے۔ محرم کی مجلسوں میں عام طور پر جتنا گریہ ہوتا ہے۔ اس مجلس میں کبھی شہادتِ امام کے واقعات پر ابتداءً اتنا ہی گریہ ہورہا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ دادا مرحوم نے منبر پر دائیں جانب مڑکر ایک مصرع اس انداز سے پڑھا جیسے کسی شخص کو پکار کر فریاد کرتے ہیں تو سب لوگ یکایک سینہ و سر پیٹنے لگے اور پھر چند لمحات کے بعد مذکورۂ بالا بند[۱] آگیا اور اس پر کم وبیش آٹھ دس جوان اور بوڑھے بیہوش ہو گئے۔ کئی برس کے بعد میں نے ایک دن نواب باقر علی خاں مرحوم سے پوچھا کہ وہ مصرع کیا تھا تو انھوں نے کہا کہ وہ مصرع یہ تھا:

بھیا حسن کلیجے سے ناوک نکال لو

اس مجلس میں یہ عجیب اتفاق تھا کہ دادا مرحوم نے مرثیہ شروع کرنے سے پہلے سامعین سے مخاطب ہو کر کچھ ایسا کہا تھا کہ آج کی مجلس جانسٹھ میں میری خاتمے کی مجلس ہوگی اور ہمیشہ یاد رہے گی۔ جیسے کہ موت عزاخانے میں چھپی ہوئی مرحوم کے یہ جملے سن رہی تھی۔ اس نے فوراً ان الفاظ کی گرفت کر لی۔ چنانچہ یہ مجلس جانسٹھ میں مرحوم کی

---

[۱] یہ بند میں نے سن شعور کو پہنچنے کے بعد نواب باقر علی خاں سے سنا اور یاد کر لیا۔

خاتمے کی مجلس ہوگئی اور پھر انھیں یہاں مجلس پڑھنا نصیب نہ ہو سکا۔

۱۴ر محرم کو ہم لوگ جانسٹھ سے رام پور آ گئے۔ نواب سید باقر علی خاں بھی ہمراہ تھے۔ دادا مرحوم کا یہ سال میری تعلیم کی طرف خاص توجہ مبذول کرنے میں صرف ہوا۔ منشی جی بھی پڑھاتے۔ نواب صاحب بھی قرآنِ پاک کی ایک آدھ آیت اور گھر نے کے چند اشعار زبانی یاد کراتے۔ دادا مرحوم بڑے شوق اور انہماک سے یہ اشعار سنتے اور فرماتے۔ اس بچّے کی طبیعت فطری طور پر موزوں ہے۔ یہ کبھی کوئی مصرع ناموزوں نہیں پڑھتا۔ اگر کوئی لفظ بھول جاتا ہے تو ریں ریں کرکے مصرع کا وزن پورا کر دیتا ہے، میں اس وقت یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وزن کیا چیز ہوتی ہے۔ بعد میں اس کا مطلب سمجھا۔

اب دادا مرحوم مجھے ہز ہائینس والیٔ رام پور کے دربار میں اپنے ساتھ لے جانے لگے۔ یہ دربار آٹھ بجے شب سے دس بجے تک منعقد ہوتا جس میں ہز ہائینس اور ان کے بعض اہلِ خاندان کے علاوہ دو ایک عالم دو ایک شاعر اور دو ایک بڑے افسر ہوتے تھے۔ دادا مرحوم کے علاوہ شاعروں میں حضرت بزم آفندی اکبرآبادی پابندی سے شرکت فرماتے تھے۔ لطیفے، قصے، کہانیاں اور شعر و شاعری وغیرہ کے موضوع پر دوستانہ ماحول میں گفتگوئیں ہوتی تھیں۔ اگرچہ مجھے ان سب باتوں کے سمجھنے کا شعور نہ تھا مگر مسلسل پانی پڑتے رہنے سے پتھر بھی گھس جاتا ہے۔ شاعری سے متعلق ان بزرگوں کی گفتگو سنتے سنتے میری طبیعت بھی غیر شعوری طور پر رفتہ رفتہ شعر و سخن کے سانچے میں ڈھلتی چلی جا رہی تھی۔

ایک دن دادا مرحوم نے چھوٹی بحر کے چند شعر نواب باقر علی خاں فہیم کو دیے اور فرمایا کہ قائم رضا کو اچھی طرح یاد کرا دو۔ آج رات کو اس سے سرکار کے سامنے پڑھوانا ہیں۔ انھیں انگریز سرکار نے آج ایک نیا خطاب دیا ہے۔ اس کی مبارکباد کا جلسہ ہوگا۔ وہ اشعار تو آج میری لوحِ حافظہ سے محو ہو چکے ہیں

مگر مقطع یاد ہے:

اب انعام لینے کو قائمؔ اٹھو   کہ سرکارِ ذی جاہ کرنل ہوئے

یہ گیارہ شعر تھے جو میں نے اس ٹھٹنے کے ساتھ تن تن کر پڑھے کہ کل حاضرینِ دربار جھومنے لگے، خوب داد ملی اور مقطع سن کر ہز ہائینس نے مجھے چاندی کے سکّوں کا ایک توڑا انعام میں دیا اور اپنے پاس بلا کر پیٹھ بھی تھپکی۔

دربار سے واپسی پر یہ توڑا دادا مرحوم نے میری والدہ کو دے دیا اور انھوں نے اس میں سے کچھ روپے نکال کر دادی صاحبہ کے ہاتھ سے حسبِ دستور خاندان کی تمام بیٹیوں کو تقسیم کرائے اور مولا مشکل کشا کی نذر کرائی۔

وقت گزرتا رہا اور شوال کی اٹھائیسویں آگئی۔ یہ والد کی برسی کا دن تھا۔ دادا مرحوم آج دن بھر چپکے چپکے مرثیہ پڑھتے اور روتے رہے۔ ۲ بجے رام پور کے قلعۂ معلّی میں اوّل قرآن خوانی اور پھر ایصال ثواب کی مجلس ہوئی۔ پیش خوانی میں دربار اور شہر کے منتخب شعرا نے قطعات پڑھے اور پھر نواب سید باقر علی خاں فہیمؔ نے والد مرحوم کا مرثیہ پڑھا۔ ہز ہائینس کے چیف سکریٹری سمیت ریاست کے ارکان اور شہر کے عمائدین قرآن خوانی اور مجلس میں شریک ہوئے۔

فاتحہ کے موقع پر دادا مرحوم اتنا روئے کہ ایک دفعہ پھر گھر میں کہرام مچ گیا۔ مرحوم کو روتے روتے بخار آگیا جس نے مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا، ہر وقت، کبھی کم اور کبھی بیش حرارت رہتی، مگر مرحوم اسی عالم میں حتی الامکان معمولات انجام دیتے تھے۔ عید غدیر کے دن ایسا محسوس ہوا کہ بخار اتر گیا ہے۔ نواب باقر علی خاں فہیمؔ کو جالندھر میں کچھ ضروری کام تھا۔ وہ دادا سے اجازت لے کر تین چار دن کے لیے وطن چلے گئے۔ دوسرے ہی دن دادا مرحوم کو بخار نے آدبایا۔ تین چار دن ریاست کے حاذق اطبّاء اور ڈاکٹر علاج کرتے رہے مگر صحت نہ ہوئی۔

دادا مرحوم صبح کی نماز کے بعد پابندی سے تلاوت کے عادی تھے۔ ایک دن قرآن کھولتے ہی چیخ مار کر روئے اور مصلے ہی پر بیہوش ہو کر گر پڑے۔ گھر کے لوگ جو جاگتے تھے سب اپنے کام چھوڑ کر دوڑ پڑے اور جو سو رہے تھے چیخ سن کر چونک پڑے۔ مصلے کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ قرآن کھلا ہوا ہے، مرحوم بیہوش ہیں اور والد مرحوم کی تصویر قرآن کے ایک صفحے پر پڑی ہے۔ دراصل کسی نے یہ تصویر قرآن میں رکھ دی تھی جسے دیکھتے ہی مرحوم ضبط کی تاب نہ لا سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ہائے برجیس ہائے برجیس کہہ کر رونے لگے! اور پھر بیہوش ہو گئے۔ ڈاکٹر کو بلوایا گیا۔ امروہہ میں میرے بڑے چچا سید معجز حسین کو تار دیا گیا۔ وہ اسی روز شام کو رامپور پہنچ گئے۔ نواب باقر علی خاں فہیم کو تار پر اطلاع دی گئی۔ دوسرے دن وہ بھی آ پہنچے۔ سب نے مل کر طے کیا کہ اب انھیں امروہہ لے جانا چاہیے۔ نواب باقر علی خاں نے ہز ہائینس سے ملاقات کی۔ انھوں نے بھی سب کی رائے پر عمل کرنے کا مشورہ دیا۔ سرکاری گاڑیاں مل گئیں۔ پورا کنبہ اور ضروری سامان محرم سے دو تین دن پہلے امروہہ پہنچ گیا۔ نواب سید باقر علی خاں فہیم بھی ساتھ تھے۔ دو دن مسلسل یہاں کے مشہور اطبا رموثر سے موثر دوائیں دیتے رہے مگر کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ محرم کی چاندرات کو مغرب سے پہلے مرحوم نے اپنے دونوں فرزندوں (سید معجز حسین اور سید سکندر حسین) کو اور مجھے اپنے پاس بلوایا۔ اسی وقت پردہ کرا کے سید باقر علی خاں فہیم بھی بلوائے گئے۔ مرحوم نے اول سید معجز حسین کو پسماندگان کے متعلق وصیتیں کیں اور آخر میں فرمایا کہ سکندر ابھی بہت بچہ ہے[۱] اپنے لڑکوں کے ساتھ اس کی تعلیم سے بھی غافل نہ ہونا۔ پھر مجھے قریب بلا کر نواب باقر علی خاں سے

---

[۱] ان وصیتوں کا حال مجھے دادی صاحبہ نے بتایا تھا۔

فرمایا کہ اس بچے کی تعلیم مکمل کرنے کا وعدہ بھائی سید مرتضیٰ حسین اس کے باپ سے کر چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ایک لاثانی مرثیہ گو ہوگا۔ جب تمھیں یقین ہو جائے کہ اب اس میں اہلیت پیدا ہو گئی تو اس کے باپ کا بستہ جو تمھارے پاس ہے اسے دے دینا اور اسے میرا جانشین سمجھنا اور بہت سی باتیں جو میں نے تم سے رام پور میں اس کے متعلق کہی ہیں ان سب کا خیال رکھنا۔ یہ تم سے میری آخری خواہش ہے اور بس۔

دوسرے دن صبح نمودار ہوتے ہی مداح حسین، حسین کی خدمت میں جا پہنچا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ میں اس وقت ۵ ۱/۲ برس کا تھا، موت حیات کی تمیز رکھتا تھا۔ اب تک اچھی طرح یاد ہے کہ ان کے پلنگ سے سر پٹک پٹک کر رو دیا اور قبرستان تک جنازے کے ساتھ گیا۔ رات کو سب نے کڑوی روٹی کھائی مگر میں بے کھائے ہی سو گیا۔

ہمارے خاندان کی شناخت یہ ہے کہ محرم میں کوئی مر جائے تو موت کی رسمیں ملتوی کر دی جاتی ہیں۔ البتہ پھولوں کے دن مجلس عزا برپا ہوتی ہے دسواں، بیسواں وغیرہ کچھ نہیں ہوتا۔ چنانچہ مجلس منعقد ہوئی اور اس میں نواب باقر علی خاں فہیم نے تحت اللفظ خوانی کی اس کے بعد جالنسٹھ کا اپنا عشرۂ محرم پڑھنے کے لیے وطن چلے گئے اور اپنے ساتھ سیاہ بکس بھی لے گئے جس میں والد مرحوم کا بستہ مقفل تھا۔ اس بستے میں سات مرثیے والد کے کہے ہوئے اور دو ڈھائی سو (یا جتنے بھی ہوں) دادا مرحوم کے مصنفہ مراثی تھے جو والد نے اپنی ذاکری کے لیے نقل کیے تھے۔ چنانچہ مرثیاتی ادب کے مشہور محقق ڈاکٹر سید صفدر حسین (جو نواب سید باقر علی خاں فہیم کے عزیز قریب تھے) اپنی تاریخ "رزم نگاران کربلا" میں صفحہ ۴۰۵ پر لکھتے ہیں:

"وہ (نواب باقر علی خاں فہیم) شمیم مغفور کی وفات کے بعد ان کے مراثی کا کل ذخیرہ امروہہ سے اپنے وطن جانسٹھ لے آئے تھے۔ . . . مجھے اپنی طالب علمی کے زمانے میں شمیم امروہوی کے اس ذخیرے کو دیکھنے اور پڑھنے کے اکثر مواقع ملے ہیں۔"

جہاں تک میری تعلیم کا تعلق ہے، میں دادا مرحوم کی حیات میں مولوی اسمٰعیل کی اردو کی پانچویں کتاب اور قرآن پاک بھی نصف سے زیادہ پڑھ چکا تھا۔ کئی سورتیں زبانی بھی یاد کر لی تھیں۔ اور نواب سید باقر علی خاں فہیم نے کئی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے معنی بھی یاد کرادیے تھے۔ نماز اگرچہ مجھ پر واجب نہ تھی مگر دادی صاحبہ اور والدہ مرحومہ نے مجھے اس کا شروع ہی سے عادی بنا دیا تھا۔ اور میں روزانہ صبح کی نماز کے بعد وہ سورتیں جو مجھے ازبر تھیں پڑھ کر ان کا ثواب والد کی روح کو بخشتا تھا، اب دادا کی رحلت کے بعد ایصال ثواب میں ان کی روح کو بھی شامل کر لیا۔ یہ عادت آج تک جاری ہے۔ والد، والدہ، دادی، دادا، نانا اور نانی سب کی خدمت میں سورہ فاتحہ کا ثواب نذر گزرانتا ہوں۔

دادا مرحوم کا علمی و ادبی اثاثہ

دادا مرحوم کی وفات کے بعد ان کی اولاد نرینہ میں مادی اور علمی و ادبی کل متروکات کے دو وارث تھے۔

پہلے وارث میرے تایا، سید معجز حسین مرحوم جو اس زمانے کے رواج کے مطابق مکتب کی تعلیم کے بعد زمینداری کی دیکھ بھال میں پڑ گئے تھے اور شعر و شاعری کی طرف ان کا بالکل رجحان نہ تھا۔ دادی صاحبہ نے مجھے ایک دفعہ

بتایا تھا کہ در معجز کو بھی تمھارے دادا نے تحت اللفظ خوانی شروع کرائی تھی مگر وہ اکثر شعر ناموزوں پڑھتا تھا۔ اس لیئے انھوں نے کل مرثیے اس سے لے لیے اور زمینوں کے سب کاغذات اس کے سپرد کر کے منشی داؤد علی پٹواری کے ساتھ لگا دیا۔"

دوسرے وارث میرے چچا سکندر حسین مرحوم تھے جو سن و سال میں مجھ سے بھی دو برس چھوٹے تھے۔

تائے جی اپنی عدم دلچسپی کے باعث اور چچا سکندر اپنی کم سنی کے سبب، اس بات کے اہل نہ تھے کہ علم و ادب کا یہ قیمتی ذخیرہ جو فرزدقِ ہند حضرت شمیم امروہوی کی عمر بھر کی کمائی اور قسم قسم کے جواہرات (رباعی، سلام، مرثیہ، غزل، قصیدہ، ڈراما، سوانگیت اور ہجویات) پر مشتمل تھا ان میں سے کسی کے سپرد کر دیا جائے چنانچہ خاندان تقوی کے بزرگ الحاج سید مرتضی حسین صاحب قبلہ (پرنسپل جامعہ عربیہ نور المدارس امروہہ) نے کل افراد خاندان کی موجودگی میں طے کیا کہ یہ ذخیرہ رام پور سے امروہہ منگوا لیا جائے اور موصوف کے ذاتی کتب خانے میں خود انھیں کے زیر نگرانی اس وقت تک محفوظ رہے جب تک مرحوم (فرزدقِ ہند) کے وارثوں میں کوئی اس کا اہل پیدا نہ ہو۔ یہ ایسی صائب اور مناسب تجویز تھی جسے سب نے قبول کر لیا۔ دوران ادبی ذخائر کے دو بڑے بڑے بکس رام پور سے منگوا کر کتب خانہ مرتضویہ میں رکھ دیے گئے۔ اس کے علاوہ جو مرثیے وغیرہ نواب صاحب کے پاس تھے وہ ان سے کون طلب کرتا۔

یہ کلام سترہ اٹھارہ سال بڑی حفاظت کے ساتھ مقفل رہا اور جنوری ۱۹۷۳ء میں جبکہ میں مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں مقیم اور چرچ مشن ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی کی مستقل اسامی پر تعینات تھا۔ دادا مرحوم کے شرعی وارثوں کو تقسیم کر دیا گیا۔

جس کا ذکر دادا مرحوم کے سرمایۂ کلام کی بربادی کے عنوان کے تحت کیا گیا ہے۔

ناناکی سرپرستی کا دور

سچ تو یہ ہے کہ والد کی رحلت کے بعد داداکی سرپرستی نے ذرہ بھر اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا کہ میں کسی نعمت سے محروم ہو گیا ہوں۔ جتنی راحتیں مجھے والد مرحوم کی محبت سے میسر تھیں وہ سب، بلکہ ان سے بھی کچھ بیش دادا کی محبت سے بلا توقف میسر آ گئی تھیں۔ مگر دادا کی آنکھیں بند ہوتے ہی دنیا بدلی نظر آنے لگی۔ اگرچہ اب نانا (سید زکی حسن مرحوم) نے ان تمام آسائشوں کا نعم البدل فراہم کرنے کی انتہائی کوششیں کیں، مگر اپنے حالات اور ذمہ داریوں کے پیش نظر وہ بعض حالتوں کی متبادل حالت پیدا کرنے سے معذور تھے۔ ان کی آبائی جائداد تقریباً سبھی ختم ہو چکی تھی جس پر معیشت کا دار و مدار تھا۔ ایک جوان بیٹے کی تعلیم اور پھر اس کی شادی کا سامان مہیا کرنے کا بار ان کے کندھوں پر تھا۔ پیرانہ سالی کے باعث ملازمت یا کوئی اور کاروبار کرنے کی صلاحیت اور قدرت سے وہ محروم ہو چکے تھے۔ دادا کی بچی کھچی جائداد سے محجوب الارث ہو جانے کے باعث استفادے کا امکان نہ تھا۔ ان حالات میں فوری طور پر منشی ولایت علی کو ہٹانا پڑا اور ان کی جگہ نانا اور والدہ میرے معلم مکتب قرار پائے۔ نواب سید باقر علی خاں فہیم جو بیٹے کی طرح چاہتے تھے اور میں بھی بغیر ان کے بے چین رہتا تھا، جدا ہو گئے۔ رام پور کے دربار کی بلا ناغہ حاضری کو آنکھیں ترس گئیں۔ دادا مرحوم کے ملازم، موٹر کار کی سواری۔ عمائدین رام پور، ارکان ریاست اور دادا کے تلامذہ کی آمد و رفت، ایک شاندار محل سرائے میں پوئے

کنبے کے اجتماع کی چہل پہل اور نہ جانے کیا کیا دلچسپیاں جو اس ماحول میں نصیب تھیں سب کی سب یک بیک چشم زدن خاتمہ ہوگیا۔ تاہم موجودہ فضا میں میری تعلیم کے اعتبار سے ایک نئی اور خوشگوار تبدیلی کا پہلو بھی نکلا اور وہ یہ کہ دادا کی طرح نانا کے سامنے کل وقتی مشغولیتوں کے جھمیلے نہ تھے۔ اس لیے وہ صبح سے شام تک مجھے اپنی نشست گاہ میں لیے ہر وقت قالین پر بیٹھے رہتے تھے۔ نہ کہیں آنا اور نہ کہیں جانا۔ جتنا سبق منشی ولایت علی اور نواب باقر علی خاں اور دادا مرحوم سے روزانہ پڑھتا اور خود بلا امداد غیرے یاد کرتا تھا، اب اس سے بہت زیادہ (تقریباً دوچند) پڑھنے اور یاد کرنے لگا۔ گھر سے کوئی ایک فرلانگ کے فاصلے پر مسجد تھی جس میں مغربین کی نماز باجماعت ہوتی تھی عشا کے بعد پیش نماز اپنے مصلے پر روبہ حاضرین بیٹھ جاتے اور دینیات کے ضروری مسائل بیان کرتے۔ خاندان کے ایک بزرگ دادا سید زوار حسین مرحوم کی طرف سے روزانہ اس نشست کے بعد ریوڑیاں تقسیم ہوتیں اور ہر شب جمعہ محلے کے سب بچوں سے وہ مسائل زبانی سنے جاتے۔ اور ہر ایک کو اس کے حافظے کے مطابق نقد انعام ملتا۔ اس سلسلۂ جاریہ نے بچوں میں علمی مسابقت کا جذبہ پیدا کردیا تھا۔ مجھے بھی اس دلچسپ مقابلے میں حصہ لینے کا موقع ملتا اور کبھی میں اور کبھی میرے ابن عم (مولوی سید ہمیر رضا) جو مجھ سے دس مہینے بڑے تھے۔ پہلا انعام پاتے اور ہر پھر کر پہلا اور دوسرا انعام ہمارے ہی گھر میں گردش کرتا رہتا تھا۔ تیسرا انعام محلے اور خاندان کے دوسرے بچوں کا حصہ تھا۔ اس ہفتے وار نشست کی بدولت دینیات کی معلومات کا ذخیرہ دماغ کے خزانے میں جمع ہونے لگا۔ جو رامپور کی زندگی میں نہ تھا۔

مسجد سے متصل سڑک تھی اور سڑک کے کنارے دادا مرحوم کے شاگرد

رشید سید ناصر حسین نیّم مرحوم کی "بے سودے کی دوکان" تھی مرحوم کو جب وقت موقع ملتا، تقریباً روزانہ، نانا مرحوم کی بیٹھک میں آجاتے اور مجھے تحت اللفظ مرثیہ پڑھنے کی مشق کراتے۔ جو مرثیہ مرحوم نے شروع کرایا تھا اس کا مطلع یہ تھا:

عباس علی یوسفِ بازارِ وفا ہیں

اس مرثیے کا ایک بند اب تک یاد ہے جسے میں مرحوم کی تربیت کے زیرِ اثر خاص تیوروں سے پڑھتا تھا، اور جب پڑھتا تھا تو سامعین بھی اسے بہت پسند کرتے تھے:

اک دیو پئے جنگ بڑھا مضطرب الحال　　دل لالہ پُر داغ، جگر چاک زباں لال
شمشیر جو بیکی طرف قلب بد افعال　　جوہر، صفتِ برگِ حنا، سبز تھے یا لال
غل تھا کہ عجب رنگ دکھایا ہے قضا نے
لاے کا لہو چوس لیا برگِ حنا نے

نانا نے بہت جلد نہ صرف اردو کی پانچویں، بلکہ قرآن پاک بھی ختم کرا دیا۔ اب تک مجھے پارۂ عمّ کے چند چھوٹے چھوٹے سورے یاد تھے مگر اب سورۂ مزمّل بھی زبانی یاد ہو گیا۔ میں اس وقت پورے چھ برس کا تھا۔ مٹی کے تیل کی لالٹینوں یا سرسوں کے چراغ کی روشنی میں والدہ کا مکتب کھلا، جس میں میرے ساتھ خاندان کے دوسرے بچے (لڑکے اور لڑکیاں) بھی شرکت کرنے لگے۔ والدہ مرحومہ نے سب بچوں کو تعلیم دینے کا بوجھ اپنے ذمے قربۃً الی اللہ لیا تھا، مگر خاندان کے لوگوں نے جو اُن بچوں کے والدین یا سرپرست تھے، والدہ کو نی طالب العلم کے حساب سے مشاہرہ دینا شروع کر دیا۔ اس طرح خود بخود بغیر کسی کوشش و کاوش کے معیشت کی تنگی کا مداوا ہوا اور میرے ہنر چھوٹے بھائی سید ضامن رضا اور

بہن شہر بانو کے پھٹے پرانے لباس سے گرد یتیمی کے دھبے صاف ہونے لگے۔

ایک دن ہرکارے نے آواز دی، اور معلوم ہوا کہ وہ میری پر دادی سماۃ فاطمہ خاتون مرحومہ کے نام پچیس روپے کا منی آرڈر اور ہز ہائینس نواب رام پور کا ایک سرکاری خط لایا ہے۔ وصول کرنے پر معلوم ہوا کہ ہز ہائینس مرحوم نے دارثان شمیم کا وظیفہ مقرر کیا ہے۔ جس میں انھوں نے مجھے محجوبُ الارث نہیں ٹھہرایا اور حصہ رسد رقم میرے نام بھی جاری کی گئی ہے (اللہ تعالیٰ مرحوم کو اس کا اجر دے) مجھے اس رقم میں سے جو پانچ روپے ماہ بہ ماہ ملتے تھے وہ آج کے سوا سو کے برابر تھے۔ والدہ میرا یہ ماہانہ وظیفہ میرے ٹیوٹر کی تنخواہ میں خرچ کرنے لگیں۔

والدہ کی سرپرستی اور نگرانی کا زمانہ

نانا مرحوم میں اتنی علمی استعداد تھی کہ مجھے مزید کئی سال (فارسی اور عربی) کی تعلیم دے سکتے تھے نگران کے اور والدہ مرحومہ کے درمیان نظریاتی اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہوا یہ کہ اردو کی پانچویں اور قرآنِ پاک ختم ہونے کے بعد نانا کی خواہش یہ تھی کہ وہ مجھے انگریزی تعلیم دلا کر بہت جلد چار پیسے کمانے کے قابل بنا دیں۔ مگر والدہ چاہتی تھیں کہ والد مرحوم نے امام حسین کی ضریح پر ہاتھ رکھ کر جو عہد کیا تھا اور اس کے ایفا کے لیے جس دینی اور مذہبی معلومات کی ضرورت تھی اس کے پیش نظر فارسی و عربی کے مروّجہ علوم تحصیل کیے جائیں۔ چنانچہ والدہ نے، جیسا کہ پہلے کسی مقام پر ذکر کیا جا چکا ہے میری تعلیم کے سلسلے میں نانا کا دامن چھوڑ کر خود اس میدان میں ٹھوس قدم اٹھایا اور جامعۂ عربیہ نور المدارس امروہہ کے ایک ماتحت مدرس، منشی سید حمید حسن مرحوم کو بلوا کر مجھے ان کے سپرد کر دیا گیا۔ مرحوم جب صبح کے وقت اپنے گھر سے جامعہ میں

تشریف لاتے تو راستے میں میرے گھر سے مجھے اپنے ساتھ لے جاتے اور چھٹی ہونے کے بعد گھر پہنچا دیتے۔ مرحوم کی خصوصی توجہ نے بہت جلد مجھے اس قابل بنا دیا کہ بارہ برس کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی کے منشی کا نصاب پڑھنے لگا۔ اب منشی جی نے جامعہ میں باقاعدہ طور پر میرا داخلہ کرا دیا۔ اسی سال میں نے دہلی اورینٹل کالج کے سینٹر میں جاکر منشی (پنجاب یونیورسٹی) کا امتحان دیا اور پاس ہو گیا۔ مجھے اس امتحان میں اپنی کم سنی یاد رکھنے کے لیے یہ بات کبھی نہیں بھولے گی کہ تمام امیدوار جو شریک امتحان ہوئے تھے۔ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ کر پرچے حل کرتے تھے اور میں کھڑے کھڑے اپنی کاپی ڈسک پر رکھ کر لکھتا تھا۔ جب تھک جاتا تو کرسی پر بیٹھتا اور لکھے ہوئے جوابات کو ایک بار یا کئی بار پڑھ لیتا اور پھر کھڑے ہو کر لکھنے لگتا۔

اب میرے معلم اور استاد منشی جی کی بجائے جامعہ نور المدارس کے پرنسپل الحاج سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ اور ان کے فرزند اکبر حجۃ الاسلام مولانا سید یوسف حسین صاحب قبلہ نجفی مجتہد تھے۔ جن میں اول الذکر میرے دادا مرحوم کے ابن عم اور آخر الذکر ان کے بھتیجے تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے نہ صرف جامعہ کے مقررہ اوقات میں بلکہ گھر بھی شب و روز مجھے تعلیم بھی دی، سبق یاد بھی کرائے اور تربیت بھی فرمائی۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے پنجاب یونیورسٹی کا منشی پاس کرنے کے بعد تیرہ برس کی عمر میں الہ آباد بورڈ کا منشی اور چودہ برس کی عمر میں مولوی پاس کر لیا۔ جب میں مولوی کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا تو مجتہد موصوف منصبیہ عربی کالج میرٹھ میں پرنسپل کے عہدے پر بلوا لیے گئے اور موصوف مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ اس طرح مولوی اور عالم کے امتحانات میں نے مذکورہ کالج میں تعلیم پا کر پاس کیے۔ پھر فاضل ادب کا نصاب جامعہ نور المدارس امروہہ میں پڑھا اور وہیں سے امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد فاضل فقہ، کامل (فارسی) اور نور الا فاضل (درس نظامی)

کے امتحانات مختلف اداروں کی ملازمت کے دوران پاس کیے جن کا ذکر آگے چل کر کیا جائے گا۔

لڑکپن میں شعر و سخن کا مشغلہ

شعر و شاعری کا ذوق جو میری ترکیبِ حیات میں پانچویں عنصر کی حیثیت رکھتا ہے، مذکورہ تعلیم کے دوران لڑکپن میں بھی شباب پر تھا۔ نانا مرحوم اگرچہ میری شعر گوئی کے حق میں نہیں تھے۔ مگر اس معاملے میں میرے طبعی رجحان اور والدہ مرحومہ کی دلی تمنا سے تصادم بھی مول نہیں لیتے تھے۔ امروہہ میں سادات کے دو بڑے خاندان تھے۔ ایک سادات نقوی جو سید اشرف دانشمند کی اولاد تھے۔ اور دوسرے سادات نقوی جو سید شرف الدین شاہ ولایت کی ذریت تھے۔ اول الذکر محلہ دانشمند میں آباد تھے اور آخر الذکر پورے شہر میں پھیلے ہوئے تھے۔ مذہبی تقریبات کے سلسلے میں جتنی مجلسیں، محفلیں پورے شہر کے مختلف محلوں میں برپا ہوتی تھیں، اتنی ہی محلہ دانشمند میں منعقد کی جاتی تھیں۔ ان دونوں خاندانوں کے اشخاص ایک دوسرے کے یہاں بڑی اخلاص مندی سے شرکت کرتے تھے۔ ہمارے محلے (سادات نقوی) میں چودہ معصومین میں سے ہر ایک کی ولادت کے موقع پر اور ان کے علاوہ عیدِ بعثت شبِ معراج، فتح خیبر، عید غدیر اور عید مباہلہ کے دن ایک ایک محفل منعقد ہوتی تھی۔ اتنی ہی محفلیں شہر کے مختلف محلوں میں برپا کی جاتی تھیں۔ ان اڑتیس محفلوں میں کل شہر کے سنی و شیعہ شعرا شرکت کرتے تھے اور تازہ بہ تازہ نو بہ نو قصیدے اور منقبتیں کہہ کر لاتے تھے۔ میں بھی ان سب محفلوں میں شرکت کرتا اور ہر محفل کے لیے کچھ نہ کچھ تازہ شعر کہہ لیتا۔ یہ اشعار سب سے پہلے والدہ اور پھوپھی صاحبہ کو سناتا اور وہ جا بجا لفظوں کی در و بست پر اعتراض کر کے اصلاح کے لیے رہ نمائی فرماتیں۔

بیٹھ ایک بار پھر غور و فکر کرتا۔ پڑوس میں حضرت نجم العلماء کے بھتیجے مولانا خورشید حسین صاحب قبلہ ممتاز الافاضل اور قصبہ جہانگیر آباد ضلع بجنور کے ایک فاضل واعظ اور صاحب ذوق ادیب مولانا سید انوار الحسن صاحب قبلہ مرحوم رہتے تھے (جو عرفاً عبداللہ کہلاتے تھے) میں ان دونوں بزرگوں سے عربی صرف و نحو اور ادبیات پڑھتا تھا۔ آخرالذکر میرے دادا کے ابنِ عم الحاج مولوی سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ (پرنسپل جامعۂ عربیہ نور المدارس امروہہ) کے شاگردِ رشید تھے اور ہمارے خاندان میں ایسے گھل مل گئے تھے کہ ہماری کوئی تقریب ان کی شرکت کے بغیر انجام نہیں پاتی تھی (راہی جہانگیر آبادی انھیں کے فرزند ہیں) میں والدہ کو اپنے شعر سنانے کے بعد ان دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک کو سناتا یا لکھ کر دے دیتا۔ یہ دونوں اصحاب خود تو شعر نہیں کہتے تھے، مگر نقد و تبصرہ کا ایسا ذوق سلیم رکھتے تھے کہ شاید و باید! وہ بڑی توجہ اور انہماک سے میرے شعر سنتے یا دیکھتے اور پھر ان کے ناقدانہ جملوں سے ایسی وسیع راہیں نظر آتی تھیں جن کی روشنی میں تھوڑی سی محنت کرنے کے بعد شعر کہیں سے کہیں پہنچ جاتا تھا۔ اگرچہ مرحومین کی یہ پدرانہ شفقت اور عالمانہ ہدایت میرے ایسے مبتدی کے لیے کافی تھی۔ مگر دل میں ہر وقت یہ تمنا ابھرتی رہتی تھی کہ "کاش آج دادا یا والد مرحوم ہوتے اور میں انھیں اپنے شعر دکھاتا اور ان کے استادانہ فیوض سے مستفیض ہوتا" دادا مرحوم کی زود گوئی، خوش طبعی اور علوئے فکر کے جو واقعات سنتا تھا اور ان کے اشعار کی تشریحات سے لطافت فن کے جو نکتے ہویدا ہوتے تھے انھیں سن کر اور سمجھ کر جی چاہتا تھا کہ مرحوم کا کوئی ایسا شاگرد ہی مل جائے جس کے دل و دماغ میں مرحوم نے

---

[1] مولانا سے دو ایک بار ہی استفادے کا موقع ملا کیونکہ بہت جلد وہ امروہہ سے باہر چلے گئے۔

اپنی شاعری کے خداداد اور گوناگوں خزانے کوٹ کوٹ کر بھر دیے ہوں تو میں اسی سے کسبِ فیض کروں اجو بند یا بندہ۔ ایک دن منشی عبدالرّب شکیب (شیش محل امروہہ) نے جو دادا مرحوم کے شاگرد تھے اور بڑی اچھی غزل و منقبت کہتے تھے، قصائدِ عرفی پڑھاتے میں دادا کے کچھ شعر سنائے اور سلسلۂ کلام میں فرمایا کہ استاد مرحوم کے خیالات کی کچھ جھلکیاں سید علی عسکری رضا عرشؔ کے اشعار میں کبھی کبھی نظر آتی ہیں، وہ خود بھی ہم سے زیادہ طبّاع ہیں اور انھیں استاد کی خدمت کا بھی سب سے زیادہ موقع ملا ہے۔ یہ سید علی عسکری رضا عرشؔ محلّہ گھیر مناف کے ایک پشتینی رئیس تھے اور دادا مرحوم کی وفات کے بعد دنیا سے دل برداشتہ ہو کر شاعرانہ زندگی کی بجائے خالص زمیندارانہ زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ میری عمر کے لڑکے تو اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ امروہہ میں یہ بھی کوئی شاعر ہیں۔ میں نے مولانا سید انوار الحسن صاحب قبلہ سے ان کا ذکر کیا۔ انھوں نے بھی منشی عبدالرب شکیب کی تائید فرمائی اور مجھے مشورہ دیا کہ میں انھیں بھی اپنا کلام پڑھنے سے پہلے سنا دیا کروں۔ چنانچہ میں بہت جلد والدہ سے اجازت لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور انھیں اپنی کئی غزلیں اور سلام سنائے اور اسی نشست میں یہ محسوس ہو گیا کہ مولانا انوار الحسن صاحب کے مشورے عالمانہ ہوتے ہیں اور سید عسکری رضا عرشؔ کی طبیعت استادانہ نکتوں کی گرفت کرتی ہے مثلاً میری غزل کا یہ شعر جب انھوں نے سنا:

تم آئے کس لیے بیتاب ہو کے بر سرِ بام　　　جنازہ غیر کا نکلا ہے تو نکلنے دو

تو انھوں نے بے ساختہ فرمایا کہ "غیر کا" کی جگہ "گر مرا" بنالو۔ میں اس ترمیم پر پھڑک گیا۔

اس غزل کے چند شعر اور سناتا ہوں، جو کسی بیاض میں نہیں بلکہ دل کے ورق پر لکھے ہوئے ہیں۔ ان اشعار سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس وقت میرا توسنِ تخیل

کس ڈگر پر چل رہا تھا:

نہ رد کو ہاتھ لو، خنجر گلے پہ چلنے دو
ہمارے دل کی تمنا تو کچھ نکلنے دو

بگاڑ دی حضرتِ واعظ نے تلخیِ گفتار
ذرا سی مے سے مجھے ذائقہ بدلنے دو

نگل چکا ہے یہ تاریکیاں زمانے کی
قلم کو بزم میں اب نور بھی اگلنے دو

کبھی تو آئے گا مطلب قریب ہے مقتل
بس آ لیے سرِ منزل کچھ اور چلنے دو

کہیں ہے رنگِ حقیقت کہیں مجاز کی بو
چمن میں رنگ دکھائے مری غزل نے دو

اس وقت میری عمر ۱۳ سال سے کچھ بیش تھی اور کافیہ، شرح تہذیب، مختصر نافع اور قصیدۂ فرزدق وغیرہ (مولوی کے نصاب میں) پڑھ رہا تھا۔ فارسی کے دو امتحانات کے کورس میں بیان و بدیع اور قافیے کی کتابیں بھی میری نظر سے گزر چکی تھیں۔ آبِ حیات، مقدمۂ حالی، شعر العجم اور شعر الہند کے مباحث بھی یاد تھے۔ اس حقیقت کے اظہار کی غرض یہ ہے کہ شعر و سخن کے لیے جتنی دماغی تربیت درکار ہے وہ بڑی حد تک اس وقت تک ہو چکی تھی اور ہو رہی تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں تک حسنِ بندش اور مناسب الفاظ میں مضمون کو ادا کرنے کا تعلق ہے اس کا پودا تین بزرگوں کی تربیت کے خوشگوار سایے میں پروان چڑھا: اول والدہ مرحومہ، دوسرے مولانا انوار الحسن، تیسرے سید عسکری رضا عرش۔ مولانا سید خورشید حسن صاحب سے ایک دو دفعہ کے علاوہ استفادے کا موقع نہ مل سکا۔

اب رہی تخیل۔ اس کے لیے مبدءِ فیاض کی طرف سے قدم قدم پر رہنمائی ہو جاتی تھی اور حق یہ ہے کہ بغیر اس کے سرزمینِ امروہہ پر جہاں بڑے بڑے خوش فکر شاعر موجود تھے اور جس کے بارے میں لکھنؤ کا محشر جیسا قصیدہ گو اور ماہرِ فن شاعر یہ شعر کہہ گیا تھا ~

امروہہ [illegible] وقفِ ایمانِ شاعری ہے
مولد ہے مصحفی کا، محشر ذرا سنبھل کر

ایک لڑکے کے کلام کا پھلنا پھولنا اور سرسبز ہونا کوئی آسان بات نہ تھی۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ دادا مرحوم اور دیگر اسلاف کو تم و بیش ایک صدی سے امروہے میں وہ شاعرانہ عظمت حاصل تھی کہ بزم شعر و سخن میں ہمیشہ قیادت اور صدر نشینی کا مسلمہ استحقاق رکھتے تھے۔ اور ان کے اعتراف کمال کی نسبت سے برادری نے یہ تاج مجھے بھی پہنا دیا تھا جس کا حال برادرم حضرت رئیس امروہوی کے لفظوں میں سنیے، جو انھوں نے مراثی نسیم جلد دوم کے مقدمے میں میرے لڑکپن کا ذکر کرتے ہوئے لکھے ہیں:

"شاعری نسیم صاحب کا خاندانی مشغلہ تھی۔ ان کے والد، دادا، اور پردادا امروہہ میں جگت استاد کی حیثیت کے مالک تھے۔ ہر طبقے کے لوگ ان کا لوہا مانتے تھے۔ اور اس نسبت سے ایسی محافل میں نسیم صاحب کو سب سے آخر میں پڑھوایا جاتا تھا۔"

اس ماحول میں ضروری تھا کہ میری زبان سے جو شعر بھی نکلے وہ اتنا جاندار ہو کہ پوری محفل پر چھا جائے۔ ظاہر ہے کہ شعر میں یہ تاثیر محض استادوں کی توجہ سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب تک خود شاعر کی تخیل خالقِ ذوقِ سلیم کی فیاضیوں سے براہ راست منسلک نہ ہو۔ چنانچہ مجھے طفیل محمدؐ و آلِ محمدؐ یہ نعمت ابتدا ہی سے میسر تھی جس میں مذکورۂ بالا بزرگوں کے مشوروں سے نمک پانی کا امتزاج متوازن ہونے کے بعد میرے ہر شعر میں مطبوعِ خاص و عام روحانی غذا بننے کی صلاحیت پیدا ہوتی چلی جاتی تھی۔

دادا مرحوم کا کلام نہ ملنے پر میرا احتجاجِ منظوم

جب لڑکپن ہی میں میری شاعری کو قبولیت عام حاصل ہونے لگی تو اکثر

لوگ فرمائش کرنے لگے کہ میرے یہاں مجلس پڑھ دیجیے۔ میں ان کا منہ دیکھ کر رہ جاتا تھا۔ عوام کو یہ بات کس طرح سمجھائی جاتی کہ میں نے ابھی ایک آدھ ہی مرثیہ کہا ہے۔ وہ تو یہی سوچتے تھے کہ یہ شمیم صاحب کے پوتے ہیں جو مشہور مرثیہ گو تھے۔ ایسی فرمائشوں کے سلسلے میں عذر بہ عذر اور اصرار پر اصرار کی منزل آتی تو بعض لوگ برا مانتے اور سوچتے کہ قصداً ان کی فرمائش پوری کرنے سے اجتناب کیا گیا دادا مرحوم یا والد مرحوم کے علاوہ کسی اور بڑے سے بڑے شاعر کا مرثیہ پڑھ دینے کو میرا جی نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ دوسرے کا کلام پڑھنے کے تصور سے کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی شخص جس کے گھر میں ہر قسم کی دولت موجود ہو یکایک بھیک مانگنے لگے۔ اس بے چارگی کو حل کرنے کے لیے میں نے اپنے خاندان کے دو بزرگوں (دادا زوار حسین مرحوم اور چچا اختر حسنین مرحوم) کو تائے جی کے پاس بھیجا اور انھوں نے میری ضرورت اور اہلیت کا ذکر کر کے دادا مرحوم کا کل یا جزو بستہ میرے سپرد کر دینے کی سفارش کی۔ جواب ملا قائم رضا محبوب الارث ہے۔ مجھے سکندر (میرے چچا) کا انتظار ہے۔ اس کی تعلیم ختم ہو تو کچھ فیصلہ کیا جائے۔ شاید وہ اس بستے کے استحقاق کی صلاحیت پیدا کرلے۔ اس کے علاوہ منظور (تائے جی کے بڑے بیٹے) بھی خوب مجلس پڑھنے لگا ہے۔ اگرچہ خود مرثیہ نہیں کہتا مگر پڑھتا تو ہے۔ ان وجوہات سے ابھی دو چار سال انتظار کر کے یہ بستہ تقسیم ہوگا۔ اگرچہ تائے جی کا یہ جواب معقول تھا مگر لڑکپن کے جوش میں مجھے بہت برا لگا اور قریب ترین محفل میں پڑھنے کے قصیدے کی تشبیب میں صدائے احتجاج بلند کر دی (اگرچہ اپنے اشعار آج مجھے بہ اعتبار شعریت پسند نہیں مگر بلا حک و ترمیم نقل کرتا ہوں تاکہ قارئین کو ۷۰ برس پہلے کی میری شاعری کا صحیح اندازہ ہو جائے۔

میری طینت میں ملی ہے آلِ طٰہٰ کی ولا　　　کارگاہِ کن فکاں سے پائی ہے یہ کیمیا

میرے فطری ذوق سے ہیں باخبر افرادِ قوم
چھوڑ کر آغوشِ مادر ہیں سرِ منبر بیا

عہدِ طفلی سے تھا مجھکو شوقِ ذکرِ اہلبیت
پر متاعِ غیر سے یک گونہ ننگ و عار تھا

اس لیے چاہا کہ کچھ مل جائے دادا کا کلام
بدنصیبی سے مگر نا اہل میں سمجھا گیا

جب نظر آئی نہ کوئی شکلِ انجاحِ مرام
کی تہِ دل سے نمازِ صبح پڑھ کر یہ دعا

خالقِ ذوقِ سخن مجکو نہ رکھ محتاجِ غیر
قابلیت شعر گوئی کی مجھے کر دے عطا

شکر خالق کھل گیا میرے لیے بابِ سخن
مل گئی سرکارِ عالی سے مجھے طبعِ رسا

جد کے ترکے سے مجھے محروم سمجھے جو بزرگ
ان سے کہہ دو مجکو یہ دادا کا ترکہ مل گیا

اور یہ ترکہ بھی کیسا مستند اور معتبر
جس پہ دادا کے سخن کا دوستوں کو شک ہوا

کرتے ہیں منسوب دادا کی طرف میرا کلام
بے بضاعت جانتے ہیں مجکو اربابِ صفا

میں ابھی اک طفلِ مکتب، وہ تھے استادِ زماں
آسماں سے کیا تقابل ذرۂ ناچیز کا

اس گمانِ بدگمانی سے بھی ہیں ہم مطمئن
اس سے ہوتا ہے عیاں میرے سخن کا مرتبا

مدح؎ کی تائید ہو جاتی ہے ذم سے بھی کبھی
ہے تفنن میں اسے اہلِ بلاغت نے لکھا

میں خلوصِ دل سے کہتا ہوں جو مدحِ اہلبیت
میرے ممدوحین نے بخشا ہے مجکو یہ صلا

باوجود خامیِ سن شعر میں ہے پختگی
یہ عطائے خاص ہے لہٰذا مرثیہ بل تی

پایا دادا کا تکلم، گو نہیں پایا کلام
چھین تو لیں مجھ سے اس دولت کو اربابِ صفا

معترف ہیں آج میری اہلیت کے خاص و عام
داد کے پھولوں کی بارش کہہ رہی ہے برملا

کیوں مجھے نا اہل ٹھہرانے کے درپے ہیں یہ لوگ
بن گئے عقرب مرے حق میں یہ میرے اقربا

باپ دادا کا جو بستہ وہ نہیں دیتے نذر میں
جن سے دل بستہ ہے میرا وہ ہیں گلہائے ولا

کیوں ہوں میں بستے کا طالب جس لیے منکر ہیں لوگ
تو ہے واقف میرے مالک کس کی نیت میں ہے کیا

؎ تاکید المدح بما یشبہ الذم کا ترجمہ جو علم بدیع میں ایک صنعت کا نام ہے۔

عدل کا کیا ہے تقاضا کون سمجھائے انھیں
تو ہی اب انصاف کرلے قاضیِ روزِ جزا

اگرچہ میرا یہ احتجاج صدا بہ صحرا ثابت ہوا مگر اس کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اب تک دادا مرحوم کے کلام سے میری محرومی کا حال صرف اہل خاندان تک محدود تھا، مگر اس احتجاج کے بعد شہر کی برادری کے لوگ بھی اس صورتِ حال سے واقف ہوئے اور اپنے پرائے سب کی ہمدردیاں میرے ساتھ ہوگئیں جس کا میرے کلام کی اور میری مقبولیت پر بہت اچھا اثر پڑا اور وہ آوازیں بھی ہمیشہ کے لیے دب گئیں جن کی جانب میں نے اپنی احتجاجی تشبیب کے نویں شعر میں اشارہ کیا ہے۔

جانسٹھ میں مرثیہ گوئی کی مشق

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب عم محترم حضرت یوسف حسین صاحب قبلہ نجفی مرحوم، منصبیہ عربی کالج میرٹھ میں پرنسپل کے عہدے پر مامور ہوئے تو امروہہ سے مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ میں اس وقت "مولوی" کا کم و بیش آدھا نصاب پڑھ چکا تھا اور سنین عمر کی چودھویں سیڑھی تک پہنچا تھا۔ حسن اتفاق، میرٹھ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی معلوم ہوا کہ کل صبح چھوٹی کربلا میں حضرت بزم آفندی اکبرآبادی مرثیہ پڑھیں گے۔ بزم صاحب، دادا مرحوم کے ساتھ دربار رام پور میں رہ چکے تھے اور دربار کی ان نشستوں میں جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، وہ مجھے صغر سنی میں روزانہ دیکھتے تھے اور اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے۔ میں اسی دن شام کو ان کی قدم بوسی کے لیے گیا۔ مل کر بہت خوش ہوئے اور مجھے اپنی مجلس میں پیش خوانی کے لیے مدعو کیا اور نئے سلام کے لیے مصرعِ طرح بھی دیا:

فرشتے مجھومتے ہیں چشمۂ کوثر چھلکتا ہے

میں نے رات میں ۲۲، ۲۳ شعر کا سلام کہا مطلع یہ ہے:

علی کے وصف میں وقت سحر بلبل چہکتا ہے
عجب تاثیر ہے کھل کھل کے ہر غنچہ چٹکتا ہے

دوسرے دن مجلس میں یہ سلام پڑھا۔ میری امید سے زیادہ مقبول ہوا۔ بزم صاحب نے بھی اس طرح داد دی کہ جب زیب منبر ہوئے تو رباعی پڑھی اور یہ کہہ کر مرثیہ شروع کر دیا کہ "سلام تو ہو ہی چکا ہے۔ اس کی کیا ضرورت ہے"۔ جانسٹھ کا قصبہ میرٹھ سے چند ہی میل کے فاصلے پر واقع ہے مجلس میں دیال نگر کے بھی کئی اصحاب شریک تھے۔ وطن پہنچ کر انھوں نے نواب سید باقر علی خاں فہیم سے اس مجلس کا اور میرے سلام کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ میں نے تعلیم کے لیے منصبیہ عربی کالج میں داخلہ لے لیا ہے۔ مرحوم نے اسی دن مجھے خط لکھا اور آئندہ جمعہ کو خود بھی جانسٹھ سے تشریف لے آئے۔ اس ملاقات میں دادا مرحوم کے زمانۂ حیات کی بہت سی پرانی یادیں تازہ ہوئیں۔ چلتے وقت مرحوم نے مجھ سے کہا کہ تمھارے متعلق میرے دل میں بہت سی تمنائیں ہیں اور وہ سب استاد مرحوم (شمیم صاحب) کے دل سے براہِ راست میرے دل میں منتقل ہوئی ہیں۔ اب وہ تمنائیں پوری ہونے کا وقت آگیا ہے۔ امروہہ جانسٹھ سے بہت دور تھا۔ جہاں میں اپنی ریاست کا کام چھوڑ کر بار بار نہیں آجا سکتا تھا۔ مگر میں تمھاری والدہ کے اس ذوق و شوق پر مطمئن تھا کہ وہ تمھیں خاطر خواہ تعلیم دلوا رہی ہیں۔ اب تم میرے پڑوس میں آگئے ہو۔ اور ان تمناؤں کو عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت بھی تم میں پیدا ہو چکی ہے۔ موسم گرما کی طویل تعطیلات قریب آگئی ہیں۔ میں تمھاری والدہ کو خط لکھ دوں گا کہ ان چھٹیوں میں قائم رضا میرے پاس رہے گا۔ چھٹی شروع ہونے سے پہلے مجھے خط لکھ دینا میں نوبت (ملازم) کو بھیج دوں گا۔ وہ تمھیں جانسٹھ لے جائے گا۔

اس مقام پر پہنچ کر، قبل اس کے کہ میں اپنے قلم سے جائس ٹھ کے قیام اور وہاں اپنی مقبولیتوں کا ذکر کروں، مناسب یہ ہے کہ مرثیائی ادب کے محقق ڈاکٹر سید صفدر حسین کی تاریخ "رزم نگاران کربلا" کا ایک اقتباس نقل کر دوں تاکہ جائس ٹھ سے میری وابستگی کا ایک ہلکا سا عکس نظر آجائے۔ جسے میری مرثیہ گوئی کی مشق میں علت فاعلی اور اساسی عنصر کا مقام حاصل ہے۔ میں اس وقت تک رباعی، سلام، قطعہ، نعوت، منقبت، قصیدے اور مختلف قسم کی نظمیں بے تکان کہتا تھا۔ مگر مرثیہ گوئی کے وسیع اور سنگلاخ میدان میں گامزن ہونے کی پوری طرح مہارت نہیں رکھتا تھا۔ یہ نواب باقر علی خاں نہیم اور ان کے خانوادۂ عالی ہی کے خوش مذاق اصحاب تھے جنھوں نے میرے جوہر کو پرکھ کر میری ہمت افزائی کی اور مرثیہ گوئی کے دریائے ناپیدا کنار میں غوطہ زن ہونے کے ذوق کو ابھار کر مجھے اس منزل تک پہنچایا کہ آج (جبکہ میری عمر لگ بھگ اسّی برس کی ہے) سو اد و سو سے زیادہ مرثیوں کا بستہ لے کر خلد میں جانے کے لیے تیار بیٹھا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب تاریخ مذکورہ کے صفحہ ۳۵۰ و ۳۵۱ پر رقمطراز ہیں:

"میں نے اپنے بچپن میں یہاں کی (جائس ٹھ کی) تہذیبی اور مجلسی زندگی کی بہاریں دیکھی ہیں۔ یہاں کے دو ہمعصر رئیس نواب سید عبداللہ خاں اور نواب سید مہدی علی خاں اپنے اپنے مقام پر ایک تہذیبی ادارہ سمجھے جاتے تھے۔ جن لوگوں کو کبھی ان دونوں سے ملاقات کا موقع ملا ہو گا وہ اس بات کی شہادت دیں گے کہ ایسی آن بان اور شان و شوکت کے لوگ زندگی میں شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔ انہی بزرگوں کے قریبی اعزہ میں ایک صاحب سید باقر علی خاں نہیم تخلص کرتے تھے۔ انھیں خاندان شمیم امروہوی سے گہری

محبت تھی)۔ وہ شاعر تو محض اوسط درجے کے تھے لیکن اپنے استاد حضرت نسیم کے نام ان کے اعزہ و رفقا، پر جان چھڑکتے تھے۔ اسی خصوصی وابستگی کے باعث حضرت نسیم نے اپنے مرض الموت کے دوران انھیں تار دے کر طلب کیا تھا۔ وہ اپنے استاد کی تجہیز و تکفین اور تمام رسوماتِ تعزیت میں شریک ہوئے تھے اور ان کی وفات کے بعد بھی عمر بھر اپنے استاد کے خاندان سے ایسی محبت و شفقت سے پیش آتے رہے جیسے گھر بھر کے سرپرست اور ہمدرد محض وہی تھے۔ نسیم صاحب چونکہ اپنے ذوقِ شاعری کے باعث بچپن ہی سے ہونہار نظر آتے تھے اس لیے ان سے باقر علی خاں کو بہت سی توقعات تھیں، وہ نسیم صاحب کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور ان کی خاطر داری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ اس تعلق خصوصی کے باعث نسیم صاحب کو دیارِ سادات بارہہ سے وابستگی پیدا ہوگئی تھی۔ اور پھر جب انھوں نے عنفوان شباب میں یہاں کی پرکیف زندگی اور دلکش ماحول میں کچھ وقت گزارا تو اس فضا میں کچھ ایسے رس بس گئے تھے کہ جیسے یہی مقام ان کا دیار عزیز ہو۔ تعلیمی اداروں میں سال میں کئی بار طویل تعطیلات ہوتی ہیں اور چونکہ نسیم صاحب کا تعلق بطور طالب علم اور کبھی بطور معلم ایسے ہی اداروں سے رہا تھا اس لیے وہ تعطیلات میں ہفتوں اور مہینوں جانسٹھ آکر ٹھہرتے۔ یہاں "رنگ محل" کے عظیم الشان دروازے پر ان کا قیام رہتا تھا۔ اور یہی وہ جگہ تھی جہاں وہ مکروہاتِ دنیا سے آزاد ہوکر نہایت آرام اور فراغت کے ساتھ شعرگوئی میں منہمک رہتے تھے۔ ان کے ابتدائی دورِ شاعری کا بیشتر کلام یہیں

تخلیق ہوا تھا۔ یہاں انھیں یہ آسانی بھی میسر تھی کہ وہ اپنے دادا کے محفوظ کلام کا بھی مطالعہ کر سکتے تھے۔ جو باقر علی خاں نے بڑی محنت اور ریاضت کے ساتھ جمع کر لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ جناب شمیم کی وفات کے بعد ان کے کلام کا ذخیرہ ان کے بڑے بیٹے سید معجز حسین مرحوم کو ملا تھا جو اس وقت بقیدِ حیات تھے۔ معجز حسین صاحب شعر و سخن سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے اور نسیم صاحب کی عمر اس وقت مشکل سے پانچ برس ہوگی اس لیے ان کی طرف کسی کا گمان بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ اس متاع عزیز کی حفاظت کر سکیں گے۔ معجز حسین صاحب نے حفاظت کے خیال سے یہ تمام سرمایہ الحاج مولوی مرتضیٰ حسین صاحب مرحوم کے پاس بطور امانت رکھ دیا تھا۔ اس طرح یہ ذخیرۂ ادبی نسیم صاحب کی دسترس سے باہر تھا۔ یہ سہولت انھیں محض باقر علی خاں کے یہاں میسر آ سکتی تھی کہ وہ اپنے جدِ بزرگوار کے اندازِ فکر اور ان کے جوہرِ طبع سے آشنا ہو سکیں۔ انھوں نے جائس میں بہت سی مجالس میں اپنے دادا اور اپنے والد مرحوم کے مراثی بھی پڑھ کے سنائے لیکن جب شعور اور نظر میں پختگی پیدا ہوئی تو وہ سلام اور رباعی اور قصیدے سے آگے بڑھ کر خود بھی مرثیہ کہنے لگے۔ باقر علی خاں اور ان کے بھائی جعفر علی خاں دونوں نسیم صاحب سے محبت کرتے تھے اور ان کے شاعرانہ فروغ کے دل سے خواہاں تھے۔ اس لیے انھوں نے گوناگوں فرمائشیں کر کے نسیم صاحب کو مرثیہ گوئی کی مشق بہم پہنچائی اور جائس کی مجلسی فضا نے ان کے کلام کو پسند کر کے خود اعتمادی کا حوصلہ دیا۔

مجھے ۱۹۳۰ء کے بعد تقریباً بارہ سال تک حضرت نسیم کی زیارت

کاموقع نہ مل سکا تھا لیکن سادات باہرہ کے جن گھرانوں سے ان کے روابط مستحکم ہوئے تھے ان سے مجھے قریبی عزیز داری کا احساس تھا اس لیے میں دور رہنے کے باوجود نسیم صاحب کے کوائف، ان کی علمی اور ذہنی کاوشوں اور ان کی تازہ شعری کارگزاریوں سے مسلسل آشنا رہا۔ اس زمانے میں باقر علی خاں مرحوم کے توسط سے ان کا ایسا کلام بھی میری نظر سے گزرا جو آج خود مصنف کی دسترس سے بھی باہر ہے۔ میرے پاس اُن کے بعض ایسے مراثی اب بھی محفوظ ہیں جن کی جستجو میں انھیں میرے ہی پاس آنا پڑتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے مذکورہ بالا بیان سے یہ بات تو صاف ہو گئی کہ میری مرثیہ گوئی کا ذکر کرنے کے ساتھ نواب سید باقر علی خاں فہیم اور جانسٹھ کا ذکر کیوں ضروری ہے!

بہرحال نواب سید باقر علی خاں فہیم کے مجوزہ پروگرام کے مطابق تعطیلات گرما شروع ہوتے ہی میں میرٹھ سے جانسٹھ پہنچ گیا۔ سب سے پہلے نواب صاحب نے (جنھیں میں چچا کہتا تھا) مجھے دادا کے کلام کا وہ بستہ دکھایا۔ جو والد مرحوم کی ملکیت تھا۔ اور جسے وہ، دادا مرحوم کی وفات کے بعد امروہہ سے جانسٹھ لے آئے تھے۔ مرحوم نے آبدیدہ ہو کر مجھ سے کہا کہ بھتیجے! اس ذخیرے کے اصلی مالک تم ہو۔ میں استاد مرحوم کے حکم سے صرف امانت دار ہوں۔ مگر ابھی اس کا ایک ورق بھی تمھیں نہیں دے سکتا۔ تمھارے دادا کی وصیت تھی کہ جب تم ہر قسم کے مرثیے کہنے لگو اور کم سے کم دو تین عشروں میں پڑھے جانے کے قابل اپنے نئے مرثیے مجھے دکھا دو اور لوگ تمھارے کلام سے اتنے ہی متاثر ہونے لگیں جتنے تمھارے باپ دادا سے متاثر ہیں، اس وقت تمھاری یہ امانت تمھیں دے دوں۔ میں نے محسوس کر لیا ہے کہ بحمداللہ تم میں ہر قسم کا مرثیہ کہنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی

ہے۔ اب تم ہمت اور حوصلے سے مرثیے کہو۔ میری اس بیٹھک میں تین کمرے ہیں۔ آج سے یہ کمرہ (مغربی کمرے کی طرف اشارہ کر کے) تمھارے لیے مختص ہے۔ صبح کی نماز کے بعد تخت پر گاؤ لگا کر بیٹھ جاؤ اور شام تک کہتے رہو۔ نبوت آج سے تمھارا ملازم ہے۔ یہ چائے پانی کی خیر خبر رکھے گا۔ اور کوئی دوسرا شخص اس کمرے میں داخل نہیں ہو گا۔ تمھیں دو مہینے یہاں رہنا ہے۔ پہلے مہینے کا پروگرام یہ ہے کہ ایک مرثیہ تمھارے والد کا اور دو مرثیے تمھارے دادا کے نامکمل ہیں۔ اول انھیں مکمل کر دو۔ پھر یہ چودہ پندرہ مرثیے میری پڑھت کے ہیں۔ جن میں مجالس عشرہ کی ضرورت اور تحت اللفظ خوانی کے تقاضوں کے اعتبار سے دس دس بیس بیس بند کی جا بجا ضرورت ہے۔ نثر میں حاشیے پر اشارات لکھ دیے ہیں۔ یہ سب کام مکمل ہونے کے بعد اگلے مہینے میں تمھیں ایک ایسا مرثیہ کہنا ہے جس کا چہرہ طویل ہو اور اسے سن کر ہر شخص یہ سمجھ سکے کہ یہ تمھارا ہے۔ باپ دادا کا نہیں۔ جب یہ مرثیہ پورا ہو جائے گا تو میں تمھیں اپنے ساتھ لے کر امروہہ چلوں گا اور مجلس منعقد کر کے تم سے پڑھواؤں گا۔ پھر مجلس کے بعد استاد کی جو وصیت تھی اس کی تکمیل کروں گا۔ میں نے وصیت کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیا تھی تو آنسو پونچھ کر بولے کہ مرثیہ کہہ لو گے تو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

میں نے سب سے پہلے والد کے مرثیے کی تکمیل کا آغاز کیا۔ مطلع یہ تھا:

ع جب اہلِ بیت نبی شہر شام میں آئے

اس مرثیے میں جا بجا بیتوں کی جگہ خالی تھی۔ کسی بند میں چار مصرعے نہ تھے اور تھے تو نامکمل تھے۔ دربار یزید میں شمر کی بیان کی ہوئی جنگ عاشور کے حصے میں کئی بند کے اضافے کی ضرورت تھی۔ اور آخر میں اہلِ بیت کی قید شام سے رہائی اور کربلا ہوتے ہوئے مدینے میں واپسی تقریباً پوری کہنا تھی۔ مسودے میں جا بجا

اشاروں کے طور پر چند مصرعے تحریر تھے۔

اول میں نے دادا اور والدؒ کے چند مرثیے نواب صاحب سے لے کر پڑھے دادا کا کلام مرزا صاحب کے رنگ میں تھا۔ والد میر انیس کے قدم بہ قدم چلتے تھے چنانچہ انھیں کے لب و لہجہ میں اس مرثیے کی تکمیل کی جس میں پانچ چھ دن لگ گئے۔ نواب صاحب نے تکمیل شدہ مرثیہ خود بھی پڑھا اور اپنے منجھلے بھائی نواب جعفر علی خاں کو بھی سنایا۔ دونوں بھائیوں نے میرا دل بڑھانے کے لیے بہت داد دی۔

نواب صاحب کے یہاں مجھے ہر قسم کی راحت نصیب تھی۔ مگر اس کمرے میں کبھی کبھی " ہاؤس اریسٹ ،، کا سا احساس ہونے لگتا تھا خصوصاً اس موقع پر جب کہ میں مقررہ وقت سے پہلے اس کمرے سے باہر قدم رکھتا تو نواب صاحب بڑے مہذب انداز میں مجھے ٹوکتے اور ملازم کو ڈانٹتے کہ یہ کام کیوں نہیں کیا جس کے لیے انھیں کمرے سے باہر آنا پڑا۔ میری اس " قید بامشقت ،، اور اس پر میرے پر متانت تحمل کی صورتِ حال دیکھنے والے اصحاب جو اس وقت مجھے مسلسل بارہ گھنٹے جم کر بیٹھے رہنے اور کام کرنے کی داد دیتے تھے افسوس ہے کہ سب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ البتہ تین اصحاب میرے علم کی حد تک بحمد اللہ بقید حیات ہیں جو اُس وقت میرے ہم سن تھے اور دن بھر قلمی و دماغی مشقت کے بعد (غالباً نواب صاحب کی گزارش سے) رات کے وقت رنگ محل کے طویل و عریض اور روشنیوں سے جگمگاتے صحن میں میرے ساتھ بیٹھتے اور میں ان کی دلچسپ، پر مغز اور ادبی گفتگو میں دن بھر کی تھکن بھول جاتا۔ ان تین اصحاب میں سے ایک بزرگ جناب سید کرار احمد زیدی ہیں۔ جو فیڈرل بی ایریا کراچی کے بلاک ۲۰ اے میں واقع دو منزلہ نایاب منزل میں رہتے ہیں۔ دوسرے صاحب سید شوکت حسین زیدی ہیں جو ڈی گراؤنڈ ارم پارک، ۶۲۱، پیپلز کالونی فیصل آباد میں قیام پذیر ہیں۔ تیسرے صاحب

سید طاہر حسین زیدی ہیں جن کا قیام ۴۴ اسی ماڈل ٹاؤن لاہور میں ہے۔ میں ان دوستوں کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس وقت بھی مسلسل دو ماہ اور اس کے بعد بھی اکثر جالنٹھ میں اپنا وقت عزیز بڑے مخلصانہ جذبے سے میری پذیرائی میں صرف کیا اور آج اس کا احسان نہیں جتاتے۔ عجب نہیں کہ منصف حقیقی کی عدالت میں میری مرثیہ گوئی کا انھیں بھی کچھ اجر ملے۔

دادا مرحوم کے نامکمل مرثیوں میں سے ایک حضرت علی اکبر کے حال کا تھا۔ مرحوم اس مرثیے میں رخصت، میدان جنگ میں آمد، جنگ اور شہادت سب کچھ کہہ چکے تھے۔ مگر رجز کا حصہ دو مصرعے کہہ کر چھوڑ دیا تھا۔ دوسرا مصرعہ عربی میں تھا۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ مرحوم شاید پورا رجز عربی ہی میں کہنا چاہتے ہوں گے۔ نواب صاحب سے مشورے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مرحوم کے کہے ہوئے دو مصرعوں کے بعد چار مصرعے کہہ کر یہ بند تو عربی ہی میں مکمل کر دیا جائے، مگر باقی رجز اردو ہی میں کہا جائے تاکہ اس میں وقت بھی کم خرچ ہو اور عام سامعین مجلس بھی اس سے محظوظ ہو سکیں۔ یہ بند مجھے یاد ہے۔ جس کے ابتدائی دو مصرعے دادا مرحوم کے ہیں اور بعد کے چار مصرعے میں نے کہہ کر بند کی تکمیل کی تھی:

جوہر کانِ نجف یوں ہوا گوہر افشاں — اَیُّھَا النّاس اَنا ابنُ حسینٍ عطشاں
فاعلموا جاءَ علیٌ بنُ ولیِّ الرحمان — جدُّنا باذلُ عدنٍ وقسیمُ الجنان
ما استوی البدرُ جمالاً وکمالاً بعلی — فتیَ البدرُ جلالاً وہلالاً بعلی

دادا مرحوم کے دوسرے نامکمل مرثیے میں حبیب ابن مظاہر کا حال تھا۔ اس میں جنگ، تلوار، گھوڑا، پہلوان، اور شہادت ہر حصے میں کچھ نہ کچھ کہنے کی ضرورت تھی جسے تین چار دن میں مکمل کر دیا گیا۔ اس مرثیے کا مطلع یاد نہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ گھمسان کی لڑائی کے بعد میں نے قیس نامی پہلوان سے حضرت حبیب ابن مظاہر

کی جنگ کہی گئی۔

ان تینوں کاموں سے نبٹنے کے بعد اب ان مرثیوں کا نمبر آیا جن میں ذاکری کے تقاضوں کے مطابق اضافوں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ کسی مرثیے میں رخصت کسی میں شہادت، کسی میں روایت اور کسی میں ایمائی انداز کے مصائب اضافہ کیے گئے۔ یہ سب چودہ مراثی تھے جن میں اوسطاً دس بند سے ۱۵ تک فی مرثیہ اضافہ ہوئے۔ اس طرح یہ سارا کام نواب صاحب کے مقرر کیے ہوئے ایک مہینے سے دو ایک دن پہلے ہی انجام کو پہنچ گیا اور مجموعی طور پر اٹھائیس دن میں مختلف موضوعات کے کوئی سوا دو سو بند تیار ہوئے۔ جن میں سے کوئی ساٹھ بند والد کے مرثیے میں اور کوئی پونے دو سو دادا کے مرثیوں میں شامل ہو گئے۔

ان مرثیوں میں جن نئے بندوں کا اضافہ ہوا تھا وہ سب نواب صاحب کے خاص بستے سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ دوسرے مرثیہ خوانوں تک بھی پہنچے۔ چنانچہ چار پانچ برس پہلے کراچی کے ایک مشہور اور اعلیٰ درجے کے تحت اللفظ خواں جناب سبط حسن انجم (اے ۶۳۸ بلاک ۲۰ فیڈرل بی ایریا کراچی) نے حکیم عرفان صاحب (معیاری دواخانہ) کی سالانہ مجلس میں جبکہ وہ لالوکھیت میں رہتے تھے دادا مرحوم کا ایک مرثیہ پڑھا جس کا مطلع ہے ـــــ ریاض دہر بھی گویا طلسم خانہ ہے ـــ یہ مرثیہ دادا مرحوم کی جلد ہفتم مطبوعہ اثنا عشری پریس دہلی میں دادا کی وفات سے تقریباً دس گیارہ برس کے بعد طبع ہوا تھا۔ انجم صاحب کے قلمی مرثیے میں دس بارہ بند (حضرت عون و محمد کی شہادت کے موقع۔ پر) مطبوعہ جلد سے زیادہ تھے۔ مجھے یہ بند سنتے ہی یاد آ گیا کہ یہ وہی بند ہیں جو مجھ سے نواب باقر علی خاں فہیم نے اپنے پڑھنے کے لیے کہلوائے تھے اور اب وہ دادا مرحوم کے مرثیے کا جز بن گئے۔ میں نے جب انجم صاحب سے اس کا ذکر کیا تو وہ سن کر خاموش ہو گئے۔

لیکن جب انھیں مطبوعہ جلد دکھائی گئی (جو کراچی میں میرے پاس. نیز عزیزم سید ضمیر اختر نقوی سلمہ کے کتب خانے میں اور شاید اختر عباس صاحب جارچوی کے پاس بھی موجود ہے) اس وقت انجم صاحب نے کہا کہ بے شک آپ درست کہتے تھے۔

اسی طرح دادا مرحوم کا ایک اور مرثیہ سید باقر علی خاں فہیم ہر سال عشرۂ محرم میں پڑھتے تھے ــــ جب شاہِ خاوری کا نشاں جلوہ گر ہوا۔ اس مرثیے میں دادا مرحوم نے وہی حال نظم کیا ہے جو حضرت میر وحید مرحوم اعلیٰ اللہ مقامہ نے اپنے مرثیے میں نظم کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے ــ پائے کیا حضرت زینب نے کبھی نایا پسر ــــ جناب وحید کے مرثیے میں حضرت زینبؑ کی جو گفتگو زوجہ عباسؑ سے ہوئی ہے وہ نہایت دلچسپ اور فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ اس گفتگو کی ایک بیت بہت مشہور ہے:

آج ہٹ ان کی جو رکھ لوں تو قباحت ہو جائے ۔۔۔ نکل کو اس بات پہ مچلیں کہ امامت ہو جائے

دادا مرحوم نے یہ موقع اپنے مرثیے میں نظم نہیں کیا۔ نواب صاحب کی فرمائش تھی کہ اس مضمون کا اضافہ کیا جائے۔ اول اول تو میں نے کوشش کی کہ نواب صاحب اضافے کی فرمائش واپس لے لیں کیونکہ یہ ایک بھاری پتھر تھا مگر وہ نہ مانے۔ چنانچہ ان کے اصرار پر میں نے یہ گفتگو نظم کی، جس کا ایک بند مجھے اب تک یاد ہے:

تم نے بھی کچھ سنا کہ یہ ہیں طالبِ علم ۔۔۔ وہ بولیں گر، یہ ہے تو پھر اس کا ہے کیا الم
دیکھے انھیں یہ شوق ید اللہ کا حشم ۔۔۔ بولیں۔ نہ ایسا کیجیو ہو جائے گا ستم

بھابی نئی نئی یہ ہٹیں کون اٹھائے گا
قرآں بنا منگائیں تو کس گھر سے آئے گا

ــــ خیر پور کے محلہ لقمان میں ایک دن لکروڑی ضلع مظفر نگر کے تحت اللفظ خواں

محمد عالم صاحب زیدی نے مذکورہ بالا مرثیہ مجلس میں پڑھا۔ جب وہ اس بند پر پہنچے تو مجھے سب کچھ یاد آگیا۔ مجلس کے بعد گفتگو کا موقع نہ تھا۔ میں کراچی چلا گیا۔ جب استفسار حال کے لیے انھیں خط لکھا تو انھوں نے یہ خط بھیجا جس کا عکس پشت پر درج ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ تحت اللفظ خوانی کی ضرورت کے تحت جو بند مجھ سے نواب سید باقر علی خاں نے کہلوائے تھے وہ اب ان تمام مرثیوں میں جزو لازم کے طور پر شامل ہو کر رہ گئے جو میرے کہے ہوئے نہیں، دادا مرحوم یا والد مرحوم کے ہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کا ذکر تاریخ "مرثیہ نگاران امروہہ" کے مصنف نے اپنی کتاب کے صفحے ۵٦ پر ان الفاظ میں کیا ہے:

"شمیم کے مراثی کی تعداد تو یقیناً ڈھائی سو سے زیادہ ہے لیکن رام پور میں کلام رہ جانے اور باقی بستہ جالندھر چلے جانے کے سبب مراثی منتشر ہو گئے۔ دوسری بات یہ کہ جو مراثی شمیم کے نامکمل تھے وہ ان کے پوتے نسیم امروہوی نے بعد کو مکمل کیے۔ کچھ ذاکرین تحت اللفظ خواں نے اپنے پڑھنے کی مناسبت سے کبھی شمیم۔ برجیس اور نسیم کے مرثیوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔"

بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ ذکر یہ تھا کہ جب جالندھر میں نواب باقر علی خاں نعیم کی بنائی ہوئی فہرست کے پہلے مہینے کا کام میں نے مکمل کر دیا اور دوسرا مہینہ آیا تو نواب صاحب نے مجھ سے اس مرثیے کا خاکہ بنانے کو کہا جسے وہ مجھ سے امروہہ میں پڑھوانا چاہتے تھے۔ چنانچہ میں نے بہت غور و فکر کے بعد ایک خاکہ بنایا جسے انھوں نے اور ان کے منجھلے بھائی نواب سید جعفر علی خاں نے بھی پسند کیا۔ البتہ ضیغم علی خاں علیگ (نبیرۂ نواب مظفر علی خاں نے) جو میرے دوست تھے

بحوالہ صفحہ ۳۸۱
سطر ۳

S. M. Alim Zaidi
Correspondant
Daily Imroz
MULTAN
PROP :- FAZIL NEWS PAPERS AGENCY
KHAIRPUR

374, LUQMAN
KHAIRPUR

Dated 14/12/62

جناب سید وکیل شاعر محمد و آل محمد امینی دوران

حضرت قبلہ مولانا نسیم امروہوی صاحب دام مجدکم العالی

بعد از تسلیم و نیاز۔ جناب والا کا خط پہونچا۔ خیریت معلوم ہو کر الحمد للہ ہوا۔ جو ادنا شکر میں پرداز ہوں کہ آپ نے میری مرثیہ خوانی کی حسن لفظوں داد دی ہے میں اپنے آپ کو اسکا اہل نہیں سمجھتا ہوں یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ آپ نے میری ہر حقیر کوشش قابل سمجھا۔

مرثیہ کے متعلق جو آپ نے استفسار فرمایا ہے کہ یہ مرثیہ مجھ کو کہاں اور کیسے دستیاب ہوا اور کیا میں اسکی نقل آپ کو دے سکتا ہوں تو اس سوال پر مجھے حیرت ہوئی کیونکہ آپ بخوبی واقف ہیں کہ میں [illegible] کا شاگرد ہوں جو [illegible] کا مطلع [illegible] اور آپ [illegible] کے دوران کا ذخیرہ [illegible] میں [illegible] کے ساتھ موجود تھا اور وہیں سے مجھے یہ مرثیہ مرحوم جناب نواب باقر علی خاں صاحب [illegible] ملتان [illegible] مرحوم نے مجھے دیا تھا اور اسکے علاوہ اور بھی کئی مرثیے دیئے تھے کیونکہ انہیں بھی [illegible] کا شوق [illegible] میں [illegible] کا مشتغل تھا جو آپ [illegible] ہے مجھے حسب خواہش [illegible] اور میں [illegible] حسب خواہش [illegible] اور مرثیوں میں سے [illegible] والا [illegible] ہے معاف [illegible] والسلام

آپ کا خادم

سید محمد عالم زیدی [illegible] 374
14/12/62

ردوبدل کی کچھ تجویز پیش کی جسے سب نے منظور کرلیا۔ یہ مرثیہ مراثی نسیم جلد دوم میں صفحہ ۲۲۳ پر طبع ہوچکا ہے اور اس کا مطلع یہ ہے:

بجھ میں اے باغ وطن اب گل خوش رنگ نہیں

توقع کے خلاف یہ مرثیہ سترہ اٹھارہ دن میں مکمل ہوگیا۔ جس کے بعد نواب سید باقر علی خاں خود میرے ساتھ امروہہ تشریف لے گئے۔ الحاج مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ کے دولت کدے پر ٹھہرے اور محلّہ دانشمند کے بڑے امام بارے میں مجلس منعقد ہوئی۔ یہ وہی مجلس ہے جس کا چشم دید حال میجر سید تصویر حسین نقوی مرحوم ایم اے۔ بی۔ ٹی نے "عرفان نسیم" (شائع شدہ ۱۹۶۴ء) کے صفحہ ۲۵ تا ۳۲ پر "نسیم امروہوی کا پہلا مرثیہ اور اس کی مجلس" کے عنوان سے کیا ہے۔ مجلس کے بعد کیا ہوا؟ اسے مرحوم کے الفاظ میں سنیے:۔

"مرثیہ ختم کرکے قائم[1] منبر سے اتر رہے تھے کہ نواب سید باقر علی خاں نسیم[2] نے مجمع سے مخاطب ہوکر ایک اہم اعلان کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ سامعین خاموش ہو گئے اور سید صاحب نے اپنا تعارف کرانے کے بعد فرمایا کہ استاد کے انتقال کے وقت سے اب تک میں نے مرحوم کی ایک امانت احتیاط سے اپنے پاس رکھی ہے۔ وہ ہے ان کے جانشین کا تخلص۔ یعنی "نسیم"، جسے آخر عمر میں استاد مرحوم بہت پسند فرماتے تھے اور ان کی تمنا تھی کہ اب مجھ یا بر جیس کی اولاد میں کوئی مرثیہ گو شاعر ہو تو میں اس کا یہ تخلص رکھوں۔ آج تک میں اسی واسطے یہ تخلص اپنائے رہا کہ کوئی دوسرا

---

[1] اس وقت میں یہی تخلص کرتا تھا۔ [2] اس وقت نواب صاحب یہی تخلص کرتے تھے

شاعر اسے اپنے لیے مخصوص نہ کر سکے۔ چنانچہ میں نسیم تخلص کرتا ہوں
اور آج اس امانت کی حفاظت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتا ہوں۔
استاد مرحوم کا صحیح وارث آج مجھے مل گیا اور یہ امانت اس کے حوالے
کرتا ہوں۔ آج سے یہ نسیم ہو گئے۔ اور میں اپنا تخلص فہیم رکھوں گا۔
کم و بیش ان الفاظ کے ساتھ نواب سید باقر علی خاں نے نسیم کے
سر پر دستار باندھی۔"

ایک معرکۃ الآرا شاعرانہ مباحثہ

امروہہ میں بزرگوں اور روشن خیال تعلیم یافتہ لوگوں نے ہونہار لڑکوں کی ذہنی اور دماغی تربیت کے مختلف مرکز قائم کر دیے تھے، چنانچہ کمسن شاعروں کے ذوق کو ابھارنے اور انھیں غیر شعوری طور پر شعر و سخن کے اصول و فروع سے آگاہ کرنے کے لیے "انجمن اصلاح معاشرت" کے زیر اہتمام جامع مسجد کی لائبریری میں بزرگ و خورد شعرا جمع ہوتے اور فقط کلام سن لینے یا سند دینے پر ہی اکتفا نہ تھی، بلکہ تنقید و تبصرہ کا قدیم طریقہ بھی رائج تھا اور کمسن شعرا میں باہم نہایت مہذب پیرائے میں نوک جھونک بھی ہوتی رہتی تھی۔ بعض اوقات تو شاعر کی فرو گزاشت پر ہفتوں اور مہینوں بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری رہتا اور اس میں لوگوں کا کافی وقت صرف ہوتا۔

۱۹۲۶ء کے بعد میرا خصوصیت سے ایک سال ایسے ہی مباحثے کی نذر ہوا۔ اس بحث کا آغاز ابتداً محض حقیقت پسندی اور جذبۂ اخلاص سے ہوا تھا مگر بعد میں شہر کے دو ہفتہ وار اخباروں کے جذبۂ مسابقت و فروغ تجارت اور ارباب علم نیز شعرا کے مختلف مکاتب خیال کی (در پردہ) مخاصمت نے اسے بہت طول دے دیا۔ میں مولوی کا امتوا

پاس کرنے کے بعد اس ارادے سے امروہہ آیا ہوا تھا کہ "عالم" کی کتابیں جمع کرلوں کہ اچانک ادبی بحث شروع ہو گئی۔ چونکہ اس مباحثے میں جا بجا خود ثنائی کے پہلو پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے میں اس مضمون کا اقتباس پیش کرتا ہوں جس میں میجر تصویر حسین نقوی ایم۔ اے۔ بی ٹی نے اس واقعے پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"واقعہ یہ ہوا کہ محلہ حقانی کے عزاخانے میں ۱۳ رجب کی سالانہ محفل مقاصدہ کے لیے یہ مصرع طرح دیا گیا:

ہمسرِ مہرِ نبوت نقشِ پائے بوتراب

یہ مصرع مولوی سید اولاد حسن اعلی اللہ مقامہ کا تھا جن کے انتقال کو کئی سال گزر چکے تھے۔ مرحوم کی زندگی علم و فضل، زہد و تقویٰ عجز و انکسار اور دیگر اوصاف کی وجہ سے مومنین و مسلمین کے لیے ایک نمونہ تھی اور شہر میں ہر مذہب کے لوگ آپ سے عقیدت رکھتے تھے اور آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ . . . . . . مقاصدہ شروع ہوا اور شعرا اپنے قصائد پیش کرتے رہے۔ نہایت خوشگوار فضا میں محفل اختتام کے قریب پہنچ گئی اور کہنہ مشق حضرات اپنا کلام پیش کرنے لگے۔ ان بزرگوں میں ایک صاحب نے یہ شعر پڑھا:

سن کے تعریفات "ہمسر" ہم نے یہ ترمیم کی
برسرِ مہرِ نبوت نقشِ پائے بوتراب

— یہ بزرگ سید آلِ احمد نعیم مرحوم تھے جو مولانا سید اولاد حسن اعلی اللہ مقامہ کے شاگرد بھی تھے۔ غالباً مصرع طرح میں لفظ "ہمسر" پر کسی نے اعتراض کیا تھا جس کا جواب دینے کی بجائے سید آلِ احمد

نعیم مرحوم نے اپنے استاد مرحوم کے مصرع میں ترمیم کردی (مجھے یاد نہیں کہ لفظ ترمیم تھا یا اصلاح) وہاں محفل میں اور چند بزرگ بھی ایسے موجود تھے جنھیں مولانا سید اولاد حسن اعلی اللہ مقامہ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ ان سب کو یہ ناگوار ہوا۔ ان میں سے ایک یعنی سید مجتبیٰ احسن مرحوم عرف مولوی چاند خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ کیونکہ نسیم صاحب سے یہ دریافت کرنے پر کہ اس مباحثے کا محرک کون ہے مجھے معلوم ہوا کہ مولوی چاند صاحب مرحوم ہی کے اشارے پر اس محفل میں اس بحث کی ابتدا ہوئی تھی۔ نعیم مرحوم بزرگ تھے اور ان کے بعد کسی کم سن شاعر کے منبر پر جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ مگر نسیم امروہوی کو شمیم مرحوم کا جانشین ہونے کی حیثیت سے باوجود کم عمری کے آخر میں کلام پیش کرنے کا موقع دیا جاتا تھا آپ بھی اس حیثیت سے مولانا اولاد حسن اعلی اللہ مقامہ کے شاگردوں میں شامل تھے کہ آپ نے موصوف سے ہدایۃ النحو پڑھی تھی چنانچہ اشارہ پاتے ہی آپ نے موصوف نعیم صاحب کے خلاف چند اشعار دہیں کہہ لیے اور جب منبر پر گئے تو وہ اشعار پڑھ دیے۔ وہ محفل تو ختم ہو گئی لیکن ایک طویل مدت کے لیے دو مقامی اخباروں اتحاد[ع]

س یہ امروہہ کے کہنہ مشق شاعر اور کم و بیش ستر برس کے بزرگ تھے

ع اس کے ایڈیٹر سید مجاہد حسین جوہر تھے جو میری نانی صاحبہ کے حقیقی بھائی اور میرے دادا کے شاگرد تھے۔ مگر تجارتی زاویۂ نگاہ کی بنا پر میرے مخالف مکتب خیال سے تعلق رکھتے تھے۔

اور قرطاس) میں اس بحث کا سلسلہ شروع ہو گیا کہ مصرع میں لفظ "ہمسر" زیادہ موزوں ہے یا "برسر"۔ جانبین سے اس موضوع پر مصرع طرح کی زمین میں اشعار کے ذریعہ اظہار خیال ہوتا رہا۔ مقاصدے کے بعد نسیم امروہوی کے ان اشعار کا جواب جو انھوں نے منبر پر پڑھے تھے اخبار اتحاد میں شائع ہوا۔ جواب الجواب فوراً ہی اخبار قرطاس میں چھپا۔ اور پھر اس سوال و جواب کا یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ ہر پڑھے لکھے آدمی کو اس بحث میں دلچسپی ہو گئی۔ لفظ "ہمسر" کے استعمال کی موزونیت پر تمام اشعار نسیم امروہوی کہتے تھے اور جب حکومت کی مداخلت سے یہ بحث ختم ہوئی تو اخبار قرطاس میں آپ کے ایک ہزار سے زائد اشعار ایک ہی زمین (بجائے بوتراب اور بجائے بوتراب) میں اس مسئلے پر شائع ہو چکے تھے۔

سے قرطاس کے ایڈیٹر سید علی حیدر تھے جو محلہ حقانی میں رہتے تھے اور مولانا سید ظفر حسن (سرپرست جامعہ امامیہ کراچی) کے عزیز تھے۔ سے آخر میں اس بحث نے ہجو کا رخ اختیار کر لیا تھا۔ یہ ہجویہ اشعار بھی اسی زمین میں ہوتے تھے۔ مثلاً ایک نظم کے دو تین شعر یاد آئے:

بے ادب گستاخ محرم دلائے بوتراب
تجھکو دعوٰی ہے کہ کرتا ہوں ثنائے بوتراب

جاٹ لے جاٹ اور کولھو کی مثل سنتے تھے ہم
تجھ پہ وہ صادق ہے اے مدحت سرائے بوتراب

آپ کی زلف دوتا پر رشک کرتا ہے ایاز
پھنس نہیں سکتا مگر مدحت سرائے بوتراب

للعہ جب یہ بحث کچھ بحثی سے بدل گئی اور میں نے مولانا ظفر حسن صاحب قبلہ کی فرمائش تمباشے کے اشعار کی زمین بدلی تو سب سے پہلے یہ رباعی کہی:

جو رند کہ مست مئے خود رائی ہے
بدمست ہے، دیوانہ ہے، سودائی ہے

او بادہ کش گبر ذرا ہوش میں آ
میخانے پہ قبضہ مرا آبائی ہے

باقی حاشیہ اگلے صفحے پر

اگرچہ اس مصروفیت کی وجہ سے نسیم امروہوی اس سال "عالم" کا امتحان نہ دے سکے لیکن یہ بات ان کی آیندہ زندگی کے لیے یقیناً مفید ثابت ہوگی۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس مباحثے نے اس نوخیز شاعر کی فنی تربیت کے لیے تجرباتی لیبارٹری کا کام کیا اور اس کو مستقبل میں پیش آنے والے ادبی معرکوں کے لیے اچھی طرح تیار کر دیا۔"

ایک نئی راہ سے مشقِ سخن

والد مرحوم کے باقیات الصالحات میں رواجی درسیات کے علاوہ میرے ایسے طالب علم کے لیے سب سے اہم چند لغات تھے، وہ صُراح، المنجد، منتہی الارب، برہانِ قاطع (قلمی نسخہ) اور غیاث اللغات ___ مدت تک یہ سب ایک الماری کی زینت بنے رہے اور میں روزانہ، والدہ کی ہدایت کے مطابق ان کا گرد وغبار جھاڑتا رہا۔ مگر جب تعلیم کا معیار بڑھا اور میں مولوی کا نصاب پڑھنے لگا تو یہی لغت میرا اوڑھنا بچھونا بن گئے ___ عجیب لطیفہ یہ کہ ان کے اوراق نے الفاظ کے معنیٰ مفاہیم میں رہنمائی کرنے کے دوش بدوش میرے لیے مشقِ سخن کا بھی ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ ہوتا یہ تھا کہ لغت کی ورق گردانی میں کسی ورق سے چپکا ہوا دادا مرحوم کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

اخبار کی آخری کاپی میں اتنی گنجائش نہ تھی کہ کچھ اور کہا جاتے۔ اس لیے اس رباعی پر اکتفا کی گئی۔ خیال تھا کہ اتحاد اخبار میں جب اس کا جواب چھپے گا تو "بوتراب" کی ردیف سے آزاد ہونے کے بعد ہجویات کا کچھ ایسا ادب تخلیق کیا جائے گا کہ صاحبانِ ذوق کو ایک بار پھر مصحفی اور انشا کی جھڑپیں یاد آجائیں گی۔ مگر یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ اسباب یہ کہ اتفاق سے کچھ ادھر کے اور کچھ اُدھر کے ہمنوا اصحاب ایک ضیافت میں یکجا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

قلمی مسودے کا ایک آدھ پرچہ نکل آتا تھا جس میں اکثر کٹے پٹے مصرع ہی ہوتے تھے۔ مگر گاہے گاہے پورا بند بھی درج ہوتا۔ یہ مصرع یا بند خود بتا دیتے تھے کہ وہ کس حال کے مرثیے کا جزو ہوں گے۔ میں اسی مصرع یا شعر یا بند کو اپنا موضوع بنا کر اسی کی زمین میں طبع آزمائی کرتا۔ اپنا کہا ہوا مصرع ایک بار پسند نہ آتا تو بار بار کہتا۔ کاٹ دیتا اور پھر کہتا۔ یہاں تک کہ اسی قطع و برید میں کئی کئی دن لگا دیتا۔ تاآنکہ جب مزاج کے مطابق شعر یا بند مکمل ہو جاتا تو اسے (یہ سوچ کر) ایک نوٹ بک میں لکھ لیتا کہ اب جب بھی موقع ملے گا اس موضوع پر مرثیہ کہوں گا۔ یہ محض بلند حوصلگی کی ایک امنگ ہوتی تھی، کیونکہ ابھی تعلیم کے سامنے مجھے مرثیے کہنے کی فرصت ہی نہ تھی۔ مصرعوں کے بار بار کاٹنے اور پھر کہنے کی خاص وجہ یہ تھی کہ میری فطرت غیر شعوری طور پر میر انیسؔ کی روانی اور بندش کی چستی کو ڈھونڈھتی تھی اور اس سے کم پر قناعت نہیں کرتی تھی۔ اس کے برخلاف دادا مرحوم کا کلام مرزا دبیر کے رنگ کا اعلیٰ نمونہ ہوتا تھا۔ اگرچہ مرزا صاحب مرحوم اعلی اللہ مقامہ کا کلام معانی و بیان کی مقرر کردہ کسوٹی کے اعتبار سے اس بلند تر مقام پر فائز ہے جسے معراج سخن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اور جس سے انکار یا احتراز مذہب شاعرانہ میں کفر کے مترادف ہے۔ خصوصاً راقم الحروف کے لیے اس کی لفظی و معنوی عظمت کا سب سے بڑا اور واجب الاحترام ثبوت یہ ہے کہ میرے جدامجد فرزدق

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

ہو گئے تھے۔ باتوں باتوں میں یہ بحث چھڑ گئی اور اس نے اتنا طول پکڑا کہ لوگ کھانا بھول کر ایک دوسرے کا خون پینے پر تل گئے۔ کسی نے تھانے میں خبر کر دی۔ پولیس آئی اور چند اشخاص کو پکڑ کر لے گئی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دونوں اخباروں کی اشاعت پر پابندی لگا دی اور کوئی پچاس معززین شہر کے مچلکے طلب کر لیے۔ مگر پیشی کے وقت عمر کم ہونے کی بنا پر مجھے مچلکے سے مستثنیٰ کر دیا۔

ہند حضرت تمیم امروہوی اعلیٰ اللہ مقامہ نے مرحوم کے کمال فن کا اعتراف فرمایا اور ان کے ہنج پر گامزن ہونے کو مفتخرانہ لہجے میں بیان کیا:

خالق نے عجب خامۂ پر ضو مجھے بخشا   خورشید بھی جویا ہے وہ پرتو مجھے بخشا
مصرع کوئی چاہا تو مہ نو مجھے بخشا   لو منشی گردوں کا قلم دو مجھے بخشا

غل ہے کہ شمیم سخن آرا ہوا پیدا
ہمتائے دبیر اور ستارا ہوا پیدا

ایک اور جگہ فلک عطارد پر حضورؐ کی سیر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پکارنے لگے سب ساکنانِ چرخ بریں   دبیر کا بھی قلمرو ہے تیرے زیر نگیں
تری زباں سے جو نکلے وہی لکھا جائے
قلم لگائے عطارد تو حرف آجائے

اس کے باوجود کسی شے کی پسند و ناپسند کا دار و مدار اس کے قرار واقعی حسن پر نہیں، بلکہ انسان کی اپنی طبیعت، اپنے مزاج اور اپنے رجحان پر ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے — "لیلا را بہ چشم مجنوں باید دید"— ایک شخص مرغ کا گوشت پسند کرتا ہے، اس کے مقابل دوسرا شخص گھی میں بھُنی ہوئی ماش کی دال کو ترجیح دیتا ہے۔ خیر یہ تو ایک خیالی مثال تھی، مگر اب اس سلسلے میں ایک حقیقت بھی سن لیجیے۔ دنیا میں کوئی فرد ایسا نہیں جسے دودھ مرغوب نہ ہو اور اس کی غذائیت سے جسم توانائی حاصل نہ کرے۔ مگر ایک میں بدبخت؛ چونکہ تولّد کے بعد شیر مادر سے محروم رہا اس لیے دودھ آنکھ دیکھا نہیں بھاتا۔ اگر کوئی حکیم یا ڈاکٹر زبردستی دودھ پینے پر مجبور کر دیتا ہے تو نوے فی صد تو قے ہو جاتی ہے اور اگر نہ ہو تو پیٹ اپھرنا اور سوءِ ہضم کی مصیبت میں مبتلا ہو جانا تو ایک یقینی امر ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ کسی شے کی پسندیدگی اس کی اپنی خوبی پر منحصر نہیں بلکہ انسان کا ذاتی میلان طبع بھی کسی شے کے حسن اور

دلکشی کا معیار ہے۔ ہُو بہ ہُو اسی اصول کے تحت مجھے انیس کی بندشیں اور ان کے اسالیب شروع ہی سے پسند ہیں۔ مجھے دادا مرحوم کے مسودے کا کوئی ورق ملتا تو میں اس کے ہر مصرع کو میر انیس کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کرتا تھا۔ مثال کے طور پر:

۱۔ ایک دفعہ کسی لغت میں ایک چھوٹی سی پرچی نکلی۔ جس پر بطور عنوان درج تھا: "امام مظلوم کا رجز"، اور اس کے نیچے یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

جب سے کہ شیر خوار کی تربت بنائی ہے
تیغِ ابوتراب کے لب پر دوہائی ہے

مضمون بہت پسند آیا مگر بندش میں انیسیت نہ تھی۔ اسی وقت طبع آزمائی شروع کر دی۔ کئی دن تک جب بھی فرصت ملتی اسی شعر کی بندش کو اپنے مزاج کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتا رہتا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے کوئی چودہ پندرہ دن کی کوشش میں ایک بیت کہی جو آج میرے ایک مرثیے کے رجز میں شامل ہے:

جس وقت سے بنائی ہے تربت صغیر کی
بل کھا رہی ہے تیغ جناب امیر کی

۲۔ ایک دن پھر ایک پرچی پر یہ چار مصرع لکھے ہوئے تھے:

سحر کے ساتھ ہی زینب کا بھی ظہور ہوا
نبیؑ و آلِ نبیؐ کو عجب سرور ہوا
یہ چاند دیکھ کے آنکھوں میں اور نور ہوا
وہ ضو ہوئی کہ زچہ خانہ رشکِ طور ہوا

ان مصرعوں کی بندش پر زورِ طبع آزمانا شروع کیا۔ تیسرے اور چوتھے مصرع میں کلیتہً اور پہلے مصرع میں جزوی ردوبدل کے بعد چاروں مصرع اپنی بیاض میں اس طرح لکھ لیے:

جہاں میں حضرت زینب کا جب ظہور ہوا
نبیؐ و آلِ نبیؐ کو عجب سرور ہوا
حریمِ نور میں پیدا اک اور نور ہوا
کلیم ہوتے تو کہتے کہ رشکِ طور ہوا

یہ چاروں مصرعے ایک مدت تک بیاض کی زینت رہے۔ ایک دن مرد آ

میں سید حسن رضا مرحوم نے دادا کا ایک مرثیہ مجلس میں پڑھا۔ مطلع یہ تھا ــــ ریاض خلد بریں ہے کہ لالہ زار سخن ــــ جب یہ چاروں مصرع آئے تو میرے دل میں ایک قسم کی گدگداہٹ سی پیدا ہوئی۔ دوسرے دن میں نے مرحوم سے اس مرثیے کی نقل حاصل کرلی جو اب تک میرے بستے میں موجود ہے۔ بعد میں یہ مرثیہ "ریاض شمیم" (مطبوعۂ اثنا عشری دہلی) میں نظر آیا تو اس میں زیر بحث چار مصرع پرچی کے مطابق چھپے ہوئے تھے۔ مگر میرے قلمی مبیضے میں میری بیاض کے مطابق درج ہیں۔

۲۔ ایک بار کسی لغت میں ایک پرچہ ملا جس میں مجموعی طور پر تیرہ مصرعے (کٹے پٹے) درج تھے اور یہ سب جناب سیدہ علیہا السلام کی منقبت پر مشتمل تھے میرے لیے ان ۱۳ مصرعوں نے دو تین مہینے کی مشق سخن کا سامان فراہم کردیا۔

۱۔ ایک مصرع یہ تھا: چشم علی ہے پردۂ اسرار فاطمہ

میں نے اس قافیے میں مسلسل فکر کرتے رہنے کے بعد یہ مصرع کہا ــــ عین اللہ پردۂ اسرار فاطمہ۔

۲۔ دو مصرعے یہ تھے: ام الکتاب محو ثنائے بتول ہے۔ بسم اللہ میں بزرگی بائے بتول ہے۔ پہلا مصرع صاف اور سلیس زبان میں تھا۔ دوسرے مصرع کا مضمون تو نہایت نفیس تھا مگر زبان انیس کی نہ تھی۔ کئی دن مغز کھپانے کے بعد یہ مصرع کہا ــــ قرآن کے شروع میں بائے بتول ہے۔

۳۔ دادا مرحوم نے مذکورۂ بالا "بائے بتول" والے مصرعے کے بعد یہ بیت ارشاد فرمائی تھی:

گو خلق میں جلا، کرامت عیاں ہوئی　　　خود مثل اسم اعظم دادر نہاں ہوئی

میں نے "بائے بتول" والے مصرعے کے بعد درج کرنے کے لیے یہ بیت کہی:

حیدر سمیت فاطمہ راس الکتاب ہیں　　　ب ہیں بتول، نقطۂ بابو تراب ہیں

۴۔ ایک بند کے پورے چھ مصرعے دادا مرحوم کے مسودے میں اس طرح درج تھے:

مرضیہ و رضیہ و زہرا و راضیہ — صدیقہ و زکیہ و کبرا و زاکیہ
معصومہ و محدثہ و فخرِ آسیہ — مخدومہ و مبارکہ و طہر و پاکیہ
امّ الائمہ خیر نساطاہرہ ہوئیں
مریم ہوئیں بتول ہوئیں ہاجرہ ہوئیں

— میں نے ان قوافی اور مضامین عالیہ کو نئیس کے حسن بندش کا جامہ پہنانے کے لیے اس طرح مرتب کیا:

صدیقہ و زکیہ ہے یہ فخر آسیہ — مرضیہ و رضیہ و زہرا و راضیہ
ہے مصحف حجاب و حیا نفسِ زاکیہ — آیا ہے جس کا سورۂ مریم ساحاشیہ
حیدر میں یہ صفت نہ رسول حجاز میں
تسبیح فاطمہ کی ہے شامل نماز میں

۵۔ دادا مرحوم کے مسودے میں ایک شعر اس طرح درج تھا:

شوہر خلیل عصر تو بیٹے ذبیح ہیں — اس مریم حسین کے گیارہ مسیح ہیں

— جب میں نے اس شعر کو اپنے مزاج کا لباس پہنایا تو دوسرے مصرع نے یہ شکل اختیار کر لی:

مریم کا ایک، آپ کے گیارہ مسیح ہیں

دادا مرحوم کا وہ مرثیہ جس کے لیے یہ سب مصرع مرحوم نے کہے ہوں گے میری دسترس سے باہر تھا۔ جو چیز مقفل بستے میں تھی اس کے لیے یہ پتہ چلانا کسی طور ممکن نہ تھا کہ یہ کس دُرجِ سخن کے آبدار موتی ہیں مگر مجھ سے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ اپنے مورث کے ایسے پرآب و تاب موتیوں کو ضائع ہونے کے لیے چھوڑ دوں اور خاک میں مل جانے دوں۔ اس لیے میں نے اسی بحر میں ایک تازہ مرثیہ کہنا شروع کیا جو میری

تعلیمی مصروفیتوں کے باعث کئی سال کے بعد ۱۹۳۷ء میں تکمیل ہوا۔ میرا یہ مرثیہ عقد سیدۂ عالم با امیرالمومنین کے حالات پر مشتمل اور میری جلد میں شامل ہے۔ حسنِ اتفاق سے دادا مرحوم کا مطبوعہ مرثیہ ــــ سرمایۂ فروغ شرافت ہے فاطمہ ــــ میرے ایک دوست نے ہندوستان سے لاکر تقریباً دو سال پہلے مجھے دیا۔ جس کا فوٹو اسٹیٹ میرے پاس ہے۔ اصل مرثیۂ مطبوعہ جناب قیصر بارھوی (لاہور) کو مطالعے کے لیے دیا گیا تھا جو انھوں نے کہیں گم کر دیا۔ میرے مرثیے میں کُل سو بند (یعنی ۶۰۰ سو مصرع ہیں) دادا مرحوم کا مرثیہ ۱۱۳ بند (یعنی ۶۳۹) مصرعوں پر مشتمل ہے۔ جن میں سے میرے مرثیے میں تین مصرع جوں کے توں اور ۶ مصرع میری بدلی ہوئی بندشوں کی صورت میں جابجا صرف ہوئے ہیں۔ اگر میں چاہتا تو ان مصرعوں کو بدل سکتا تھا۔ مگر میں بدلے ہوئے مصرعوں میں وہ جذبۂ تبریک کہاں سے لاتا جو ابتداءً ان مصرعوں کے استعمال میں مضمر تھا۔

۶۔ ایک بار ایک ایسا پرچہ ملا جس پر ایک نامکمل بند درج تھا:

وہ صاحبِ براق یہ دلدل سوار ہیں   احمد نہال ہیں تو علی شاخسار ہیں

بے بوتراب زیب حبیب خدا کہاں
بے شاخ کا جو نخل ہو اُس کی ہوا کہاں

ــــ مصرعوں کی دروبست سے اندازہ ہوا کہ یہ کسی بند کا تیسرا، چوتھا مصرع اور بیت ہوں گے۔ میں نے تیسرے مصرع کو برقرار رکھا۔ پہلا اور دوسرا مصرع نیا کہا۔ چوتھے مصرع اور بیت کو اپنی طبیعت اور مزاج کے دوشالے میں لپیٹا اور پورا بند اپنی بیاض میں اس طرح لکھ لیا:

وہ دین کا شکوہ یہ حق کا وقار ہیں   وہ صاحب براق یہ دلدل سوار ہیں
وہ باغ یہ نسیم، وہ گل یہ ہزار ہیں   وہ جڑ یہ شاخ۔ مل کے چمن کی بہار ہیں

کیسے جدا علی کو تو پھر یہ فضا کہاں
جب شاخ ہی نہ ہو تو شجر کی ہوا کہاں

۷۔ ایک اور پرچی ایک دن ملی۔ جس پر یہ بیت درج تھی:

روزِ اول خبرِ رحلت بانی آئی عید کا دن تھا کہ مسلم کی سنانی آئی

۔۔۔ بندش کے اعتبار سے یہ بیت بالکل میرے مزاج کے مطابق اور مضمون کے لحاظ سے نہایت دلنشین اور موثر تھی۔ میں نے اسے بغیر کسی ردو بدل کے اپنی بیاض میں لکھ لیا۔ وہ مرثیہ ایک مدت تک تمام ممکنہ ذرائع سے تلاش کیا جس میں یہ بیت مرحوم نے کہی ہوگی مگر آج تک دستیاب نہ ہوا۔ اب یہ بیت میں نے اپنے کسی مرثیے میں مضمون کی مناسبت سے شامل کرلی ہے۔

مسودات کی پرچیاں ملنے کا سلسلہ سال دو سال جاری رہا اور اس تسلسل کا بڑا فائدہ مجھے یہ پہنچا کہ مشق سخن اور خصوصاً لفظوں کے انتخاب کی صلاحیت روز بروز بڑھتی گئی۔ جس سے بندش میں انیسیت پسند پختگی پیدا ہونے لگی۔ اور دو تین نئے مرثیے بھی کہہ لیے۔ اگر دادا مرحوم یا والد مرحوم زندہ ہوتے اور اپنی نگرانی میں مشق سخن کراتے تو ان کی ہمہ وقتی رہنمائی سے بھی یہی سب کچھ حاصل ہوتا جو اس طرح مل گیا۔

تحدیث نعمت

بیان کے اس مرحلے پر پہنچ کر بے اختیار یہ تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ اپنے شغف فن اور قدرت سخن کے بارے میں کچھ کہوں۔ بخدا! ع منظور اس سے عرض فضیلت نہیں مجھے ۔۔۔ اپنے کمال فن اور فن کمال کا تذکرہ امراض روحانی اور اختلاط ذہنی کی علامت ہے۔ البتہ محض تاریخی نقطۂ نگاہ سے اظہار حقیقت میں عیب نہیں بشرط یہ ہے کہ بات تعلّی تک نہ جا پہنچے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندۂ حقیر پر کوئی فضل و کرم

فرمائے تو عبودیت کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اس کا اظہار کرے اور ناشکری کا مرتکب نہ ہو، کیونکہ ناشکری اور حضرتِ حق کے مواہب وانحال کو چھپانا بدترین گناہ ہے۔ خدا شاہد ہے کہ مجھے اپنی شاعری اور سخنوری کے سلسلے میں کوئی دعویٰ نہیں البتہ چند حقائق کا اعادہ ضروری ہے، کہ ایک طرف تو اس سے بعض مطالب کی تفہیم آسان ہو جاتی ہے، اور دوسری طرف وہ (حقائق) اخلاف کے لیے بلند حوصلگی کے محرک اور احساس کمتری کا تیر بہ ہدف نسخہ ہیں ___ میری فطرت کا اقتضا یہ ہے کہ اگر طبیعت میں کوئی جذبہ بے اختیار پیدا ہوتا ہے تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ اسے موزونیت اور کاوش کے ساتھ نظم کا جامہ پہناؤں۔ عالم یہ ہے کہ نثر کے مقابل نظم کی طرف طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے۔ الفاظ ذہن میں گردش کرتے رہتے ہیں اور جس مضمون کو بیان کرنا چاہتا ہوں اس کے حسبِ حال لفظوں کا انتخاب طبع موزوں خود ہی کرتی رہتی ہے کہ حسن بلاغت ممکن نہیں جب تک شان فصاحت ہمرکاب نہ ہو۔ کوئی مضمون کتنا ہی بیش بہا فادہ کیوں نہ ہو اس کا حقیقی ابلاغ اس وقت ممکن ہے جب معانی کے ہم رتبہ الفاظ میسر آجائیں۔ گویا ابلاغ معانی فن بلاغت ہے اور انتخاب الفاظ شیوۂ فصاحت!

شعر و سخن پر ہی منحصر نہیں ہر معاملے میں راقم الحروف کا معاملہ یہ ہے کہ جب مشکل کام درپیش ہوتا ہے اور صمیم قلب سے اسے مکمل کرنے کا عزم کر لیتا ہوں تو پھر طبیعت پوری طرح اسی طرف اور صرف اسی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور جب تک وہ کام سرانجام نہ پا جائے کسی اور طرف رجحان نہیں ہوتا۔ گویا ایک قسم کی ضد پیدا ہو جاتی ہے کہ اس مہم کو سر کر کے ہی چھوڑوں گا۔ چنانچہ مجھے ہائی اسکول کی ملازمت کے دوران ایک دفعہ اس بات کا شوق پیدا ہو گیا کہ مجھے بورڈ کے امتحانات کا ممتحن ہونا چاہیے۔ اس میں سب سے بڑی رکاوٹ تو یہ تھی کہ میں نے

فارسی عربی کی اعلیٰ اسناد تو حاصل کر لی تھیں۔ مگر انگریزی صرف اسی قدر جانتا تھا، جتنی فاضل ادب (عربی) کے نصاب میں شامل تھی۔ یعنی مڈل اسکالرشپ کے معیار کے برابر۔ پہلے ارادہ پیدا ہوا اور پھر مسلسل جد وجہد شروع کر دی۔ نتیجے میں دو سال کی کوشش کے بعد اول ورناکیولر فائنل کا پھر میٹرک کا اور آگے چل کر لکھنؤ یونیورسٹی کے دبیر کامل کا ممتحن ہو گیا۔ آج پاکستان میں صدہا اشخاص ایسے ہیں جن کے پرچے میں نے جانچے تھے۔ اسی طرح مجھے ایک بار درسی کتابیں لکھنے اور انھیں محکمۂ تعلیم سے مختلف جماعتوں کے نصاب میں داخل کرانے کا شوق پیدا ہوا۔ کوشش کرتا رہا۔ مانٹسوری اصولِ تعلیم اور ڈالٹن پلان سے لے کر استقرائی طرز تک مہارت حاصل کرنے میں دن رات ایک کر دیے۔ شوق ہی جو تھا۔ عشق از ایں بسیار کرداست و کند۔ محنت اور سعی و کوشش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی بالآخر کامیابی کی منزل پر پہنچ گیا اور ایک وقت آیا کہ میری کتابیں یوپی کی پرائمری ایجوکیشن، سکنڈری ایجوکیشن، میٹرک، انٹرمیڈیٹ اور لکھنؤ یونیورسٹی کے بی اے آنرز تک کے نصاب میں شامل ہو گئیں۔ جب میں ہجرت کر کے پاکستان آیا ہوں (۱۹۵۰ء میں) تو میری "نظم اردو" میٹرک میں۔ "نسیم البلاغت" انٹرمیڈیٹ میں۔ اور "مقدمۂ خطبات مشران" بی اے آنرز کے نصاب میں داخل تھا۔ ان کتابوں کے بہت سے طالب علم پاکستان کے مختلف شہروں میں موجود ہیں۔ اپنی اسی عادت جاریہ کے تحت ایک بار مجھے اپنی مرثیہ گوئی کے ذیل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ واعظ حضرات بیان و خطابت میں جو اسلوب اختیار کر کے مقبولیت حاصل کرتے ہیں، وہی سب خصوصیات اور کیفیات مرثیے میں کیوں نہ پیدا کی جائیں۔ چنانچہ میں نے امروہہ کی مجالس اربعین میں ایسے ہی مرثیے مرتب کر کے پڑھے اور ہر روز صرف چار پانچ گھنٹے کی پُرعزم محنت کے بعد اپنے مرثیے میں یہ کیفیت پیدا

کردی ـــــ اس کا حال حضرت رئیس امروہوی کی زبان سے سنیے۔ وہ میری تاریخ خیرپور" کے نقد و تبصرے میں میرا تعارف کراتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"یہ (۱۹۳۲ء) وہ زمانہ تھا کہ جناب نسیم کا آفتاب کمال مائل بہ اوج تھا اور متحدہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں ان کے مراثی اور منظومات کے چرچے تھے۔ ہمارے صوبے کے سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں کے لاکھوں طلبہ ان کی کتابوں سے علم و تربیت حاصل کرتے تھے اور مجالس و محافل میں ہزاروں سامعین ان کے مراثی سے تہذیبِ نفس کا درس لے کر اپنے ادبی ذوق کو نکھارتے اور سنوارتے تھے۔ لکھنؤ اور بیرونجات میں نسیم صاحب کی اس قدر مانگ تھی کہ اہل امروہہ اکثر ان کے فیضان سے محروم رہتے تھے۔ ۱۹۳۲ء یا اس کے قبل و بعد کا ذکر ہے کہ دو سال تک مسلسل مجالس اربعین میں موصوف کو مرثیہ خوانی کے لیے امروہہ میں پابند کر دیا گیا۔ یہ ایک نادر موقع تھا۔ میں ان مجالس میں التزام کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔ نسیم صاحب کے آبائی محلے، "دانشمند" میں دو عزاخانے تھے۔ ایک نورالحسن مرحوم کا اور دوسرا سید علی اکبر مرحوم کا۔ اول الذکر عزاخانے میں مولانا ابن حسن صاحب قبلہ مرحوم نونہروی ۱۱ر صفر سے ۱۹ر صفر تک ذاکری فرماتے تھے۔ مجلس دن میں بارہ بجے ختم ہو جاتی تھی۔ دوسرے امام باڑے میں نسیم صاحب کو عشرہ پڑھنے کے لیے لکھنؤ سے بلوایا گیا تھا۔ یہ مجلس پانچ بجے شروع ہوتی تھی۔ نسیم صاحب کی طبع رواں جوش پر اور فکر رسا عالم پرواز میں تھی حضرت نے التزام کیا کہ صبح کی مجلس میں قبلہ نونہروی صاحب جو حال (فضائل و مناقب اور مصائب) پڑھتے تھے، شام کو نسیم صاحب انھیں

مضامین کا اپنا مرثیہ پیش کر دیتے تھے۔ اس معجزۂ فن کی تکمیل کے لیے انھیں ۲ا بجے دن سے ۵ بجے تک کے وقفے میں بہت سے بند کہنا پڑتے تھے اور کہے ہوئے مرثیے میں حسب حال جوڑ توڑ کرنا ہوتے تھے۔ نثر جمیل (قبلہ نونہروی صاحب) اور نظم جلیل کے اس تواتر کے باعث ان مجالس میں عجیب قسم کا جمال و جلال پیدا ہو گیا تھا۔ اب تک دل اس کیفیت کو یاد کر کے مزے لیتا ہے۔ شہر اور مضافات شہر (نوگانواں وغیرہ وغیرہ) کے ہزاروں سامعین ان دونوں مجالس میں شرکت کرتے تھے۔ صبح و شام دونوں عزاخانے کھچا کھچ بھر جاتے تھے۔ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ (سہ روزہ مراد خیر پور۔ ۴ جنوری ۵۵ء)

خود قبلہ نونہروی صاحب بھی نسیم امروہوی کی مجلس میں شرکت فرماتے تھے۔ موصوف آج تک اس واقعے کو نسیم صاحب کے اعتراف کمال کے طور پر بیان فرماتے ہیں..... ان مجالس کو سننے کے بعد میں نے اسی زمانے میں نسیم صاحب کے متعلق یہ رائے قائم کر لی تھی کہ وہ خوش گو، خوش فکر، قادر الکلام اور بلاغت کے ہر پہلو پر عبور رکھنے والے شاعر ہیں اور تاریخ ادب میں ان کے کمال کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ (از مقدمہ مراثی نسیم جلد دوم صفحہ ۵ سنہ ۱۹۷۴ء)

امروہا، نوگانواں اور میرٹھ کی درسگاہوں میں ملازمت

۲۵ء سے ۲۸ء تک میں نے عالم، فاضلِ ادب اور فاضلِ فقہ (الہ آباد بورڈ) کے امتحانات پاس کر لیے۔ البتہ عربی علوم کی تکمیل کے لیے نورالافاضل (درس نظامی) کا امتحان باقی رہ گیا جس میں کامیابی کا دارومدار زیادہ تر

ذاتی مطالعے اور کتب بینی پر تھا۔ یہ سلسلہ ملازمت کے بعد بھی جاری رہ سکتا تھا۔ رام پور سے جو وظیفہ ملتا تھا وہ اب بند ہو چکا تھا۔ والدہ کے گھر لو کتب میں بھی اب طالبات کی وہ کھما گھمی نہیں رہی تھی۔ اس لیے میں نے جامعۂ نور المدارس امروہہ میں مدرس عربی کی اسامی پر ملازمت کر لی۔ بیس روپے ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی۔ میں نے بہت جلد یہ محسوس کر لیا کہ گزر بسر کے لیے یہ آمدنی کفایت نہیں کرے گی۔ ابھی میں اسی تردد میں تھا کہ مسبب الاسباب نے ایک اور دروازہ کھول دیا۔ ایک دن مدرسہ باب العلم (نوگانواں) کے بانی اور پرنسپل مولانا سید سبط نبی صاحب نجفی مجتہد العصر امروہہ تشریف لائے اور اپنے استاد اور پدر معنوی الحاج مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ مرحوم کے شریعتکدے میں قیام فرمایا۔ خبر سن کر میں بھی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ باب العلم کے لیے کوئی ایسا مرد فاضل تلاش کرو جو عالم و فاضل کے طالب علموں کو عربی پڑھا سکے اور ضرورت پڑنے پر منشی اور کامل کی جماعت کو فارسی بھی پڑھا دے۔ میں نے بہت جستجو کی مگر کوئی ایسا شخص دستیاب نہ ہو سکا۔ مرحوم نے الحاج مولوی سید مرتضیٰ حسین سے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ انھیں باب العلم بھیج دیجیے۔ جواب ملا کہ یہاں ان کا کام کون کرے گا۔ وہ اصرار کرتے رہے، یہ انکار کرتے رہے۔ بالآخر مولانا نے کہا کہ میں انھیں ایک گھوڑا لے کر دے دوں گا۔ یہاں بھی پڑھائیں اور پھر باب العلم میں پڑھا کر یہاں واپس آجایا کریں۔ نوگانواں امروہہ سے سات میل کے فاصلے پر ہے۔ میں رضامند ہو گیا اور دوسرے ہی دن سے دو جگہ کام کرنے لگا۔ مگر میں نے دو چار ہی دن

نوگانواں کے مدرسۂ عربی کا نام۔

یں یہ محسوس کر لیا کہ گاؤں کے باشندے تو گھوڑے کی سواری، بلا تکلف استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن شہری باشندوں کے لیے پیدل چلنا اس قسم کی سواری سے بہتر ہے۔ چنانچہ میں نے مولانا کا گھوڑا واپس کر دیا اور روزانہ پیدل امروہہ سے نوگانواں جانے آنے لگا۔ اس سفر میں گاہے گاہے مولوی سید مطاہر حسین عرف منّی امروہوی (حال فیڈرل بی ایریا بلاک ۲۰) بھی میرے ہمراہ ہوتے تھے۔ کیونکہ آپ دہاں مولوی کی جماعت میں پڑھتے تھے۔ میری اس سعی معاش اور جدوجہد کے حالات جناب رئیس امروہوی نے اپنے ایک مضمون "نسیم امروہوی کی شخصیت،" میں اس طرح قلم بند کیے ہیں:

"نسیم صاحب اذان ہوتے ہی فریضہ صبح ادا کر کے گھر سے نکل پڑتے ہیں اور سیدھے ہمارے مکان[۱] کی طرف سے گزرتے ہوئے مدرسۂ باب العلم نوگانواں سادات میں پڑھانے کے لیے پیدل چلے جاتے ہیں۔ یہ نوگانواں، سادات کا ایک قصبہ ہے جو ایک کچی سڑک کے ذریعے ہمارے گھر سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر واقع ہے... راستے میں گنجان بانسوں کا ایک بھیانک بن پڑتا ہے۔ دوپہر تک وہاں عربی کے درسیات پڑھانے کے بعد امروہہ واپس آتے ہیں اور یہاں چار بجے سے مغرب تک دارالعلوم نورالمدارس کے طلبہ کو عربی کے مختلف علوم پڑھاتے ہیں۔ اس طرح آپ روزانہ ۱۴ میل پیدل چلتے ہیں۔ دن بھر تعلیم میں منہمک —— اور رات کو دس گیارہ بجے تک کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اسی میں کچھ وقت شعر و شاعری

---

[۱] یہ مکان امروہہ نوگانواں جانے والوں کے راستے میں پڑتا تھا۔

کے لیے بھی نکالتے ہیں۔" (عرفان نسیم، ۸۰ ۳ ۲ ۲ شمارہ)

جامعہ نور المدارس امروہہ اور باب العلم نوگانواں میں درس دینے کا یہ سلسلہ شروع ہونے سے چھ سات ماہ کے بعد مولانا سبط نبی صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شیعہ دینیات کے ڈین ہو کر چلے گئے۔ اور باب العلم کے طلبہ کی تعلیم کا تمام بار مجھ پر پڑ گیا۔ جس سے میری صحت خراب ہونے لگی۔ ابھی میں نے اپنے مستقبل کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ قدرتی طور پر مجھے ایک وسیلے سے منصبیہ عربی کالج میرٹھ میں اور اس کے ساتھ ہی میرٹھ کی ایک اور تعلیم گاہ "دارالعلوم" کی دوسری شفٹ میں ملازمت مل گئی۔ جو مادی مفاد کے اعتبار سے موجودہ دو درسگاہوں میں کام کرنے کے مقابل زیادہ منفعت بخش تھی۔ الحاج مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ تہ دل سے میرے بہی خواہ تھے۔ انھوں نے اس سلسلے کو پسند کیا اور مجھے میرٹھ چلے جانے کی اجازت دے دی۔ میں صبح سے ایک بجے تک منصبیہ میں اور ۲ بجے سے مغرب تک دارالعلوم میں کارِ مفوضہ انجام دیتا تھا۔ یہاں پہنچ کر مجھے اپنے فطری ذوقِ شعر گوئی کی تسکین کے لیے بھی خاطر خواہ وقت ملتا تھا۔ تعطیلات میں جائسؔ جانے کا سلسلہ بھی پھر جاری ہوا جو دو سال سے بہت کم ہو گیا تھا۔ کچھ چھوٹی موٹی درسی اور علمی کتابیں لکھنے کا وقت بھی ملنے لگا۔ جو منصبیہ اور دارالعلوم دونوں کے کتب خانوں کی مدد سے خاطر خواہ طور پر انجام پانے لگا۔ جناب رئیس امروہوی نے میری اس دور کی زندگی کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا ہے:

"اس مقام پر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ زندگی کے اس دور میں نسیم صاحب کی کارکردگی صرف تعلیم و تعلم تک محدود نہ تھی بلکہ اسی زمانے میں انھوں نے طالب علموں کی مشکلات

حل کرنے کے لیے متعدد امدادی کتابیں بھی تالیف و تصنیف کیں جو انوار احمدی پریس الہ آباد سے پے در پے شائع ہوتی رہیں بہت دن کی بات ہو گئی، مگر جہاں تک مجھے یاد ہے معانی و بیان کی مشہور کتاب "حدائق البلاغت"۔ "محقق طوسی کی معیار الاشعار بہ زبان فارسی کا اردو میں خلاصہ، جواہر فارسی اور دفاتر ابو الفضل کی شرحیں، عالم و فاضل کے طالب علموں کے لیے الفلسفہ حصہ دوم، استقرائی طرز پر اردو قواعد صرف و نحو کی کتاب تسہیل القواعد کے کئی حصے اور علم عروض و قافیہ میں معراج العروض اور ایسی ہی چند اور کتابیں جن کے نام مجھے یاد نہیں رہے، سب اسی زمانے کی قلم فرسائی کا نتیجہ ہیں، جو آج بھی بعض کتب خانوں میں موجود ہیں۔ یا نسیم صاحب ہی بتا سکتے ہیں یا خدا ہی کو علم ہے کہ وہ ان سب کاموں کے لیے کہاں سے وقت نکال لیتے تھے۔

نسیم صاحب کی زندگی کے ان شب و روز پر نظر کر کے یہ ماننا پڑے گا کہ اگر انسان پختہ ارادہ کرے، دل میں لگن ہو اور محنت بھی کرے تو کوئی کام ایسا نہیں جسے وہ انجام نہ دے سکے "عزم" اور "عمل" دونوں انسان کی مٹھی میں ہیں۔ جن سے وہ ہر وقت کام لے سکتا ہے۔ نسیم صاحب اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر ان سے کام لیتے ہیں اور یہ دونوں اس حد تک ان کے خمیر اور سرشت میں شامل ہیں کہ آج ان کے پورے کلام کو پڑھ جائیے، عام اس سے کہ وہ مرثیہ ہو یا نظم یا غزل۔ تو اس میں ہر جگہ "عزم و عمل" کی کارفرمائی نظر آئے گی۔" (عرفانِ نسیم، ۳۸۷)

خانہ آبادی

۱۹۲۷ء میں جبکہ میں نے الہ آباد بورڈ سے "فاضل ادب" کا امتحان پاس کرلیا تو جدِ معظم جناب الحاج مولوی سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ (پرنسپل جامعۂ نور المدارس امروہہ) جو والد مرحوم کے ماموں بھی تھے اور چچا بھی، مبارکباد کے لیے والدہ اور دادی صاحبہ کے پاس تشریف لائے ــــ قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ والد مرحوم نے رحلت سے دو ایک دن پہلے میری تعلیم کی ذمہ داری موصوف ہی کے سپرد کی تھی، چنانچہ آپ نے مبارکباد دیتے ہوئے والدہ اور دادی صاحبہ سے فرمایا ــــ "کنیز سیدہ اور بھابی صاحبہ! میں نے برجیس مرحوم سے قائم رضا سلمہٗ کی تعلیم کا جو وعدہ کیا تھا وہ آج پورا ہوگیا۔ اگرچہ اس لڑکے کو ابھی کچھ اور بھی پڑھاؤں گا، مگر اس کے باپ کی تمنا کے مطابق شاعری کے لیے جتنی تعلیم ضروری تھی اس سے بہت زیادہ حاصل کرچکا ہے۔ اب کل سے میں نور المدارس میں مدرس عربی کی اسامی پر اس کا تقرر کردوں گا" ــــ حضرت کو اپنی بزرگی اور علم و فضل کی بنا پر اہلِ خاندان کے معاملات میں مداخلت اور سربراہی کا جو حق حاصل تھا اس کے پیش نظر والدہ اور دادی صاحبہ نے اس حکم پر سر تسلیم خم کردیا۔ تاہم دادی صاحبہ نے اتنا کہا کہ ــــ حاجی بھیا! آپ مالک و مختار ہیں۔ چاہے پڑھائیں، چاہے نوکری کرائیں۔ مگر یہ دھان پان لڑکا دو دو کاموں کا بوجھ کیسے سنبھالے گا ــــ فرمایا، یہ بہت محنتی لڑکا ہے۔ کام سے کبھی نہیں تھکتا۔ نوکری بھی کرے گا اور پڑھتا بھی رہے گا۔ اب آپ اس کے رشتے کا بندوبست کریں۔ میری تو یہ رائے ہے کہ آپ اپنے چھوٹے بھائی (سید ریاض الحسن نقوی عرف کالے ماموں سب انسپکٹر پولیس) کے پاس جایئے۔ سنا ہے کہ وہ آج کل یہیں ہیں۔ ان سے کہیے کہ وہ اپنی چھوٹی

بیٹی (سیدہ عابدہ خاتون) کو قائم رضا کے لیے ہمیں دے دیں۔ یہ بھی کہہ دیجیے گا کہ مرتضیٰ حسین نے کہا ہے کہ یہ لڑکا آپ کے حقیقی بھانجے کا بیٹا ہے۔ اس کی ماں کے پاس مال و دولت اور جائداد نہیں۔ مگر اس کا بیٹا علم کی دولت سے مالامال ہے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کیجیے انشاء اللہ برکت ہوگی۔ ان کا عندیہ لینے کے بعد جواب سے مجھے مطلع کیجیے گا۔ میں خود "پیام" لے کر جاؤں گا۔

موصوف کے علم و عمل کی نیک شہرت اور زہد و تقویٰ کی عظمت اہل امروہہ کے قلوب میں اس قدر راسخ تھی کہ شہر کے یگانے اور بیگانے سب آپ کے ارشاد پر "آمنا سلمنا" کہتے تھے اور یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آپ ان کے معاملات میں کوئی نامناسب مشورہ دیں گے۔ دادی صاحبہ دو ایک دن کے بعد اپنے بھائی کے ہاں جو محلہ قاضی زادہ میں رہتے تھے، صبح کے وقت تشریف لے گئیں اور شام کو بامراد واپس آئیں۔ الحاج موصوف کو مطلع کیا۔ وہ سن کر بہت خوش ہوے اور دن تاریخ دیکھ کر چند افراد خاندان کے ساتھ پیغام لے کر گئے اور رشتہ طے کر آئے۔

کچھ دن کے بعد نکاح اور رخصت کی تاریخ مقرر ہوئی۔ جو اعزہ باہر تھے انھیں قلمی دعوت نامے بھیجے گئے۔ جانسٹھ سے نواب سید باقر علی خاں فہیم، اور رام پور سے ہز ہائینس کی نیابت میں مولانا سید انصار حسین صاحب قبلہ مرحوم (آف کندرکی ضلع مرادآباد) شادی میں شرکت کے لیے امروہہ تشریف لائے۔ چونکہ الحاج موصوف کا قدم درمیان تھا جو نہایت متشرع اور عالم باعمل تھے اور ان کے توسل سے دو مجتہدین جامع الشرائط کو شادی میں شرکت کرنا تھی اس لیے یہ بات پہلے ہی دو معتبر اشخاص کے ذریعے خسر معظم مرحوم سے طے کر لی گئی تھی کہ یہ شادی نہایت سادگی سے ہوگی۔ اور خوشی کے جوش میں کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جائے گا جو شرعاً یا اخلاقاً ممنوع یا مکروہ ہو اور مرحوم نے صمیم قلب

سے اس گذارش کو قبول کر لیا تھا۔ چنانچہ ۲۴ر دسمبر ۲۷ء کو سادات امروہہ میں شادی کی یہ پہلی اور (شاید) آخری مثال تھی جس میں وہ تمام رسمیں جو مسلمانوں میں دوسری ہمسایہ قوموں کے خلا ملا سے منتقل ہوگئی تھیں (اور اب بھی ہیں) یک قلم نظر انداز کر دی گئی تھیں۔ نہ کپڑوں اور دیواروں پر گلابی رنگ کا چھڑکاؤ تھا، نہ ابٹن، نہ مہندی، نہ رت جگا، نہ ڈھول ڈھولک کا دھوم دھڑکا نہ گیت، نہ کوئی ریت۔ سب سے پہلے مجلس ہوئی جس میں شیخ داؤد علی نے نعتیہ اشعار پڑھے۔ پھر چچا صابر حسین مرحوم (داماد الحاج موصوف) نے لواعج الاحزان سے فضائل و مصائب پڑھے۔ تبرک تقسیم ہوا۔ میں نے غسل سنت ادا کیا۔ سسرال سے آیا ہوا جوڑا پہنا۔ چودہ لڑی کا سہرا باندھا گیا۔ مگر بجیبوں اور بہنوں کی آوازیں جو گانے بجانے کے لیے بے چین تھیں گلے میں گھٹ کر رہ گئیں۔ ہونٹوں کی حرکت اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرتے ہوئے آنسوؤں سے پتا چلتا تھا کہ ان کے دل حسرت بھرے گیتوں سے لبریز ہیں مگر الحاج موصوف کے دبدبے اور اس کے ساتھ ہی میری مرضی سے متصادم ہونے پر قدرت نہیں رکھتیں۔ حقداروں کے دلوں میں روایتی حقوق (نیگ) جھگڑنے کی امنگیں اٹھیں مگر ماحول نے انھیں دبا دیا۔ دادی صاحبہ بار بار اس چبوترے کے قریب جاتی تھیں جہاں بیٹھ کر والد مرحوم دن بھر مرثیہ کہا کرتے تھے، اور آنسو پونچھتی ہوئی پلٹ آتی تھیں۔ البتہ ایک پھپی (اختر بانو) پیدائشی فاتر العقل ہونے کے باعث ترک رسوم کی پابندیوں سے مستثنیٰ تھیں۔ اور چھوٹے چھوٹے بچوں نے ان کی رقص نما اچھل کود اور تالیوں کا ساتھ دے کر یک گونہ چہل پہل کا سماں پیدا کر دیا تھا۔

میں "جامہ" پہن کر چند ہمنواؤں کے ساتھ پڑوس کی مسجد اور امام باڑے

ہیں سلام کے لیے گیا اور وہاں سے واپس آتے ہی اب برات کا جلوس چلا۔ آگے آگے دولھا کی پالکی تھی۔ اس کے جلو میں خاندان کا میراثی دھمّا اپنی بے سُری آواز میں یہ سہرا پڑھتا ہوا چل رہا تھا:

علی دولھا نے سہرا باندھا مشکل کشائی کا

——— پالکی کے پیچھے پہلی صف میں الحاج موصوف، دائیں جانب ان کے بڑے صاحبزادے مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ نجفی مجتہد العصر، بائیں جانب ان کے فرزندِ معنوی مولانا سید سبطِ نبی صاحب قبلہ نجفی مجتہد العصر (آف نوگانواں سادات) اور اِدھر اُدھر مجتے اور شہر کے دیگر علمائے علّام۔ اس کے پیچھے کی تقریباً دو تین صفوں میں امروہہ کے شعرا۔ پھر اعزّہ اور احباب۔ سب خاموشی کے ساتھ نہایت متانت کی رفتار سے قدم اٹھائے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی منچلا نوجوان درود کا ایک آدھ نعرہ لگا دیتا تھا تو اکثر لوگ اس کی ہم نوائی کرتے تھے۔ نعرۂ حیدری کا اس وقت رواج نہ تھا۔ یہ جلوس شہر کی بڑی شاہراہ سے گزر کر گھیر مناف میں پہنچا اور پھر بائیں طرف مڑا اور چند لمحوں میں منزلِ مقصود کے قریب جا پہنچا۔ اب درود کی آوازوں میں تسلسل اور زور پیدا ہو گیا جس نے پذیرائی کرنے والے اصحاب کو برات کی آمد سے مطلع کیا۔ کل مہمان جناب سید حامد حسین مرحوم کی بیٹھک میں بٹھائے گئے جو دلھن کے حقیقی ماموں تھے۔

برات میں جو علما رشریک تھے ان کے احترام میں میزبان اور ان کے گھرانے کے افراد نے حسبِ وعدہ بہت ایثار سے کام لیا اور اسلامی و آرسی مصحف کے علاوہ باقی سب رسمیں پسِ پشت ڈال دیں۔ اوّل مردانے اور زنانے میں حدیثِ کسا پڑھی گئی۔ پھر دونوں مجتہدین نے دولھا اور دلھن کے اذن سے صیغہ جاری کیا جس کے بعد نساب (میراثی) نے ساداتِ امروہہ کی روایت کے مطابق اپنے مخصوص

انداز میں کھڑے ہو کر دولہا اور دلھن کا شجرہ نسب بیان کیا۔

ظہرین کا وقت تھا۔ سب نے چاند سورج کے امام باڑے میں (جو سامنے ہی تھا) باجماعت نماز پڑھی اور میں نے زنان خانے میں جاکر دلھن کی چادر پر فریضہ ادا کیا۔ اب رخصت کا وقت آیا تو خسر معظم نے الحاج موصوف اور دونوں مجتہدین سے دست بستہ کہا کہ سب رسمیں ترک کر دینے کے سلسلے میں آپ کے حکم اور ایما کی تعمیل کی گئی ہے۔ اب ہماری اتنی بات آپ مان لیں کہ جہیز اور سلامی کی رسمیں ہمیں خاطر خواہ ادا کرنے کی اجازت دے دیں۔ یہ تینوں بزرگ مسکرا دیے جس کے بعد سلامی میں مجھے اتنی رقوم پیش کی گئیں جو برادری کی عام شادیوں میں میرے ذاتی تجربات اور تصورات سے بیش تھیں۔ اسی طرح دلھن کے جہیز میں اتنا سامان اور زیور دیا گیا جو اس وقت کی میری مادی حیثیت سے کہیں زیادہ تھا۔

برات رخصت ہوئی اور جلوس اپنی سابقہ شان کے مطابق واپس ہوا۔ البتہ اتنا فرق تھا کہ اب دولہا کی پالکی کے آگے دلھن کی سواری تھی جسے امروہہ میں ڈولا کہتے ہیں اور جو "محافہ" عرب کا ترجمہ ہے۔ جلوس کے پیچھے جہیز کا سامان اور بھوڑے کے کھانے کی دیگیں تھیں ــــ گھر پہنچ کر سب سے پہلے مجلس منعقد ہوئی جس میں ذاکری کی کرسی کے دائیں جانب کھڑے ہو کر سہرے پڑھے گئے۔ ان سہروں کے مصنفین (برادرم رئیس امروہوی کے والد) علامہ شفیق حسن ایلیا، خان صاحب شبیر خاں شبیر، مولانا نسیم حسن ہلالؔ اور وکیل سید آل احمد نعیم اس محفل میں موجود تھے۔ شبیر خاں صاحب کے علاوہ باقی حضرات کے سہرے مترنم نوجوانوں نے پڑھ کر سنائے۔ ان سہروں کی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں سے ہر ایک میں مدح محمدؐ و آل محمدؐ پر مشتمل اشعار بھی تھے اور ایک آدھ شعر میں مرثیہ گوئی کا ذکر بھی کیا گیا تھا بعد ازاں مولوی سید انوار الحسن صاحب قبلہ نے بہت جامع، مختصر

اور دلچسپ تقریر کی اور مجلس ختم ہوتے ہی بہوڑے اور ولیمہ کا کھانا کھلایا گیا۔

بیوی کا قدم میرے لیے بہت مبارک ثابت ہوا۔ اب تک میں نور المدارس امروہہ میں پڑھاتا تھا۔ شادی کے چند ہی دن بعد باب العلم نوگانواں سادات سے بھی معلم کی حیثیت سے وابستہ ہوگیا اور اس طرح میری آمدنی دوچند ہوگئی۔ جس کا مفصل حال پہلے ہی بیان کیا جاچکا ہے۔

زیرِ نظر سوانح تقریباً ۱۹۳۲ء تک محدود ہیں۔ اس وقت تک تین یا چار (زیادہ نہیں) اولادیں ہوئیں۔ مگر دنیا میں آنے کے بعد جلد جلد اللہ کو پیاری ہوتی چلی گئیں۔ آخری بچہ (شمیم رضا) بہت ہونہار نظر آتا تھا اور قدرت کی طرف سے شاعرانہ مزاج اور موزونیت طبع کا جوہر لے کر آیا تھا۔ اگر زندہ رہتا تو شاید وہ میرا بستہ سنبھالتا۔ آج بھی جب یاد آتا ہے تو دل پر سانپ سا لہرا کے رہ جاتا ہے۔ اس کی مفارقت کے بعد میں نے تو حضرت علی اصغر کے حال کا بھرپور مرثیہ کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی مگر ماں کے آنسو مدت تک جاری رہے۔

اس کے بعد کی ازدواجی زندگی میں جو واقعات پیش آئے وہ سوانح کے دوسرے حصے میں اپنے مقام پر درج کیے جائیں گے۔

میرٹھ سے لکھنؤ کو منتقلی

میرٹھ کے قیام کا زمانہ علمی و شعری مشاغل میں مادی اور روحانی دونوں قسم کی خوشحالیوں کے ساتھ بسر ہورہا تھا کہ اچانک دسمبر ۱۹۲۹ء میں میرے ابن عم مولانا سید مسرور حسین مرحوم نے (جنھیں میں بھائی جان کہتا تھا) مجھے تار دے کر لکھنو بلایا، وہاں مولوی سید محمد حسین مرحوم (لکچرار عربی جوبلی انٹر کالج) ریٹائرمنٹ سے قبل چھ ماہ کی چھٹی پر جارہے تھے۔ بھائی جان نے پرنسپل (چنی لال بھانی)

سے طے کر لیا تھا کہ وہ مجھے فی الوقت مولوی صاحب موصوف کی جگہ کالج میں تعینات کر دیں گے۔ پھر یہ اسامی مستقل طور پر مجھے دلا دیں گے۔ چنانچہ میں دونوں کالجوں میں استعفا دیکر لکھنؤ چلا گیا اور جوبلی انٹر کالج میں کام کرنے لگا۔ یہاں دو تین پیریڈ عربی اور اردو پڑھانے کے بعد فرصت ہی فرصت تھی۔ صرف ایک طالب (عالم علی) عربی کا انٹرمیڈیٹ کورس پڑھتے تھے۔ البتہ اردو کے میٹرک اور ایف اے میں سے ہر ایک جماعت میں چالیس پچاس طالب علم تھے۔ جن میں شوکت تھانوی مرحوم بھی شامل تھے۔ لکھنؤ کی زرخیز زمین پر ایسے ذہین اور باذوق طالب علم اپنی تعلیم و تعلّم کی زندگی میں پہلی بار ملے تھے جنھیں پڑھانے میں لطف آتا تھا۔ کالج کی خدمات کے علاوہ میرے پیشِ نظر نورالافاضل (درسِ نظامی) کا امتحان تھا جس کی تیاری کے لیے مدرسۃ الواعظین میں حضرت مولانا ابوالحسن صاحب قبلہ مجتہد العصر عرف منّن کے سامنے زانوے ادب تہ کیا۔ موصوف چونکہ نجفِ اشرف میں میرے عم محترم مولوی سید یوسف حسین صاحب قبلہ نجفی کے ساتھ ۹ سال پڑھ چکے تھے، اس تعلق کی بنا پر مجھے اپنی اولاد کی طرح بڑی شفقت اور محنت سے پڑھاتے تھے اور یہ انھیں کی توجہ کی برکت تھی کہ میں نے ۱۹۲۱ء کے آخر میں جامعۂ نورالمدارس امروہہ میں جاکر اس امتحان کا مرحلہ طے کیا اور فوزِ عظیم کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔

اسی زمانے میں ایک کتاب نسیم البلاغت (معانی و بیان و عروض) مرتب کی۔ جو یوپی کے محکمۂ تعلیم نے انٹرمیڈیٹ کلاسز کے نصاب میں منظور کرلی۔ (اور ۱۹۴۸ء تک جبکہ میں نے پاکستان کی طرف ہجرت کی تھی یوپی کے کالجوں میں رائج تھی۔ اس وقت کا حال معلوم نہیں) مگر سرکاری ملازم ہوتے ہوئے پرنسپل کی اجازت اور وساطت کے بغیر میرا یہ عمل محکمے کی نظر میں ناپسندیدہ اور

خلافِ قانون تھا۔ میں نے اپنے ذہن، قلم اور ادبی مشاغل پر اس پابندی کو گوارا نہ کیا اور جواب دہی سے بچنے کے لیے سرکاری ملازمت کا خیال ترک کر دیا۔ اور جوبلی کالج کو چھوڑ کر چرچ مشن ہائی اسکول میں ملازمت کر لی۔ جہاں مجھے کالج سے بھی زیادہ لطف آیا۔

لکھنؤ کا قیام اور پہلی مجلس

مرثیہ گوئی کا غیر منقطع مشغلہ اور جالنٹوہ کے نواب سید باقر علی خاں فہیم سے خط و کتابت کا سلسلہ یہاں بھی برقرار رہا۔ لکھنؤ کے قیام میں مجھے شعر و سخن کا ماحول بھی ملا اور اساتذۂ فن اور علمار کی صحبتیں بھی نصیب ہوئیں۔ واعظین میں مقیم تھا۔ روزانہ خطیبِ اعظم مولانا سبطِ حسن صاحب قبلہ کی زیارت کا موقع ملتا اور ان کی عالمانہ اور شاعرانہ گفتگو سے مستفیض ہوتا۔ مولانا آغا مہدی، مولانا محمد حمید، مولانا محمد بشیر انصاری، مولانا وجیہ الحسن، مولانا ممتاز حسین، مولانا اظہار الحسن اور اسی معیار کے دیگر حضرات سے صحبتیں رہتیں۔ مشاہیر شعرار بھی اس وقت تقریباً سبھی بقیدِ حیات تھے۔ مولانا صفی، آرزو لکھنوی۔ مولانا عزیز، بیخود موہانی، محشر لکھنوی۔ اور مرثیہ گو شاعروں میں دولھا صاحب عروج طاہر مرزا رفیع، فرزند حسن جلیل بابو صاحب فائق، قدیم، فرید، شدید، مودّب۔ سب کے سب دادا مرحوم کے تعلق سے مجھے جانتے اور پہچانتے تھے اور بڑی محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ جعفر علی خاں اثر بھی جب ہردوئی سے (جہاں وہ ڈپٹی کمشنر تھے) لکھنؤ تشریف لاتے تو میں ان کے دولتکدے پر حاضری دیتا اور وہ لکھنؤ کی تہذیب کے مطابق بازدید کے لیے غریب خانے پر تشریف لاتے۔ راجہ سلیم پور کے گھرانے کے تین لڑکے اسکول میں میرے شاگرد تھے (جن میں سے ایک حیدر عباس

صاحب آج کل فیڈرل بی ایریا کراچی کے بلاک ۲۰ میں میرے چھوٹے بھائی سید صائم رضا کے گھر کے سامنے رہتے ہیں) اس سلسلے سے راجہ صاحب کے یہاں بھی آمد و رفت رہتی تھی۔ مرثیہ گو شعراء کے جدید مرثیوں کی نیز وقتی مرثیہ خوانی کی مجالس کے اعلانات ہمدم، سرفراز، حق اور حقیقت اخبار میں چھپتے رہتے تھے۔ میں پابندی سے سب کی مجلسوں میں شرکت کرتا۔ جس سے زبان اور اسالیب بیان کے بہت سے ابواب میرے دل و دماغ پر کھلتے تھے۔ غرضکہ دن رات کی ان صحبتوں اور شاعرانہ ماحول کا میری مرثیہ گوئی پر بہت اچھا اثر پڑا۔ میں نے خود بھی بہت جلد یہ محسوس کیا کہ اب میرے اندازِ فکر اور حُسنِ بندش میں روز بہ روز ایک خوشگوار تبدیلی آتی جا رہی ہے۔ میں سابق کے مقابل اب کچھ دیر میں شعر کہنے لگا تھا۔ کیونکہ ایک بند کہنے کے بعد ہر مصرع کے الفاظ کی دروبست اور پھر ایک مصرع سے دوسرے مصرع کے ربط معنوی و لفظی پر کافی غور و خوض کرتا تھا۔ مجھے یہ یقین تھا کہ لکھنؤ میں بہت جلد مجلس پڑھنا ہے اور یہاں کے دس بارہ خاندانی استادوں سے پسندیدگی کی سند لینا ہے۔ اس لیے مضمون میں سنجیدگی اور بندش میں پختگی پیدا کرنے کے لیے راتیں جاگتا تھا۔ جو مرثیہ کہہ کر مکمل کرتا اس کی ایک نقل نواب باقر علی خاں فہیم کو بھیج دیتا۔ جس میں داد حاصل کرنے کے علاوہ والد کے لیتے کا حُسنِ طلب بھی مضمر ہوتا تھا۔ مرحوم ہر مرثیہ وصول کرنے کے بعد کئی صفحے کا خط لکھتے، جس میں مضمون اور بندش پر مختصر تبصرے کے ساتھ خاطر خواہ داد دیتے تھے۔ اور ہر بار یہ بھی لکھتے کہ اب ان شاء اللہ تمہارے باپ کا جولبتہ میرے پاس تمہارے دادا نے بطور امانت رکھ دیا تھا اسے تمہاری طرف منتقل کرنے کا وقت قریب آتا جا رہا ہے۔ دس پانچ ایسے ہی مرثیے اور کہو تو ان شاء اللہ یہ لبتہ میں خود تمہارے پاس پہنچا دوں گا۔

اب وہ وقت بھی آگیا جب مجھے پہلی بار اپنا مرثیہ باشندگان لکھنو کو سنانے کا موقع ملے گا۔ جہازی سائز میں طلباے مدرسۂ ناظمیہ و مدرسۃ الواعظین کی طرف سے اعلان شائع ہوا جس کی سبز و سرخ رنگ (حسنی و حسینی) میں چھپی ہوئی سرخی تھی "گلزار نسیم میں بہار نسیم"، یہ مجلس ناظم صاحب کے مشہور عزا خانے میں ۱۴ دسمبر ۱۹۳۰ء مطابق ۲۳ رجب ۱۳۴۹ھ بروز یکشنبہ منعقد ہوئی۔ ناظمیہ کے قابلِ ذکر طلبا اس زمانے میں یہ تھے:۔ مولوی شمس الحسن (گوولی) مولوی حسن امداد (جو اس وقت فیڈرل بی ایریا کے بلاک ۲۰ میں علامہ رشید ترابی مرحوم کے پڑوس میں رہتے ہیں) مولوی قمر حسن (حیدر آباد) مفتی جعفر حسین اور مولوی شبیہ الحسنین (جو اس وقت مجلس علماے پاکستان کے جنرل سکریٹری اور مدرسۃ الواعظین لاہور کے معلم ہیں) مجلس کا اشتہار شائع ہونے کے بعد مولوی محمد ایوب (سرسی) نے یہ اعتراض کیا کہ شاعر کے معیارِ کلام سے ہم واقف نہیں اس لیے مجلس کے انعقاد کا انتساب اپنی طرف نہیں کریں گے۔ نہ جانے کیا پڑھ دیں گے۔ پوسٹر اسی بحث مباحثے میں کئی دن رکھے رہے۔ بالآخر خطیبِ اعظم مولانا سبطِ حسن صاحب قبلہ نے اس طرح فیصلہ فرمایا کہ مجھے بلا کر موضوع مقرر کیا اور کہا کہ "فضائل علی قرآن و حدیث سے" نظم کیجیے اور دائرے کے باہر قدم نہ رکھیے۔ اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھنو کے حسین اعظمی اپنے ایک مقالے میں جس کا عنوان ہے "نسیم امروہوی نے اردو مرثیے کو کیا کیا دیا" لکھتے ہیں:

یہ مرثیہ ۱۹۳۰ء میں انھوں نے لکھنو کی پہلی مجلس میں پڑھا اور

لہ یہ مرثیہ مراثی نسیم جلد دوم میں صفحہ ۱۰۵ پر درج ہے اور مطلع یہ ہے:

شمع افروزِ حیاتِ ابدی ہے شاعر

ثقۃ الاسلام حضرت مولانا بشیر انصاری صاحب قبلہ کے بیان کے مطابق اس کا موضوع خطیبِ اعظم شمس العلماء جناب سبط حسن صاحب اعلی اللہ مقامہ نے دیا تھا۔ اس مرثیے میں نسیم صاحب نے حضرت علی کی شان میں ۱۴ احادیثِ نبوی اور ۲۱ آیاتِ قرآنی نظم کی تھیں جیسا کہ مقطع کے چوتھے مصرعے سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو مرثیہ مذکور کی تصنیف کا مادہ تاریخ بھی ہے:-

مرثیہ ختم ہے کر شکر نسیم خوش ذات
سال تصنیف رقم کر کہ بنے وجہ حیات
امتحاں کا الف الحمد کرے یکار احق بات
ایک سو چودہ احادیث اور اکیس آیات
بات کی بات بھی تاریخ کی تاریخ بھی ہے
قلبِ حاسد کے لیے خنجر مریخ بھی ہے

از عرفانِ نسیم ص ۱۸۰ ۱۹۶۷ء

اس مجلس کا جہازی اشتہار میں نے امروہہ اور جالنٹھ بھیج دیا تھا۔ دونوں جگہ سے مجلس میں شرکت کے لیے احباب تشریف لائے۔ جن میں امروہہ سے حضرت علامہ شفیق حسن (رئیس امروہوی کے والد) اور سید ظلِ سبطین۔ اور جالنٹھ کے نواب سید باقر علی خاں فہیم خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

مجلس توقعات سے بہت زیادہ کامیاب ہوئی۔ عزاخانے کا ہال، سامنے کا دالان اور صحن سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ دارالعلوم ناظمیہ اور مدرسۃ الواعظین کے طلباء جن میں ہر ایک بجائے خود ایک عالم کی حیثیت رکھتا تھا اور جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی سابق میں لکھے جا چکے ہیں ایک ایک کر کے مجلس میں شریک

تھے۔ لکھنؤ کے دوسرے دارالعلوم سلطان المدارس سے بھی بہت طالب علم تشریف لائے تھے۔ جنھیں اصطلاحی طور پر طالب علم کہا جاتا تھا، مگر وہ سب بھی عالمِ دین کی منزل پر فائز تھے۔ ان میں مولوی ابو القاسم بجنوری، مولوی نجم الحسن کراروی اور مولوی مرتضیٰ حسین فاضل (مقیم حال لاہور) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ کل علما رو مجتہدین، جملہ شعرا، (دولھا صاحب کے سوا) تمام مرثیہ گو اصحاب (الا ماشاء اللہ) زیبِ مجلس ہوے تھے۔ یہ سب میرے بھائی جان ... کے دعوت ناموں کی برکت تھی جو انھوں نے ایک ایک فرد کو اس کے دولت کدے پر جا کر دیے تھے۔ یادگار مجلس ہوئی۔ چونکہ شرکاے مجلس میں اربابِ فن اور اہلِ علم حضرات کی کثرت تھی اور ان سب نے مرثیے پر پسندیدگی کی مہر ثبت کر دی تھی اس لیے مجلس کے بعد کسی شخص نے کسی مصرع کے خلاف نکتہ چینی کی حیثیت سے لب کشائی نہیں کی۔ امروہہ اور جانسٹھ کے جو حضرات دور دراز مسافتوں سے آکر مجلس میں شریک ہوے تھے ان کا چلبلاؤں نون بڑھ گیا اور انھوں نے وطن پہنچ کر ایسا اہتمام کیا کہ وہاں بھی مجھے لکھنؤ سے بلوایا گیا اور دونوں جگہ کے سامعین نے بڑی دلچسپی سے یہ مرثیہ سنا۔ میرا حوصلہ بھی اس مجلس کے بعد بہت بلند ہو گیا۔

دادا مرحوم کے بستے کی یاد

اگرچہ لکھنؤ کے قیام اور وہاں کے ماحول نے میری مرثیہ گوئی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا اور مجھے خود محسوس ہونے لگا تھا کہ اب میں جس قسم کا بھی مرثیہ کہنے کا ارادہ کروں، اسے بڑی کامیابی سے کہہ سکتا ہوں اور اس بنا پر مجھے عشرے کی مجالس پڑھنے کے لیے والد یا دادا مرحوم کے بستوں سے مدد لینے کی چنداں ضرورت باقی نہیں۔ اس کے باوجود ان بستوں کے حاصل کرنے کا شوق کم نہیں ہوتا تھا۔

بار بار یہ خیال آتا تھا کہ دادا مرحوم کو جو عالمگیر شہرت حاصل ہے تو نہ جانے انھوں نے کیا کیا کہا ہوگا اور اس کے مطالعے کے بعد مجھے کیا فیوض حاصل ہوں گے! ہوسکتا ہے کہ ان کے ہاں کچھ ایسے مقامات بھی ہوں جن کی میرے مرغ تخیل کو ہوا بھی نہ لگی ہو۔ گاہے گاہے یہ سوچتا تھا کہ دادا مرحوم اور حضرت اوج ایک ہی وقت دربارِ ریاست رام پور سے وابستہ تھے۔ کیا اوج صاحب کی طرح دادا نے بھی مرثیے میں کچھ ایسا تجدد پیدا کیا ہے جسے دورِ جدید کی بنیادوں میں جگہ ملنا چاہیے۔ کبھی یہ شوق پیدا ہوتا کہ اگر یہ دونوں بستے مل جائیں اور میں انھیں اس منزل پر چھپوادوں جبکہ نولکشور پریس لکھنؤ اس قسم کے ادبی علمی جواہرات برابر نشر کر رہا ہے، تو اس اشاعت کے بعد میرے خاندان کا نام کتنا بلند ہو جائے گا اور اس کا میرے مستقبل پر کتنا خوشگوار اثر پڑے گا۔ انھیں خیالی منصوبہ بندیوں کے دوران والدہ کے ایک خط سے مجھے یہ محسوس ہوا کہ اب دادا کا مقفل کلام وارثوں کو دیا جانے والا ہے۔ کیونکہ چچا سکندر حسین نے کامل کا امتحان پاس کر لیا ہے اور تائے جی مجز حسین کے بڑے بیٹے سید منظور حسین بھی جو تحت اللفظ خواں ہیں منتی عالم کر چکے ہیں۔ یہ خط پڑھتے ہی میں نے امروہہ کو اپنے ہمدردوں کے نام دو خطوط بھیجے جن میں انھیں بہ تاکید یہ لکھا کہ مجھے والدہ کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ دادا مرحوم کا بستہ جو ۱۷-۱۸ سال سے قید ہے۔ عنقریب وارثوں میں متروکہ مال کی طرح تقسیم ہونے والا ہے۔ آپ چوکنا رہیں اور جب کچھ سن گن ملے تو مجھے مطلع کر دیں۔

ان میں سے ایک خط برادرم رئیس کے نام تھا، جو وطنِ عزیز کے نوجوانوں میں میرے سب سے بہترین اور مخلص دوست تھے (اور ہیں) اور ان کے والد مرحوم علامہ شفیق حسن ایلیا اور چچا غنی حسن مرحوم میرے والد کے ہم جلیس ہونے

کی بنا پر مجھ سے اتنی ہی محبت فرماتے تھے جتنی اپنی لائق اولاد سے ہوتی ہے اور دونوں اس امر کے لیے کوشاں تھے کہ دادا کا مقفل کلام مجھے (نسیم امروہوی، کو) مل جائے۔

دوسرا خط عمِ محترم سید محمد نبی صاحب ابن الحاج سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ مرحوم کے نام تھا جو میرے فارسی درسیات کے استاد تھے اور اپنے بھتیجوں میں مجھے سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور آج کل اے ۱۲/۴ بلاک ۲۰ فیڈرل بی ایریا کراچی میں مقیم ہیں۔

میں مطمئن تھا کہ جب یہ صورت پیش آئے گی تو میں امروہہ جا پہنچوں گا اور یقیناً بزرگانِ خاندان کے دباؤ سے جن کی ہمدردیاں ابتدا ہی سے میرے ساتھ رہی ہیں یہ بستہ کلاً نہ سہی تو جزواً ہی مجھے مل جائے گا۔

دادا مرحوم کے سرمایۂ کلام کی بربادی

پچھلے صفحات میں بعض کتابوں کی تاریخی شہادتوں اور بعض معتبر اصحاب کے حوالوں سے یہ ذکر آچکا ہے کہ دادا مرحوم اعلی اللہ مقامہ کے بستے کی ایک نقل والد مرحوم کے پاس تھی۔ جسے دادا مرحوم نے والد کی رحلت کے بعد اپنے شاگرد رشید نواب سید باقر علی خاں (آف جانسٹھ) کے پاس اس وصیت کے ساتھ محفوظ کر دیا تھا کہ جب قائم رضا (حال نسیم امروہوی) یا اس کا چھوٹا بھائی (سید صائم رضا) اس امانت کا اہل ہو جائے تو یہ ادبی سرمایہ اس کے سپرد کر دینا۔ خود دادا مرحوم کا مجموعۂ کلام ان کی وفات کے بعد امروہہ میں بزرگِ خاندان الحاج مولانا سید مرتضیٰ حسین اعلی اللہ مقامہ (پرنسپل جامعۂ نور المدارس امروہہ) کے پاس اس مفاہمت کے ساتھ امانۃً رکھ دیا تھا کہ مرحوم کے وارثوں میں جب بھی کوئی اس کو سنبھالنے کی اہلیت

پیدا کرے تو اسے دے دیا جائے۔ مجھے بچپن ہی سے اپنے ذوقِ شعری اور روز افزوں مشقِ سخن کے پیشِ نظر قوی امید تھی کہ دونوں بزرگوں کو یہ بستے مجھے ملیں گے۔ لیکن ع

ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

۱۹۳۲ء کا سال میرے لیے "عام الحزن" بن کر اور ناکامیوں کا پیام لے کر آیا۔ یکایک یہ خبر سنی کہ نواب سید باقر علی خاں (آف جالندھر) دمے کی تکلیف میں مبتلا رہ کر گزر گئے۔ ہزار افسوس کہ یہ خبرِ وحشت اثر ان کے سانحۂ ارتحال کے مہینوں بعد مجھ تک پہنچی۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ سانحہ میرے لیے کتنا روح فرسا تھا۔ ایک طرف یہ ملال کہ میں مرحوم کی آخری رسوم میں شرکت نہ کر سکا دوسری طرف یہ فکر کہ مرحوم کی رحلت کے بعد سے اب تک کئی ماہ کی مدت میں اس سرمایۂ ادب کا کیا حشر ہوا ہوگا جو ان کے پاس مجھے دی جانے والی امانت کے طور پر محفوظ تھا۔ نواب مرحوم کے صرف ایک ہی صاحبزادے تھے جنھیں سب کلن میاں کہہ کر پکارتے تھے۔ تعلیم سے محروم۔ کبوتر بازی کے دلدادہ۔ نہایت غیر ذمہ دار اور دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر! کلن میاں عموماً اپنی ننھیال میں رہتے تھے۔ جب مجھے جالندھر جانے کا اتفاق ہوتا تو گاہے گاہے وہ کبھی نظر پڑ جاتے اور خود وہ کبھی مجھ پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے گزر جاتے تھے۔ ان سے یہ توقع فضول تھی کہ وہ اپنے والد مرحوم کی وفات کی خبر ان کے واقف کاروں اور دوستوں کو دیں۔ چنانچہ اس حادثے کی خبر سن کر میں نے جالندھر کے احباب سے خط و کتابت کر کے حالات کا پتا چلایا اور مرحوم کی شش ماہی کے فاتحہ میں شرکت کی۔ دوسرے روز کلن میاں کو تلاش کرایا اور ان مرثیوں کے بستے کا حال معلوم کیا۔ مگر انھوں نے آئیں بائیں شائیں کے سوا کوئی معقول جواب نہ دیا۔ آخر ان کے اہلِ خاندان

کی طرف رجوع کیا۔ مگر کوئی نہ بتا سکا کہ وہ بستہ اور مرحوم کی کتابیں وغیرہ اب کہاں ہیں۔ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور کئی دن مسلسل تگ و دو اور بے نتیجہ کوشش کرنے کے بعد ناکامی سے دل برداشتہ ہو کر لکھنؤ کو واپس چلا گیا۔ اس بستے میں کئی ایسے مرثیے بھی تھے جو میں نے جانسٹھ میں بیٹھ کر کہے تھے اور مرحوم نے اپنے پاس رکھ لیے تھے۔ یہ وہی مرثیے تھے جن کے لیے ڈاکٹر سید صفدر حسین مرحوم ایم اے۔ پی ایچ ڈی اپنی تاریخ "رزم نگاران کربلا" میں لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو نواب سید باقر علی خاں مرحوم سے میرے (نسیم امروہوی) کے کئی ایسے مرثیے بھی ملے جن کی جستجو میں مجھے ڈاکٹر صاحب کے پاس جانا پڑتا تھا۔۔۔ کئی برس کے بعد جب میں قصبۂ گکرولی میں (جانسٹھ سے چار پانچ میل کے فاصلے پر) وہاں کے رئیس اعظم ورریاست رام پور کے چیف منسٹر سید بشیر حسین زیدی (مقیم حال جامعہ نگر دہلی) کے ہاں مجلس پڑھنے کے لیے گیا اور وہاں کل سادات باہرہ کے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ جو مرثیے نواب سید باقر علی خاں مرحوم کی تحویل میں تھے وہ سب ان کے صاحبزادے کلن میاں نے تتر بتر کر دیے اور اب وہ ساداتِ باہرہ کی بستیوں کے علاوہ میرٹھ، بجنور، مظفر نگر اور سہارنپور تک جا بجا پھیلے ہوئے ہیں۔

اگرچہ یہ سانحہ ایک طالب مشتاق کا کلیجہ شق کرنے کے لیے خنجر اور بھالے سے کچھ کم نہ تھا، تاہم مایوس دل کو اس پُر امید تصور سے بڑی حد تک تقویت تھی کہ ابھی دادا مرحوم کا مجموعۂ سخن باقی ہے جو بیس سال سے امروہہ میں مقفل ہے۔ اور انشاء مجھے ملے گا، کیونکہ خاندان میں اب تک میرے سوا اس کا کوئی وارث اور اہل پیدا نہیں ہوا۔ اور یہ کہ اب اس کے ملنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ کیونکہ چچا سید سکندر حسین جن کی کم سنی اس بستے کا قفل کھولنے کی راہ میں حائل مانع تھی، اپنی تعلیم ختم کر چکے ہیں۔۔۔ کچھ ہی مدت کے بعد اسی منحوس سال میں

بہ یک وقت امروہہ سے دو خطوط موصول ہوئے۔ ایک برادرم رئیسؔ[1] امروہوی کا اور دوسرا عمِّ محترم مولوی سید محمد نبی[2] صاحب قبلہ کا۔ مضمون دونوں کا (بہ تفاوت الفاظ) یہ تھا کہ:

"حضرت شمیم امروہوی کا جو ادبی سرمایہ مرتضوی کتب خانے میں مقفل تھا۔ اس کا قفل کھولا گیا اور جو کچھ نکلا وہ نصفا نصفی مرحوم کے دونوں بیٹوں، (سید معجز حسین اور سید سکندر حسین) میں تقسیم ہو گیا۔ اور شرعاً محجوب الارث ہونے کا حجاب اس نعمتِ عظمیٰ کے آپ تک پہنچنے سے مانع رہا۔"

یہ خط پڑھ کر آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ دل و دماغ پر جو قیامت گزر گئی الفاظ کے ذریعے اس کا اظہار ممکن نہیں۔ دماغ معطل، دل کی دھڑکن اعتدال سے زیادہ تیز۔ غصے کے مارے آنکھیں لال۔ بار بار آستینیں چڑھاتا اور دانت پیستا تھا۔ ہونٹ تھرتھرا رہے تھے مگر زبان نہیں کھلتی تھی۔ فرطِ اضطراب میں انجام سے منہ موڑ کر امروہہ جانے کے لیے کمر کس لی۔ والدہ مرحومہ جو لکھنؤ میں میرے ساتھ رہتی تھیں، ارادے سے واقف ہو کر آڑے آ گئیں اور اپنے حقوق کے

---

[1] آپ کو کون نہیں جانتا۔ روزنامۂ جنگ کے مدیر اور بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔

[2] آپ، مجموعۂ کلام شمیم کے امین، حضرت الحاج مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ علی اللہ مقامہ (پرنسپل جامعۂ نور المدارس امروہہ) کے فرزند ہیں۔ عمر مبارک تقریباً ۸۰ سال ہے۔ مجھ سے بہت محبت فرماتے ہیں۔ فارسی ادبیات (دیوان حافظ وغیرہ) میں میرے استاد ہیں اور آجکل اے/۴ بلاک ۲، فیڈرل بی ایریا کراچی میں رہتے ہیں۔

واسطے دے کر سفر کو ملتوی کرایا۔ اور قسم لی کہ ان کی اجازت کے بغیر امروہہ نہیں جاؤں گا۔ تعمیلِ حکم تو کی مگر کلیجہ مسوس کر رہ گیا۔ طبیعت کئی دن تک افسردہ رہی یہاں تک کہ فکرِ سخن سے بھی جی اچاٹ ہو گیا۔ جو میری زندگی کا بہترین مشغلہ تھی۔ بقول میرؔ:

گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل ۔۔۔ کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

جب لکھنؤ میں جدید مرثیے کی سالانہ مجلس کا وقت آیا اور حسبِ معمول مولوی مرزا اختر حسین لکھنؤ (حال پیشنماز مسجد امامیہ شہداد پور سندھ) نے مجلس کے سلسلہ میں پوسٹر اور دعوت نامے شائع کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں تو مجبوراً دل پر صبر کی سل اور دماغ پر جبر کا پتھر رکھ کر فکرِ سخن کا آغاز کیا، مگر اس سال کا مرثیہ عزم و عمل کے ولولہ انگیز مضامین کی بجائے نیرنگیٔ عالم اور افسردہ دلی کے اشعار سے بھرا پڑا تھا:

باغِ عالم کو سدا رنگ بدلتے دیکھا ۔۔۔ کسی گل رو کو نہ یاں پھولتے پھلتے دیکھا
دن کو چڑھتے کبھی دیکھا کبھی ڈھلتے دیکھا ۔۔۔ رات آئی تو ہر اک شمع کو جلتے دیکھا

اف رے دنیا تجھے دوزخ سے فزوں آگ لگے
دن تو سورج سے تپے رات کو یوں آگ لگے

اس مقام پر میں نے جو کچھ عرض کیا، وہ ارادی کوشش نہیں۔ بس قلم اٹھاتے ہی کچھ ایسا محسوس ہوا کہ جذبات و تاثرات کی ایک متحرک تصویر ہے جو خود بخود چشمِ باطن کے سامنے سے گزر رہی ہے۔ جس کا ہر نقش اضطراب انگیز ہے اور ہر عکس شعلہ ریز!

تو مپندار کہ ایں نوحہ زخود می گویم
گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

الحاصل میرے چھوٹے چچا سید سکندر حسین اپنے حصّے کا کلام شمیم اپنے ساتھ لے کر بہ سلسلۂ ملازمت (محکمۂ تعلیم) حیدر آباد دکن چلے گئے اور پھر وظیفہ یاب ہونے تک وطن واپس نہ آئے۔ اس لیے یہ پتا نہ چل سکا کہ ان کے حصے میں جو کلام آیا تھا وہ کس مصرف میں آیا۔ چچا مرحوم اگرچہ خوش فکر شاعر تھے اور داغ کے رنگ میں غزل کہتے تھے:

جیتا ہوں تو کہتے ہیں کہ مرجا جو وفا ہے   مرتا ہوں تو کہتے ہیں جفاؤں سے ڈرا ہے

مگر مرحوم کو مرثیہ خوانی یا مرثیہ گوئی کا ذوق وشوق نہ تھا۔ غالباً یہ کلام انھوں نے حیدرآباد کے باذوق افراد کو دے دیا ہوگا — جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا — نیت نیک تھی کہ باپ کا کلام ضائع نہ ہو اور مجالس میں پڑھا جائے۔ چنانچہ حیدر آباد کے جو لوگ کراچی کے فیڈرل بی ایریا بلاک ۲۰ میں اور دوسرے مقامات پر مقیم ہیں۔ ان کی زبان سے اکثر دادا مرحوم کا کلام سننے میں آتا ہے جو میں نے اس سے پہلے کسی اور سے نہیں سنا اور مقطع سے یا ذاکر کے بیان سے اس بات کا تعین ہوتا ہے کہ یہ فرزدقِ ہند کا کلام ہے۔

تائے جی (سید معجز حسین مرحوم) نے اپنے حصّے کا کلام اپنے بڑے بیٹے سید منظور حسین مرحوم کو سونپ دیا۔ جو تحت اللفظ خوانی کرتے تھے اور دلنشین انداز میں پڑھتے تھے۔ انھوں نے یہ فن اپنے چچا (یعنی میرے والد مرحوم) سے سیکھا تھا۔ دادا مرحوم کے کلام اور والد مرحوم کی خواندگی کے شائقین انھیں دور دراز مقامات سے مجلسوں میں بلواتے تھے۔ تقریباً زندگی بھر یہی ان کا ذریعۂ معاش بھی رہا۔ انھوں نے دادا مرحوم کا کچھ کلام اپنی مقبولیت اور مانگ میں اضافے کے لیے اور کچھ نذرانے یا تحائف کے عوض متعدد شائقین کو دیا چنانچہ ۱۹۳۶ء میں احمد علی محمد علی (بڑی دوکان والے) لکھنؤ کے اخبارات سرفراز و نظارہ میں

میری مرثیہ گوئی اور مجلس کے اذکار پڑھ کر سارنگپور مالوہ سے میرے پاس لکھنؤ تشریف لائے اور ایک ہفتے سے زیادہ یہمان رہے۔ وہ اپنے شہر کے جماعت خانے کی مجلسوں میں دادا مرحوم کے مرثیے پڑھتے تھے۔ جو انھیں سید منظور حسین صاحب مرحوم سے حاصل ہوے تھے۔ میرے پاس ان کے تشریف لانے کی غرض بھی یہ تھی کہ وہ مجھ سے میرے چند مرثیے حاصل کریں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ملّا صاحب اب تک بقیدِ حیات ہیں اور ان کا پتا ہے "بڑی دوکان والے، سارنگپور، مالوہ"۔ پاکستان میں بھی میرے پاس تشریف لا چکے ہیں۔ عباسی پریس (فریر روڈ کراچی) کے منتظمین سے ان کی قرابت یا قربت ہے۔ جب یہاں آتے ہیں انھیں کے یہاں ٹھہرتے ہیں۔ ملّا احمد علی نے یہ بھی بتایا کہ ان کے وطن میں ملّا محسن علی بھی (جو اب مرحوم ہو چکے ہیں) حضرت شمیم کے مرثیے پڑھتے تھے اور یہ مرثیے انھیں سیّد منظور حسین صاحب مرحوم سے حاصل ہوے تھے۔ دادا مرحوم کے کچھ مرثیے میں نے ملا کیکا بھائی صالح بھائی رائق (گلشن نجمی بوہیرا) کے پاس اُجّین میں اور تیس چالیس مرثیے سیٹھ ملا نذر علی بھائی (ٹھیکیدار جی آئی پی ریلوے) کے پاس رتلام میں دیکھے۔ یہ ۳۸-۳۹ء کا قصہ ہے۔ جب میں بوہرہ حضرات کی دعوت پر مجالس پڑھنے کے لیے اس علاقے میں گیا تھا۔ یہ سب کلام بھی انھیں بھائی سیّد منظور حسین مرحوم سے ملا تھا۔

اس کے علاوہ امروہہ کے ذاکروں اور نثر خوانوں کے پاس بھی دادا مرحوم کے کلام کا کافی ذخیرہ تھا اور اب بھی ہوگا۔ تقریباً سو یا اس سے زائد مرثیے مصنّف "مرثیہ نگاران امروہہ" نے مقامی حضرات سے حاصل کیے اور ان کی تحقیق کے مطابق ابھی ڈیڑھ سو مرثیے اس مصرع کا مصداق ہیں:

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

کراچی میں بھی مرحوم کا بہت سا کلام مذکورہ بالا ذرائع سے کسی نہ کسی طرح پہنچا۔ چنانچہ تقریباً سو مرثیے عزیزم الحاج سید ضمیر اختر نقوی سلمہٗ (فیڈرل بی ایریا کراچی) اور علامہ طالب جوہری سلمہٗ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں یہ مرثیے ان حضرات نے جناب اعجاز عباس رضوی سے حاصل کیے ہیں اسی طرح فیڈرل بی ایریا کراچی میں امروہہ کے جناب علی امام نقوی کے پاس بھی مرحوم کے کلام کا کچھ ذخیرہ ہے جس پر وہ کام کر رہے ہیں۔

لاہور میں ڈاکٹر سید صفدر حسین مرحوم کے پاس بھی شمیم صاحب کا کلام تھا۔ جیسا کہ ان کے بیان (مندرجہ رزم نگاران کربلا) سے اور پھر ان کے ذخیرہ کتب کی شائع شدہ فہرست سے اندازہ ہوتا ہے۔ وہیں انجمن حمایت الاسلام کے دفتر میں ایک بزرگ ندیم بدایونی مرحوم کلرک کی اسامی پر کام کرتے تھے۔ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی نے بیان کیا کہ وہ شمیم صاحب کا کلام مجلس میں پڑھتے تھے اور ان کے پاس اتنا ذخیرہ تھا کہ ہر سال کئی عشرے پڑھ لیا کرتے تھے۔

مرثیوں کے علاوہ مرحوم کا دوسرا کلام بھی جوان کے بستے میں تھا، نہ جانے کس صرصر حادثہ کی نذر ہو گیا۔ جب میں امروہہ میں دادا کے باقیات سخن کی تلاش میں غرق تھا تو حیدر بخش مرحوم (محلہ کٹڑہ غلام علی) سے مرحوم کا ایک منظوم ڈراما "لیلا مجنوں" دستیاب ہوا تھا۔ رام پور میں سید صابر حسین (ابن سید ذاکر حسین) امروہوی ثم رام پوری سے ہجویات کے ڈھائی تین سو اوراق (بہ شکل مسودہ) ملے تھے۔ ایک دن رام پور کے بازار نصر اللہ خاں میں فٹ پاتھ کے ایک کتب فروش سے ایک واسوخت ملا تھا جس میں ان حکیم صاحب کی ہجو ہے جنھوں نے جنگ آزادی (غدر ۱۸۵۷ء) کے موقع پر دلی کے آخری مغل بادشاہ "بہادر شاہ ظفر" سے بے وفائی برتی تھی اور انگریزوں کی مخبری کے فرائض انجام دیے

تھے۔ یہ سب کلام میں نے پاکستان پہنچنے کے بعد جناب ممتاز حسن مرحوم سکریٹری وزارت مالیات پاکستان کے مشورے اور تعاون سے نیشنل میوزیم کراچی میں محفوظ کرا دیا تھا۔

ہجویات کے سلسلے کا کافی ذخیرہ (کم و بیش ایک ہزار اوراق) جناب سیّد محمد رشید (جعفر منزل، امین آباد لکھنؤ) کے کتب خانے کی زینت ہے جس کے حصول کے لیے موصوف سے خط و کتابت ہو رہی ہے۔

۱۹۵۰ء میں جب کہ میں اورینٹل کالج رام پور میں فارسی کا پروفیسر تھا، ایک دن مولانا سید انصار حسین صاحب مرحوم (آف کندرکی ضلع مراد آباد) نے فرمایا کہ ان کے پاس شمیمؔ صاحب کا ایک منظوم قلمی نسخہ بہ زبان فارسی، عربی علم نحو کے موضوع پر وطن کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ جس کا ایک شعر یہ ہے:

دلے چو موجد نحو است شاہ خیبر گیر　　　شمیمؔ نام رسالہ نہاد "نحو امیر"

اس کے بعد میں یکایک پاکستان چلا آیا۔ مولانا وہاں وفات پا گئے۔ رسالہ ان کے کتب خانے میں رہ گیا۔ شاید اب بھی ہو۔

[نوٹ: اپنی ابتدائی زندگی کے جو حالات اور واقعات مجھے درج کرنا تھے، اور جن کے جاننے والے سب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں، اس مقام پر اختتام پذیر ہوئے۔ اب ذیل میں جن عنوانات پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے وہ تادمِ تحریر کی مدت کو محیط ہیں]

مخلوطات

تاریخ مرثیہ نگاران امروہہ کے فاضل مصنف (عظیم امروہوی) نے دادا مرحوم کے تذکرے میں صفحہ ۱۵۶ پر لکھا ہے:

جو مراثی شمیم امروہوی کے نامکمل تھے، وہ ان کے پوتے

---

۵ حکیم احسن اللہ جو بہادر شاہ ظفر کے خسر تھے۔

نسیم امروہوی نے بعد کو مکمل کیے۔ کچھ ذاکرین (تحت اللفظ خواں) نے اپنے پڑھنے کی مناسبت سے شمیم، برجیس اور نسیم کے مراثی کو خلط ملط کر دیا۔"

اس تبصرے کا پہلا ٹکڑا جس میں نامکمل کو مکمل کرنے کا ذکر ہے، یقیناً مصنفِ مذکور کی محققانہ کارکردگی میں اہمیت کا حامل اور دادِ تحسین کے قابل ہے۔ حیرت ہے کہ انھوں نے اپنے ذوقِ تجسس سے ایک ایسی حقیقت کا پتہ کیسے چلا لیا جس سے میرے اور نواب سید باقر علی خاں فہیم (آنت جالنٹھ) یا ان کے خانوادۂ عالیہ کے بعض افراد کے سوا کوئی واقف نہ تھا۔ موصوف نے اپنی یہ کتاب نواب صاحب کی وفات سے کئی سال کے بعد مرتب کی ہے۔ اس لیے انھیں مرحوم سے براہِ راست معلومات ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ اور مجھ سے بھی انھوں نے اس سلسلے میں کوئی خط و کتابت نہیں کی۔ پھر کیسے جان گئے کہ یہ سب کچھ ہوا ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ انھوں نے محققِ رثائیات ڈاکٹر سید صفدر حسین ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی کی تاریخ "رزم نگارانِ کربلا" میں یہ ذکر پڑھا کہ ــــــ شمیم صاحب کا بستہ[1] نواب سید باقر علی خاں فہیم امروہہ سے جالنٹھ لے گئے تھے ــــــ اور اس کے بعد موصوف ان مرثیوں کی تلاش میں جالنٹھ گئے ہوں اور وہاں کے بعض باخبر لوگوں سے وہ واقعات سنے ہوں جو ۶۶ برس گزرنے کے بعد میں نے پہلی بار "جالنٹھ میں مشقِ سخن" کے عنوان سے زیرِ نظر کتابچے میں قلمبند کیے ہیں۔ بہر حال ان کی تحقیق معتبر اور قابلِ ستائش ہے۔

گفتگو کو آگے بڑھانے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اول پس منظر

---

[1] بستے کی ایک نقل

کے آئینے میں ان حقائق کا مشاہدہ کیا جائے جو مذکورہ صورتِ حال پیدا ہونے کا موجب ہوئے یا ہو سکتے ہیں۔ میرے نزدیک اس خلط ملط کے تین اسباب ہیں:

۱۔ تحت اللفظ خواں اصحاب نے ایک بحر کے مراثی شمیم و برجیس و نسیم کے چیدہ چیدہ بند منتخب کر کے اپنے پڑھنے کے لیے ایک معجون مرکب مرثیہ مرتب کیا اور اسے اپنے بستے میں اس ڈھنگ سے لکھ کر محفوظ کر لیا جس طرح ایک مسلسل مرثیہ لکھا جاتا ہے۔

۲۔ نواب سید باقر علی خاں فہیم نے دادا مرحوم اور والد مرحوم کے نامکمل مرثیے جو ان کے پاس محفوظ تھے، راقم الحروف سے مکمل و مرتب کرائے جس کے بعد میرے کم و بیش ستر اسی بند ان تینوں مرثیوں میں محفوظ ہوئے (دیکھیے جالنسٹھ میں میری مشقِ سخن)

۳۔ نواب صاحب نے دادا مرحوم کے ۱۴ مرثیوں میں اپنی ذاکری کی ضرورت کے اعتبار سے دس بارہ بند یا بیس بند فی مرثیہ کا مجھ سے اضافہ کرایا (جیسا کہ اس کی تائید میں دو واقعات۔ قاری کلامِ انیس جناب سید سبط حسن انجم، کراچی اور جناب محمد عالم زیدی، خیر پور کے حوالے سے گزشتہ اوراق میں پیش کیے جا چکے ہیں) اس طرح مجموعی طور پر میرے تقریباً دو سو بند دادا مرحوم کے ان ۱۴ مراثی میں شامل ہوئے (دیکھیے جالنسٹھ میں میری مشقِ سخن)

اب ان تینوں صورتوں کے خلط ملط پر اس زاویۂ نگاہ سے غور کیا جائے کہ اس کا کوئی تدارک ممکن ہے یا نہیں! اور اگر ممکن نہیں تو تحقیق و تنقیح اور نقد و تبصرہ کرتے وقت کس طرح جانچا اور پرکھا جائے کہ کون سا کلام کس کا ہے؟

صورتِ اول کے خلط ملط کی صحیح صورتِ حال نہ کسی کو معلوم ہے، نہ کوئی

معلوم کر سکتا ہے۔ کیونکہ برصغیر پاک و ہند میں صدہا تحت اللفظ خواں ہیں اور خدا جانے کس کس نے کیا کیا خلط ملط کیا ہوگا! اب یہ اُن خلط ملط کرنے والے ذاکرین کا اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اپنے مخلوطوں میں کوئی ایسی علامت بنادیں جس سے ان کے مخلوطے کی نقل حاصل کرنے والے اصحاب اور بعد کی نسلوں کے افراد کو حقیقتِ امر کا حال معلوم ہو سکے۔

دوسری صورت کے تحت جو خلط ملط ہوا وہ تین متعین مرثیوں تک محدود ہے: (۱) والد مرحوم کا نامکمل مرثیہ، جو نواب صاحب کے ایما سے میں نے مکمل کیا تھا اور جس کا مطلع یہ ہے ـــ جب اہل بیتِ نبی شہر شام میں آئے ـــ (۲) دادا مرحوم کا وہ مرثیہ جس کا رجز عربی کے ایک بند سے شروع ہوا ہے اور جو بحر رمل میں ہے (۳) دادا مرحوم کا وہ مرثیہ جس میں حبیب ابن مظاہر کا حال ہے اور جو بحرِ مضارع میں ہے۔ اس مرثیے میں دوسرے نامکمل اجزا کی تکمیل کے ساتھ پہلوان کی جنگ بھی نظم کی گئی تھی۔ اس طرح مجموعی طور پر میرے کہے ہوئے ستر اسّی بند ان تین مراثی میں مخلوط ہوئے۔ (دیکھیے زیرِ نظر سوانح میں، جانشیں میں میری مشقِ سخن) تیسری صورت میں جو خلط ملط ہوا وہ دادا مرحوم کے چودہ مرثیوں سے تعلق رکھتا ہے جن میں نواب صاحب کی ضرورت، خواہش اور اصرار کی بنا پر متعدد بند اضافہ کیے گئے ہیں۔ یہ اضافے نواب صاحب کے لیے مختص تھے۔ نگران کی ذات کے بعد (ان اسباب کے تحت جو شمیم مرحوم کے سرمایۂ ادبی کی بربادی کے عنوان سے ان سوانح میں درج کیے گئے ہیں) دوسرے تحت اللفظ خواں حضرات اور شائقینِ سخن تک پہنچ گئے۔ اگر یہ سب مرثیے میرے سامنے ہوں تو میں بہ یک نظر بتا سکتا ہوں کہ کون سے بند اضافی ہیں، لیکن صورت موجود ہیں، جبکہ یہ مرثیے پیشِ نظر نہیں اور ان کا دستیاب اور

یکجا ہونا بھی امکان سے باہر ہے تو دریں صورت اس کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے کہ اضافی بندوں کو بھی یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ دادا مرحوم ہی کے ہوں گے۔ البتہ ریاض شمیم (۷ جلد) میں سے کسی جلد میں کوئی مرثیہ چھپا ہو تو اپنے مخلوطے سے اس کا مقابلہ کر لیا جائے۔ اور جو بند قلمی نسخے میں مطبوعہ سے زیادہ نظر آئیں ان پر کوئی ایسی علامت بنا دی جائے جس سے قاری و ناظر کو یہ معلوم ہو سکے کہ یہ بند راقم الحروف کے اضافہ کیے ہوئے ہیں۔

ان تینوں صورتوں کے مخلوطات کا مطالعہ کرنے والے ارباب ذوق اور نقادان سخن سے التماس ہے کہ اگر وہ ایک نکتہ ملحوظ رکھیں گے تو بڑی حد تک اس دشواری کا حل نکل آئے گا جو تخلیط سے پیدا ہو گئی ہے، اور یہ وہی نکتہ ہے جو میں نے اس ضمیمے میں "ایک نئی راہ سے مشق سخن" کے ضمن میں درج کیا ہے اور جس کا ماحصل یہ ہے کہ دادا مرحوم مرزا دبیر اعلی اللہ مقامہ کے رنگ میں فکر سخن کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے تھے[1] اور میں اس کے برخلاف میر انیس مرحوم اعلی اللہ مقامہ کی سلاست اور دروبست الفاظ کے نقش قدم پر گامزن ہونے کو اپنے لیے موجب فخر خیال کرتا ہوں، بنا بریں مخلوطات کا جو حصہ مرزا صاحب کے رنگ میں ہو وہ بلاشبہ دادا مرحوم کا ہے، مگر جس حصے میں میر انیس کی جھلک دکھائی دے وہ میری کاوش کا نتیجہ ہے۔

اس مقام پر یہ لکھ دینا بھی ضروری ہے کہ میں نے اب تک کل ۲۲۷ مرثیے کہے ہیں۔ جن میں زیادہ سے زیادہ گیارہ رزمیہ ہیں، باقی سب ایسے موضوعات

---

[1] اس ذیل میں مرحوم کے مفتخرانہ اشعار "ایک نئی راہ سے مشق سخن" میں مندرج ہیں۔

اسالیب سے مرتبع ہیں جو انیسویں صدی یا بیسویں صدی کے آغاز میں رائج نہ تھے (خود ادام حوم کی حیات اور فکرِ سخن کا دور رہے) بنابریں میرے ۲۱۶ مرثیے مخلوطات کی زد سے بہر حال خارج اور محفوظ ہیں۔ باقی گیارہ مرثیوں کے تھوڑے یا زیادہ بند کسی مخلوطے میں محفوظ ہو جانے کا ___ سماعت کی یادداشت یا رنگ سخن سے ___ اہلِ ذوق کو اشتباہ ہو تو وہ براہ راست مجھ سے یا میرے بیٹے قسیم بن نسیم سے یا میرے فرزند معنوی ڈاکٹر ہلال نقوی سے (جس تک بھی رسائی میں سہولت ہو) جلد تر رجوع فرمائیں تاکہ کلام غلط ملط سے پاک ہو جائے۔ اور اگر یہ ایسے بند ہوں جو میری کسی جلد میں شائع ہو چکے ہیں تو فیصلہ کریں کہ یہ بند میرے ہیں اور ان کا مخطوطہ اس جملے کا مصداق ہے جو تاریخ "مرثیہ نگاران امروہہ" نے تحقیق و تجسس کے بعد لکھا ہے۔ دریں صورت بھی مجھ سے یا مذکورہ بالا دونوں نوجوان شاعروں سے تحقیق فرمالیں تو فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

اگرچہ اس بحث طلب موضوع میں اضاعت وقت سے محفوظ رہنے کے لیے علی سبیل التنزل مذکورہ چند سطور لکھ دی گئی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ خاندانی شعرا کے کلام کی چھان بین میں اکثر نفس الامری صورت واقع کی کھوج لگانا امکان سے باہر ہوتا ہے اور اگر کوئی اہلِ قلم اس کے درپے ہو تو وہ اپنا بہت سا وقت خرچ کرنے کے بعد بھی منزل پر نہیں پہنچ پاتا۔ علامہ شبلی صاحب ذوقِ سلیم بھی تھے اور نکتہ رس محقق بھی۔ انھوں نے زیرِ نظر موضوع کے تحت میر خلیق اور میر انیس (باپ بیٹے) کے مشتبہ معاملے میں کتنی تحقیق نہ کی ہوگی۔ مگر آخر کار وہ ایک ایسے نتیجے پر پہنچے جو میرے نزدیک "بے نتیجہ" ہے۔ فرماتے ہیں:

"میر نواب صاحب نامی ایک بزرگ نے جو میر خلیق کے بہ یک واسطہ شاگرد تھے ۱۸۷۹ء میں بمقام گلبرگہ حیدرآباد دکن میں ایک مجموعہ چھپایا تھا جس میں میر خلیق، میر مونس اور میر انیس کے چند مرثیے جمع کیے تھے۔ اس میں میر خلیق کے متعدد مرثیے ہیں لیکن اکثر وہ ہیں جو آج میر انیس کے نام سے مشہور ہیں اور جو میر انیس کے چھپے ہوئے مرثیوں میں شامل ہیں" (موازنۂ انیس و دبیر صفحہ ۱۸)

ادبیات کے ایک اور مورخ ثابت لکھنوی رقمطراز ہیں:

"میر خلیق کے مرثیوں کی کوئی جلد نہیں چھپی۔ اب سوال یہ ہے کہ ان کے مرثیے کہاں مر گئے؟ . . . نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض مرثیے جو آج میر انیس کے نام سے مشہور ہیں وہ درحقیقت میر خلیق مرحوم کی تصنیف ہیں" (حیات دبیر، ۲۸۳)

میر خلیق اور میر انیس کے مراثی میں خلط ملط ہونے کے موضوع پر کئی مورخین ادب نے بحث کی ہے ___ شبلی نے موازنۂ انیس و دبیر میں۔ حامد حسین قادری نے تاریخ مرثیہ گوئی میں۔ ڈاکٹر اکبر حیدری نے اودھ میں اردو مرثیہ کا ارتقا میں۔ ثابت لکھنوی نے حیات دبیر میں۔ اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے لکھنو کا دبستان شاعری میں ___ ان مورخین کی اکثریت نے اس بات پر زور دیا ہے کہ میر خلیق کے مراثی میر انیس کے مخطوطہ و مطبوعہ کلام میں شامل ہیں۔ لیکن تاریخ ادب کے ان معتبر اور ثقہ بزرگوں کے پے درپے بیانات کے بعد بھی ان دونوں بزرگوں (خلیق و انیس) کی شاعرانہ عظمت اور مرتبہ و مقام میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ میر خلیق میر خلیق ہیں اور میر انیس میر انیس۔

ایک گھرانے کے شاعروں کے کلام میں اس نوع کا خلط ملط کوئی تعجب خیز اور قابل گرفت امر نہیں۔ ایک مرثیہ ــــ نمکِ خوانِ تکلّم ہے فصاحت میری ــــ صدفی صد میر انیس کی زبان میں ہے اور مطبوعہ مراثی میں شامل ہے مگر لکھنؤ کے خواص و عوام بلکہ خاندان کے بعض افراد کی زبان سے بھی میر سلیس کی طرف اس کا انتساب میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ اس مرثیے کی یہ بیت:

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیّاحی میں　　پانچویں پشت ہے شبّیر کی مدّاحی میں

یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس کا مصنّف اپنے خاندان کا بلا فصل پانچواں ــــ مدّاح ــــ (نہ کہ محض شاعر) ہونا چاہیے خصوصاً اس لیے کہ اوپر کے چار مصرعوں کی ردیف ہی "مدّاح" ہے اور مصنّف نے "مدّاح ہونے پر" ہی فخر کیا ہے۔ میر انیس کے پردادا (یعنی میر ضاحک کے والد) میر امامی اوسط درجے کے شاعر تو تھے، مگر "مدح اور مدّاحی" سے انھیں کوئی لگاؤ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لکھنؤ کے صد سالہ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ عمر کے ایک جیّد عالم مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ مجتہد العصر نے اپنے ایک مضمون میں ضاحک ہی کو میر انیس کا مورث اعلیٰ قرار دیا ہے۔ غالباً اس لیے کہ اس جگہ مصنّف جس ورثے پر نازاں ہے وہ اسے میر ضاحک سے ملا ہے۔ میر امامی سے نہیں ملا۔ بنا بریں میر انیس مدّاحوں کی چوتھی پشت میں ہوئے۔ اب یہ مرثیہ بالفرض میر انیس کا ہو یا میر سلیس کا، اور چاہے جس کے نام سے پڑھا جائے یا چھپے، اس سے میر انیس یا ان کے بیٹے میر سلیس کی اہمیت اور عظمت میں

سہ عنوان، میر ببر علی انیس مرحوم و مغفور، مطبوعہ دبستان انیس راولپنڈی

کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دونوں باپ بیٹے شرعاً، قانوناً اور فطرۃً ازلی وابدی وابستگی کی بناپر ایک دوسرے کی چیز اپنا لینے کے مجاز ہیں۔

میری غزل گوئی

"تغزّل" وہ ہے جو سچ مچ اس دائرے اور ان حدود میں ہو جو "فطرت" اور "واردات فطرت" نے اس کے لیے مقرر کر دی ہیں اور وہ معانی و بیان کی کسی کتاب میں نہیں، بلکہ قدرت کی عطا کی ہوئی اس کتاب میں ملتی ہیں، جس کے لیے جناب علی مرتضیٰ علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَاَنتَ الکِتَابُ المُبِینُ الَّذِی　　بِاَحرُفِہٖ یَظھَرُ المُضمَرُ

یعنی اے انسان! تو خود ہی وہ روشن "کتاب" ہے جس کا ایک ایک حرف قدرت کے ثمرات سے لبریز ہے ـــــ مشرقی ادب میں اس تغزل کا بہترین نمونہ اہلِ عرب کا کلام ہے۔ خصوصاً "زمانۂ جاہلیت" کے شعرا نے اس تغزل کو خوب برتا ہے۔ اگر اس معیار کا تغزل ہو تو کیا کہنا! ـــــ "زمانۂ جاہلیت" کی قید اس لیے لگائی گئی کہ اس کے بعد اہلِ عرب کا تغزل بھی اپنے مرکز اور نقطے سے ہٹ گیا اور وہ بھی اہلِ عجم و اہلِ ہند کی تخییل سے متاثر ہونے لگے۔ متنبّی کہتا ہے۔

وَلَو قَلَمٌ اُلقِیتُ فِی شَقِّ رَاسِہٖ　　مِنَ السُّقمِ مَا غَیَّرتُ فِی خَطِّ کَاتِبٖ

یعنی [میں ہجرِ محبوب میں اتنا لاغر ہو گیا ہوں کہ] اگر مجھے قلم کے قط میں پرو دیا جائے تو اس سے کاتب کی تحریر میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کے بعد دوسرا شعر یہ ہے:

اَرَاکِ ظَنَنتِ السِّلکَ جِسمِی فَعُقتِہٖ　　عَلَیکِ بِدُرٍّ عَن لِقَاءِ التَّرَائِبِ

یعنی [اے محبوبہ] میرا خیال ہے کہ تو نے اپنے ہار کے ریشمی دھاگے کو میرا جسم (لاغر) تصوّر کر لیا اور اس غرض سے تو نے اس میں موتی پرو دیے تاکہ

میرا جسم تیرے سینے سے مَس نہ ہو جائے۔

اردو میں ایک طویل زمانہ ایسا گزرا جس میں اسی نوع کے تغزل کو مقبولیت حاصل تھی۔ ایک دَور ایسا بھی آیا جس میں سوز و گداز اور بے مصرف رونے دھونے کو پسند کیا گیا ____ یہ ضرور ہے کہ اس دَور میں بعض حسّاس شعرا نے "واردات" کی طرف بھی رُخ کیا، مگر اکثریت انھیں مضامین کی رہی جن کی تنقیص میں قرآنِ پاک نے "فِی کُلِّ وَادٍ یَّھِیمُوْنَ" ارشاد فرمایا ہے۔ ایک زمانے میں فلسفیانہ خیالات کا زور رہا۔ مگر یہ بھی قرآن و حدیث کے فلسفے سے وابستہ نہ تھے۔

موجودہ دَور میں "غزل" نام کی جو نظیم رائج ہوئی وہ یا تو ایک نئے اسلوب میں مذکورہ ادوار کا پَر تو ہوتی ہے یا خرمن در خرمن ایسی تخیل ہوتی ہے جس میں معاشیات، غریب کی حمایت، مزدور کی سرپرستی، سرمایہ اور پرستشِ زر سے نفرت اور نہ جانے کیا کیا ہوتا ہے مگر "تغزل" نہیں ہوتا ____ ان الفاظ سے میری یہ غرض نہیں کہ میں اس مقام پر غزل اور تغزل کی بحث چھیڑنا چاہتا ہوں، بلکہ کہنا یہ مقصود ہے کہ مذکورۂ بالا قسم کے مضامین جو مختلف ادوار کی غزل میں ہوتے ہیں، میری فطرت کے رجحان سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتے۔ میں نے خود کو "محمدؐ و آلِ محمدؐ" کے اذکارِ قدسیہ سے مختص کر دیا ہے۔ یہ اذکارِ قدسیہ کماحقہٗ، اسی کی زبان سے ادا ہو سکتے ہیں جو "حقیقت" کے دائرے میں محدود ہو جائے ____ اس جگہ "حقیقت" کا لفظ "مجاز" کی ضد کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ خالصتہً "صدق و حق" کے معنی میں ہے۔ میں اپنی ابتدائی زندگی میں جب تک اس "حقیقت" کو اتنا نہیں سمجھ پاتا تھا، جتنا کہ اب سمجھتا ہوں۔ گا ہے گا ہے غزل بھی کہہ لیتا تھا۔ کبھی احباب کی فرمائش سے،

کبھی ماحول کے تقاضے سے (جیسا کہ آگے چل کر اس پر روشنی ڈالی جائے گی) اور کبھی (شاذ و نادر) اپنے دل کی اُپج سے۔ چنانچہ اس زمانے میں بہت سی غزلیں کہیں، مگر (ابتداءً ایک دو دفعہ کے علاوہ) مشاعرے میں غزل سرائی کی سعادت حاصل نہیں کی جس کی وجہ گزشتہ اوراق میں کسی مقام پر لکھ چکا ہوں ــــ میں تغزّل سے بے بہرہ نہیں، مگر اسے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مدح و منقبت سے فروتر سمجھتا ہوں۔ اس لیے حتی الامکان اس سے دُور ہی رہنا چاہتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میرے بستے میں ہر قسم کی نظم محفوظ رکھنے کے لیے ایک مستقل بیاض ملے گی، مگر غزلیات کسی چھوٹی موٹی کاپی میں بھی قلمبند نہیں کیں۔ اس وقت بعض احباب کی فرمائش بلکہ اصرار سے اپنے تغزّل کا ذکر چھیڑا ہے۔ اور بعض دوسرے احباب کی عنایت سے اپنی غزلوں کے کچھ شعر دستیاب کیے ہیں جو قارئین کرام کی دلچسپی کے لیے پیش کر رہا ہوں۔

جناب کریم بخش خالد (ڈائرکٹر محکمۂ اطلاعات) نے تاریخِ خیرپور (مطبوعہ ۱۹۵۵ء) کے صفحہ ۱۹۶ پر میری ایک غزل کہیں سے حاصل کر کے درج کی ہے:

مرنے کی آرزو میں جیے جا رہا ہوں میں
منزل کو ساتھ ساتھ لیے جا رہا ہوں میں

ہنس ہنس کے زہرِ غم کو پیے جا رہا ہوں میں
ساقی کا احترام کیے جا رہا ہوں میں

اے چشمِ مست ا دعوتِ بادہ کشی نہ دے
یہ اشکِ غم نہیں کہ پیے جا رہا ہوں میں

ترجیح دے کے غم کو نشاطِ دوام پر
قسمت سے انتقام لیے جا رہا ہوں میں

اے جانِ آرزو ابھی یہ بھی خیال ہے
دشمن کے در پہ تیرے لیے جا رہا ہوں میں

وہ اور پاسِ وعدہ؟ یہ ممکن نہیں۔ مگر
ضد ہے کہ انتظار کیے جا رہا ہوں میں

کچھ کم نہیں یہ عالمِ وحشت کے مشغلے
دامن کو چاک کر کے سیے جا رہا ہوں میں

ہر چند عرضِ غم کی سزائیں شدید ہیں
پھر بھی دبی گناہ کیے جا رہا ہوں میں

وہ تو مجھے ہلاکِ غمِ ہجر کر چکے
میرا قصور ہے کہ جیے جا رہا ہوں میں
اُس سنگِ آستاں کو غرض ہو تو خود بڑھے
سجدے تو اپنی دھن میں کیے جا رہا ہوں میں

بیاضِ قصائد کی ورق گردانی میں، مجھے ۱۹۳۱ء کا کہا ہوا ایک قصیدہ نظر پڑا اور اس میں تغزل کے چند اشعار ملے۔ اوّل تغزل کی طرف گریز کے دو شعر سُنیے:

بڑھی اُس[1] در سے رعنائی صفا کے سنگریزوں کی
ہوا اس علیؑ[2] لال سے روشن خدا کے گھر کا بُت خانہ
جو بتخانے کا ذکر آیا تو دل بولا غزل پڑھیے
چراغِ عشق کو دینے لگا، جلتا ہے پروانہ
بقدرِ آرزوے شوق کعبہ ہے نہ بتخانہ
نہ اصلِ آب و گل ہے اشکِ بلبل، خاکِ پروانہ

یہ کس کی آرزوے دید ہے اے ذوقِ دیوانہ
نگاہِ شوق میں خود منعکس ہے حُسنِ جانانہ
چمن میں ہوں تو بلبل ہوں جو صحرا میں تو دیوانہ
ترانے ہیں تو رنگیں ہیں جو نالے ہیں تو مستانہ
طلب کی منزلوں میں دانش و دیوانگی برحق
مگر جو اُن کا طالب ہے نہ دیوانہ نہ فرزانہ
یہ عشق اللہ اکبر! عشق کی نیرنگیاں توبہ!
کبھی جانانِ جاناں ہے، اور کبھی ہے جانِ جانانہ

---

[1] نور رسالتمآبؐ [2] حضرت علیؓ

مرا ذوقِ تماشا خود تجلّی در تجلّی ہے!
سجایا ہے نگاہِ شوق نے کیا آئینہ خانہ
اسی حسرت میں مرتا ہوں، اسی ارماں میں جیتا ہوں
مجھے اپنی زباں سے وہ بھی کہہ دیں اپنا دیوانہ
بہت دن ہو گئے ہیں امتحانِ سوزِ پنہاں کو
حضورِ شمع پروانے نے بھیجا ہے یہ پروانہ
وہ اک ننھا سا دل اور اللہ اللہ اتنی گنجائش!
وفا کی ایک دنیا اور ذرا سا قلبِ پروانہ!

جناب جون ایلیا نے "نسیم امروہوی کا علمی پس منظر" کے عنوان سے میری مرثیہ گوئی کی "گولڈن جوبلی" منعقدہ ۱۹۷۴ء میں جو تقریر کی تھی اس میں موصوف نے میری غزل گوئی سے متعلق بھی کچھ کہا تھا۔ اس کا اقتباس درج ذیل ہے:

"تو بھائی بات غزل کی آ گئی (نسیم صاحب کی طرف مڑ کر) مولانا شاید آپ کو اپنے وہ اشعار یاد نہ ہوں۔ کچھ شعر جو متفرق غزلوں کے مجھے مل سکے، زمانے کی دست بُرد سے:

کیا جو غور تو سمجھا نہ جانے کیا ہوں میں
نہ کچھ سمجھنے پہ سب کچھ ہو گیا ہوں میں

اب میرا خطاب مولانا سے نہیں ہے! کیونکہ مجھے جھینپ چڑھ رہی ہے۔ مولانا سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کیا بکواس شروع ہو گئی:

سمجھ کے نقشِ قدم وہ بگاڑتے ہیں مگر!
مٹانے والوں کے قدموں سے بن رہا ہوں میں
خموش ہوں کہ انا الحق میں ہے انانیت
وگرنہ اپنے میں کچھ وصف دیکھتا ہوں میں
گزر رہے ہیں مرے قلب پر مصائبِ دہر
جو عمر بھر نہ ہوا طے وہ راستا ہوں میں
جو صبح ہو تو بتاؤں میں انتظار کی حد!
ابھی تو رات کے تاروں کو گن رہا ہوں میں

ایک اور غزل کے چار شعر سنیے:

نگاہوں میں دفتر زبانوں پہ تالے
محبّت کے بھی معجزے ہیں نرالے
محبّت کا مقصد ہے تعمیرِ ہستی
یہ کس نے کہا۔ اپنی ہستی مٹا لے
وہ آگاہِ رازِ جنوں ہی نہیں ہے
جو اپنے جنوں کو تماشا بنا لے
ترے زلف و رُخ کا تصوّر بندھا ہے
تجھے ڈھونڈھتا ہوں اندھیرے اُجالے

ایک اور غزل کے چند شعر سُنا رہا ہوں:

یا تو راہِ عشق میں دل کی کوئی منزل نہیں
یا کوئی منزل بہ قدرِ آرزوئے دل نہیں
ابتدائے عاشقی میں دل بہ قدرِ غم نہ تھا
انتہائے عاشقی میں غم بہ قدرِ دل نہیں

یا یہ عالم تھا کہ منزل تھی مگر مقصد نہ تھا
یا یہ حالت ہے کہ مقصد ہے مگر منزل نہیں
ناخدائے عشق میری ہمّتوں کی داد دے
میں وہاں کشتی ڈبوتا ہوں جہاں ساحل نہیں
انقلاب اے مقصدِ تخلیقِ ہستی انقلاب!
یہ جہانِ آب و گل اب تک مرے قابل نہیں

ایک اور غزل کے پانچ چھ شعر:

جو ملنا چاہتا ہے شاہدِ محشر بداماں سے
نکل جا بزمِ ہستی سے گزر جا حدِ امکاں سے
وہ دنیا دردِ دل والوں کی دنیا ہو نہیں سکتی
مئے عشرت جہاں کھنچتی ہے خونِ گرمِ دہقاں سے
ابھی کچھ رہ گئی ہیں منزلیں تکمیلِ وحشت کی
ابھی آتے ہیں اڑ کر مضطرب ذرّے بیاباں سے
مرے دل کے سفینے کا ابھر کر غرق ہو جانا
مسیحا دار سے دیکھا کیے اور نوح طوفاں سے
جمی ہیں لالہ و گل پر نگاہیں اہلِ دنیا کی
رنگا ہے ہم نے دامانِ نظر خونِ شہیداں سے
رہے کانٹوں میں نازک پنکھڑی گل کی سپر بن کر
کلیجہ خوں ہے پھولوں کا تہذیبِ گلستاں سے

غالب کی زمین میں مولانا کے چار شعر اور یاد آئے:

وہ دل جو منزلِ مقصد ہے خود جہاں کے لیے
بھٹک رہا ہے کسی راہِ بے نشاں کے لیے

حرم میں سجدۂ بت، بت کدے میں طوفِ حرم
مطالبات ہیں کیا کیا کہاں کہاں کے لیے
حرم میں صرف ہوئے، بتکدے کی نذر ہوئے
بچار تجھ کھتے جو سجدے اک آستاں کے لیے
میں خود ہوں خوگرِ آدابِ ضبطِ غم۔ ورنہ
ہزار طرح کے حیلے ہیں اک فغاں کے لیے

ایک اور غزل کے تین شعر یاد آئے:

ہم ہیں وہ برباد جو آئے عدم آباد سے
کچھ بظاہر قید سے ہیں اور کچھ آزاد سے
آشیاں پر گرنے والی برق! دم لینا ذرا
کب بہار آئی ہے اتنا پوچھ لوں صیاد سے
ایک وہ ہیں جن کا دل گھبرائے میرے ذکر پر
ایک میں ہوں دل کو بہلاتا ہوں ان کی یاد سے

اور ہاں مولانا کا ایک شعر ۱۳-۱۴ برس کی عمر کا یاد آیا۔ جو میری یادوں سے پہلے مصوّر حسین نجم مرحوم کے ہاں امروہہ میں مولانا نے مشاعرے میں پڑھا تھا۔ طرح دی گئی تھی:

داغِ دل گر نظر نہیں آتا

نظر قافیہ۔ نہیں آتا ردیف۔ مصوّر حسین مرحوم کہتے تھے کہ مولانا کا یہ شعر حاصلِ مشاعرہ تھا، جبکہ مشاعرے میں کہنہ مشق اور معمر شعراء بھی شریک تھے:

لذّتِ موت بھی ہے کیا لذّت
یہ مزہ عمر بھر نہیں آتا!

(عرفانِ نسیم، ۲۶۴-۲۶۶)

اس غزل کے تین شعر اور مجھے یاد آ گئے:

ہے جو بیگانہ آستاں سے ترے — وہ کبھی راہ پر نہیں آتا
نہ تجلّی نہ رُخ نہ آئینہ — اب تو کچھ بھی نظر نہیں آتا
ہم ہیں اور ان کا سایۂ داماں — اب خیالِ سفر نہیں آتا

جون صاحب نے اپنی تقریر میں غالب کی زمین کے حوالے سے جس غزل کے چار شعر سُنائے اس کا ایک مطلع اور چند اشعار مجھے یاد آ گئے

نہ اِس جہاں کے لیے ہے نہ اُس جہاں کے لیے
جنونِ شوق ہے اک جلوۂ نہاں کے لیے

فروغِ دل کا سبب صرف ایک داغِ فراق
ہزار شمس و قمر ہفت آسماں کے لیے

عجب کہ شاملِ رنگینیٔ بہاراں ہے
خزاں کا رنگ بھی تزئینِ گلستاں کے لیے

دلِ فسردہ کو حسرت ہے داغِ تازہ کی
بہار ڈھونڈھ کے لاؤ کوئی خزاں کے لیے

نہیں ہے محرمِ رسمِ جنوں وہ طائرِ شوق
جسے چمن کی ضرورت ہو آشیاں کے لیے

تعیّنات کی حد سے بَری ہے جلوۂ ذات
کنارہ چاہیے کیا بحرِ بیکراں کے لیے

نہ جانے کب سے ہے ذوقِ طلب میں چشم براہ
رہِ حیات کسی تازہ کارواں کے لیے

میرے لکھنؤ کے ایک شاگرد جناب عبدالحلیم وارثی (سپرنٹنڈنٹ ایر اینڈ اسکائی ڈویژن کراچی) نے اس مقام پر درج کرنے کے لیے میری ایک بہت پرانی غزل راولپنڈی سے بھیجی ہے:

اب کوئی اعتبار کے قابل نہیں رہا / میرا دل ان سے مل کے، مرا دل نہیں رہا
اے دل بیانِ شوقِ فراواں کے واسطے / اک لفظ خاص ہے جو مجھے مل نہیں رہا
طوفاں کو پیچ و تاب کہ طغیانیاں گئیں / ساحل کو ہے سکوت کہ ساحل نہیں رہا
باقی ہے شغلِ بیخودیِ ہجر آج بھی / کیا ہے اگر ہجومِ مشاغل نہیں رہا
بیکار ہی سہی غمِ جاناں، مگر یہ غم / کیا شورشِ حیات میں شامل نہیں رہا
ٹھہرے ہیں مستحقِ تجلی کلیم بھی / اب امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا
رہرو کو راستے کا سلیقہ ہو کس طرح / منزل میں خود قرینۂ منزل نہیں رہا
یہ کیا کہ ہر قدم پہ دکانِ رفو گراں / لیکن کسی کا زخمِ جگر سل نہیں رہا
ہرچند غرقِ تمکنتِ حسن تھا کوئی / پھر بھی نیازِ شوق سے غافل نہیں رہا
اے وضعِ احتیاط جنوں رحم کر کہ میں / اب وضعِ احتیاط کے قابل نہیں رہا
آنکھوں کی سب نمائشی تھیں پردہ داریاں / ہلکا سا اب حجاب بھی حائل نہیں رہا
جب کیوں مرے بغیر وہ محفل نہ سج سکے / اب کیوں میں ان کی بزم میں شامل نہیں رہا
ہر آئنہ حدود کا توڑا نگاہ نے / اب کوئی اُن کا مدِ مقابل نہیں رہا
طوفانِ اضطراب سے بدلا سکونِ دل / ساحل بھی میرے واسطے ساحل نہیں رہا
مرگِ شہید جب سے بنی ہے حیاتِ قوم / میں عاشقی میں موت کا قائل نہیں رہا

گھر میں یہ چرچا سن کر کہ کتاب میں درج کرنے کے لیے غزلیں تلاش کی جا رہی ہیں، برخوردار قسیم بن نسیم سلمہٗ نے ــــ جو میرے سنجھلے صاحبزادے ہیں اور دس بارہ سال سے مرثیہ گوئی کے میدان میں بڑی تیزی سے قدم بڑھا رہے ہیں ــــ میری ایک غزل لاکر دی، جو کئی سال پہلے میرے ایک شاگرد وحید خیال لکھنوی نے (۱۶، عمر روڈ، اسلام پورہ) لاہور سے بھیجی تھی اور برخوردار نے اس خیال سے اپنے پاس رکھ لی تھی کہ اگر مجھے مل گئی تو دیگر غزلیات کی طرح یہ بھی ضائع ہو جائے گی:

فرقِ حضور و غیب سمجھنا محال ہے / کتنی نگاہِ شوق بھی نازک خیال ہے

اے سعیٔ ضبطِ غم یہ ادا بے مثال ہے ہنسنے کو ہنس رہا ہوں مگر جی نڈھال ہے

کیا التجائے لطف جب اپنا یہ حال ہے دامانِ آرزو ہے نہ دستِ سوال ہے

مجھ سے حکایتِ غمِ پنہاں محال ہے یعنی مرا سکوت ہی اب عرضِ حال ہے

صرف اس قدر حقیقتِ ہجر و وصال ہے یہ ہے فریبِ دل وہ فریبِ خیال ہے

باوصفِ ترکِ شوق وہی دل کا حال ہے کیونکر کہوں کہ مجھ سے کوئی بے خیال ہے

اے چشمِ مست! یہ تو خدا کے لیے بتا گرنا محال ہے کہ سنبھلنا محال ہے

مبہم سا اک تصورِ جلوہ تو ہے مگر یہ بھی نہیں خیال یہ کس کا خیال ہے

دل کو گلہ نہیں ستمِ بے پناہ کا تجھ ہے اگر تو عذرِ ستم کا ملال ہے

سب کچھ گنوا کے خونِ جگر پی رہا ہوں میں یہ مفت کی شراب نہیں جو حلال ہے

یہ بھی غلط کہ فطرتِ سائل ہے بے نیاز یہ بھی غلط کہ صورتِ سائل سوال ہے

خوش ہیں وہ میری خانہ خرابی کو دیکھ کر کیا کیا مرے زوال کی شانِ کمال ہے

گر جل گیا نہالِ تمنا تو غم نہیں میں شاد ہوں کہ برقِ نشیمن نہال ہے

یارب مجھے نصیب ہو فرقت کی زندگی
مر مر کے انتظار میں جینا وبال ہے

۳۲-۳۳ء (بلکہ ۳۵ء) تک میری ہر روزہ صحبتوں کے ارکانِ مجلس وہ علماء اور ادیب تھے جو لکھنؤ کی کسی نہ کسی مشہور اور مستند مشرقی علوم کی درس گاہ سے تعلیم یا تعلّم کے طور پر وابستگی رکھتے تھے۔ ان میں اسّی فی صد اصحاب شعر بھی کہتے تھے اور تغزل میں نئے نئے گُل کھلاتے تھے:

گلشن کی اور پھولوں کی بے باغباں خبر اک شعلہ رو نے آگ لگا دی گلاب میں

(مولانا حیدر مہدی زید پوری)

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

(شمس العلما مولانا سبط حسن)

تھک کے پڑ رہنا بھی ہے اک حدِ سعیِ جستجو لغزشِ پا میں نظر آتی ہے اب منزل مجھے

(مولانا ظفر الحسن ظفر[1])

دل ہے اس کی جستجو میں جس کا جلوہ دل میں ہے ڈھونڈھتی ہے خود اسے منزل جو خود منزل میں ہے

اس سے بڑھ کر کیا شہادت ہوگی روز باز پرس منعکس تصویرِ قاتل دیدۂ بسمل میں ہے

(مولانا ابو القاسم[2] سلطان المدارس لکھنؤ)

اگرچہ یہ سب احباب مدح، منقبت اور رثاء کو مشکل ترین صنفِ سخن اور شعر گوئی کی معراج سمجھتے تھے، مگر "معلقاتِ سبعہ۔ متنبی اور حماسہ" کے ہمہ وقتی مطالعے نے ان کے مزاج تغزل کے سانچے میں ڈھال دیے تھے۔ اور جو شاعر غزل نہ کہتا ہو اسے شاعر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ یہاں تک منقبت بھی اس طرح کہتے تھے:

مرے دل کی طرح شق ہو گئی دیوار کعبے کی (حکیم مولانا اقبال لکھنا صدر الافاضل)

ان علماء کے رجحان نے عوام کو بھی تغزل سے لطف اندوز ہونے کا عادی بنا دیا تھا چنانچہ وہ بڑے سے بڑے استادِ فن کے اُس قصیدے یا منقبت کو جس میں تغزل کی چاشنی نہ ہو روکھی پھیکی شاعری سے تعبیر کرتے تھے۔ اس ماحول سے نباہ کرنے کے لیے مجھے تغزل کے کانٹوں میں اُلجھنا پڑا۔ جو کلیتہً ارادی تھا۔ اور میں اسے شعر گوئی کی زندگی میں کوئی مقام نہیں دیتا۔ یہ سب غزلیں جو کلاً یا جزواً زیرِ نظر باب میں درج کی گئی ہیں اسی زمانے اور اسی ماحول کی تخلیق ہیں۔

شعراء اور سامعین کی تغزل پسندی کا یہ عالم تھا کہ مدح و منقبت کی جس نشست میں خالص مدح کا مصرعِ طرح دیا جاتا، وہ یا تو بے کیف رہتی یا شاعر کو کھینچ تان کر کے اپنے اشعار کو تغزل سے آراستہ کرنا پڑتا

---

[1] جو بعد میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے [2] مولانا میری ہجرتِ پاکستان تک مجھ سے مشورۂ سخن کرتے تھے

تھا۔ اس مقام پر جامعہ عربیہ ناظمیہ (لکھنؤ) کی ایک محفل میری نگاہوں میں پھرنے لگی جو میری صدارت میں منعقد ہوئی تھی۔ اور جس میں جناب شمس العلماء مولانا سید سبطِ حسن (اعلی اللہ مقامہٗ) کی منظوری سے یہ مصرع طرح دیا گیا تھا۔ ع

خُدا سے ہے جُدا پھر بھی خدا معلوم ہوتا ہے

جہاں تک مجھے یاد ہے مولانا سید حسن امداد صاحب قبلہ ممتاز الافاضل (مقیم بلاک ۲۰ فیڈرل بی ایریا کراچی متصل دولت کدۂ علامہ رشید ترابی اعلی اللہ مقامہ) بھی اس محفل کے میزبانوں کی صف میں جماعت قابل یا فاضل کے طالب علم کی حیثیت سے شریک تھے۔ بہت سے شعراء منقبتیں اور قصیدے پڑھتے رہے مگر تغزّل کے فقدان سے محفل کی شمع رات بھر کچھ بجھی بجھی سی رہی۔ میں لکھنؤ کے مزاج کو سمجھ چکا تھا اور اپنی آواز کو حتی الامکان عوام کے دل کی پکار سے ہم آہنگ رکھنے کا خیال رکھتا تھا۔ چنانچہ میری باری آئی اور میں نے تشبیب کا مطلع پڑھا تو جو اونگھ رہے تھے وہ چونک پڑے اور جو سو گئے تھے وہ آنکھیں ملنے لگے:

ستارہ جھلملا کر ٹوٹتا معلوم ہوتا ہے!
کوئی دُکھتا ہوا دل دکھ گیا معلوم ہوتا ہے

یہ سب واقعات اور حقائق دہرانے کی غرض یہ ہے کہ اگرچہ میں نے ہمیشہ خود کو تغزّل کی دنیا سے بالکل الگ تھلگ رکھا۔ کیونکہ میں مدح، منقبت اور رثاء کے علاوہ کسی اور صنفِ سخن میں اپنی صلاحیت گنوانا نہیں چاہتا تھا، پھر بھی مذکورہ بالا ماحول اور اس میں گھل مل جانے کی ضرورت اور کوشش کے باعث میری خود ارادیت اور خودی کو عارضی طور پر ٹھیس لگی اور با دلِ ناخواستہ غزل کہنا پڑی۔ اس کا ایک بہت بڑا اثر جو میرے اعصاب پر پڑا وہ یہ تھا کہ جب میرے تغزّل کی شہرت ہوئی اور ان عالموں اور ادیبوں نے جو میرے آس پاس تھے میری غزل گوئی کو سراہا تو پھر کون ان کی بات کا یقین نہ کرتا۔

بہت سے نوجوان شاعر اپنی غزلیں اصلاح کے لیے لانے لگے۔ اگرچہ میں یہ لطائف الحیل اپنا دامن کسی نہ کسی طرح بچاتا ہی رہا۔ مگر یہ شہرتِ عامہ میرے لیے ـــ ع اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی ـــ کا مصداق بن گئی۔ اور ہزار کنارہ کشی کے باوجود گاہے گاہے بعض احباب کے دباؤ سے یہ دردِ سر مول لینا ہی پڑا۔ آج کے استاذ الغزل جناب شاعر لکھنوی نے میرے ایک دوست اور درس و تدریس کے پیشے میں ہر وقت کے ساتھی ماسٹر نجف علی (مرحوم) کے وسیلے سے اپنی غزل کی اصلاح کے لیے میری طرف رجوع کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ موصوف کی سب سے پہلی غزل ہے۔ جو انھوں نے چرچ مشن برکیٹ ہائی اسکول کے سالانہ مشاعرہ میں پڑھنے کے لیے کہی ہے۔ میں اپنے رفیقِ کار کی ناراضی کے خوف سے انکار تو نہ کرسکا مگر انقباضِ خاطر کی کیفیت طاری ہوگئی۔ کیونکہ تغزل پر وقت خرچ کرنے میں مجھے اپنی فطرت کے رجحان اور اپنے اصول سے جنگ کرنا پڑی۔ اس تصور نے بہت پریشان کیا کہ اگر آئندہ بھی یہ سلسلے جاری رہے تو یہ تفریح عذاب بن جائے گی۔ قہرِ درویش بہ جانِ درویش۔ اصلاح کے ارادے سے غزل پڑھی تو مجھے اس نوجوان شاعر کے شعروں میں تخیل کی ندرت کے وہ آثار اور بندش کی پختگی کے وہ مینار نظر آئے کہ جی خوش ہوگیا اور اسی مقام سے آئندہ نجات پانے کا پہلو بھی نکل آیا۔ غزل درست کردی مگر ماسٹر صاحب کے ذریعے یہ پیغام بھی بھیج دیا کہ صاحبزادے! آپ آئندہ کسی سے اصلاح لے کر اپنے نام کے ساتھ تلمیذ کا پرچھلا نہ لگائیں۔ مبدءِ فیاض نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے۔ بس کہتے رہیں اور میر و غالب کے مطالعے سے غفلت نہ برتیں۔ پھر بھی کوئی سخت مشکل کبھی آپڑے تو مشکل کشا کا پوتا خدمت کے لیے حاضر ہے ـــ اس طرح مجھے بلائے ناگہاں کی طرح آنیوالی ذمہ داری سے نجات ملی۔

پاکستان آنے اور خیرپور میرس میں گوشہ گیر ہو جانے کے بعد مجھے یقین تھا کہ یہاں یہ تیرِ حادثہ مجھ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ یکایک (غالباً) سنہ ۱۹۵۸ء میں (آنجہانی جگر مرادآبادی کے شاگرد) جناب بشیر درّانی، برادرم جناب رئیس امروہوی کا سفارشی خط لے کر وارِد خیرپور ہوئے اور کوئی دو ہفتے میں اپنے کُل دیوان کی اصلاح کرا کے ہی دم لیا۔ اس کے بعد حضرت صابر تھاریانی مرحوم نے ـــ جو کراچی میں میرے مخلص دوست تھے اور جن کی مفارقت کے بعد مَیں نے ایسا محسوس کیا جیسے میرا ایک بازو ٹوٹ گیا ـــ اپنی عمر بھر کی پانچ چھ سو غزلیں نظرِ ثانی کے لیے سُنائیں اور دکھائیں۔ جن میں سے اکثر دیوانِ صابر (باتصویر) کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔

ان تمام منزلوں سے گزرنے کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ میں تغزّل کو برتنے سے صرف اتنی ہی دلچسپی رکھتا ہوں کہ مرثیے میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے جہاں اس کا سہارا لینے کی ضرورت پڑے وہاں قلم کو شکستگی کا اور طبیعت کو خستگی کا احساس نہ ہو ـــ یہ ہے میرے تغزّل کی داستان اور اس وادی میں تخئیل کی سرگزشت! لیکن اس موقع پر بطورِ دفع دخل مقدر، چند الفاظ اور عرض کرنا ضروری ہیں۔ ممکن ہے کہ میرے ان اعترافات اور اعتراضات کو پڑھ کر بعض قارئین اس مخمصے میں مبتلا ہو جائیں کہ غزل گوئی، مرتبۂ شعر سے کوئی پست ترچیز ہے! اور غزل کہنا اربابِ فکر کے شایانِ شان نہیں۔ اور کہیں نسیم صاحب (یعنی راقم الحروف) نے غزل کے بارے میں اپنے احساسات کا اظہار کر کے اس طنز کا جواب دینے کی کوشش تو نہیں کی کہ۔ بگڑا شاعر مرثیہ گو ـــ حاشا و کلا میرا یہ مقصد ہرگز نہیں۔ میں نے صرف اپنی افتادِ طبع اور رجحانِ مزاج کا اظہار کیا ہے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ ایک شاعر کے لیے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مدح سرائی کافی ہے۔ اور میں اپنی اسی حیثیت پر قانع رہنا چاہتا ہوں۔ غزل سے میرا اجتناب کسی عجزِ سخن کا نتیجہ

نہیں۔ بلکہ اس احساسِ ذمہ داری کا آئینہ دار ہے۔ جسے نعت و منقبت اور مرثیہ گوئی میں شغف کے بجائے خود محسوس کرتا ہوں۔ نہ جانے میر انیس کا یہ شعر اس موقع پر کیوں یاد آرہا ہے:

غیر کی مدح کروں شہ کا ثنا خواں ہو کر
مجرئی اپنی ہوا کھوؤں سلیماں ہو کر

ـــ غزل جمیل ترین صنفِ سخن ہے، لیکن اس جمیل ترین صنفِ سخن اور لطیف ترین شیوۂ فن کو نباہنے کے لیے جس طرزِ فکر اور میلانِ طبع کی ضرورت ہے وہ اگرچہ (مجھے اقرار ہے کہ) میرے اندر موجود ہے، کارفرما ہے اور بیدار ہے ـــ لیکن ؏

من قبلہ راست کردم بر طرف کج کلاہے

اور وہ کج کلاہی شاعر کو صرف منبر پر نصیب ہوتی ہے:

منبر پہ نشست۔ سر پہ حضرت کا علم
اب چاہیے کیا! تخت بلا تاج بلا

میری اولاد

اگر آج سب اولاد زندہ ہوتی تو چہاردہ معصومین کے چودہ مرثیوں کی (مراثیِ نسیم) جلد سوم کا ایک ایک مرثیہ سب کو پروف ریڈنگ کے لیے بانٹ دیتا۔ اب بطفیلِ پنجتنِ پاک علیہم السلام پانچ اولادیں زندہ ہیں:

۱۔ بڑا بیٹا: سید شمیم حیدر رضوی سلمہٗ۔ شعر نہیں کہتا۔ مگر مرثیہ پڑھتا ہے۔ اور پڑھت میں خاندانی تیور جھلکتے ہیں۔ سید مہدی حسین زیدی (کارخانہ دار محلہ شفاعت پوتا امروہا) کی پوتی سے شادی ہوئی ہے۔ سات بچوں کا باپ ہے۔ جن کے نام (سن و سال کی ترتیب کے لحاظ سے) یہ ہیں: سید نعیم رضا۔ سید حیدر رضا۔ سید سلیم رضا۔ سیدہ نیلوفر۔ سیدہ فرح۔ سیدہ صبا اور سیدہ ثمرین

۲۔ منجھلا بیٹا: سید نسیم حیدر رضوی سلمہٗ پچیس چھبیس سال مسلسل بیمار رہنے سے پہلے منبر پر سلام وغیرہ پڑھتا تھا۔ شعر کہنے کا مادّہ ہے مگر ڈاکٹروں نے غور و فکر کی ممانعت کر دی ہے۔ اب بحمد اللہ صحت یاب ہو گیا ہے اور بڑے بھائی کے ساتھ رہتا ہے۔

۳۔ سنجھلا بیٹا: سید قسیم حیدر رضوی سلمہٗ۔ المعروف بہ قسیم بن نسیم۔ دس بارہ سال سے سلام، منقبت اور مرثیہ کہتا ہے۔ اگر اسی رفتار سے کہتا رہا تو چھ پشت کی حاصل شدہ خاندانی مسندِ مرثیہ گوئی کو زیب دے گا (انشاء اللہ) میرے ابن عم مولانا سید سرور حسین مرحوم (واعظ) کی چھوٹی بیٹی سے شادی ہوئی ہے۔ تین بچوں کا باپ ہے، جن کے نام یہ ہیں: سیدہ نرجس خاتون۔ سید کامران حیدر۔ سید عدنان حیدر۔ یہ بچہ بہت ہونہار ہے۔ باپ گود میں اٹھا کر منبر پر بٹھا دیتا ہے اور جو کچھ (رباعی یا سلام) یاد کرا دیا جائے بے جھجک زور دار آواز اور مطبوعِ خاطر تیوروں سے ادا کر دیتا ہے۔

۴۔ چھوٹا بیٹا: سید وسیم حیدر رضوی سلمہٗ۔ سلام اور منقبت وغیرہ پڑھتا ہے۔ اور تیوروں میں خاندانی انداز نظر آتا ہے۔ آواز پاٹ دار اور دبُ لہجہ مجھ سے مماثل ہے۔ میری ہمشیرہ کی پوتی سے شادی ہوئی ہے اور دو بچوں کا باپ ہے: سیدہ سطوت زہرا۔ سید محمد جواد حیدر (میرے دادا کا نام سید جواد حسین اور پر دادا کا نام سید حیدر حسین تھا)

۵۔ بیٹی: سیدہ قائمہ خاتون: جو دو بھائیوں سے چھوٹی ہے سید نواب حسن نقوی (ابن سید استعجاب حسن نقوی محلہ کٹکوئی امروہا) سے منسوب اور پانچ بچوں کی ماں ہے: سیدہ رخشندہ (جو بے تکلف ذاکری کرتی ہے) سیدہ زیبندہ۔ سید ثروت نواب (منبر پر سلام اور رباعی پڑھتا ہے، پڑھت طبعزاد ہے) سید عظمت نواب۔ سیدہ فرخندہ۔

میری تالیفات و تصنیفات

۱۹۲۳ء سے ۱۹۸۶ء تک

نمبر شمار	کتاب	موضوع	ناشر
۱	تصحیح و تحشیہ تفسیر اصفیٰ	تفسیر عربی	نور المدارس امروہہ (یوپی)
۲	معیار الاشعارِ طوسی (تلخیص)	عروض و قافیہ	انوارِ احمدی پریس الہ آباد (")
۳	حدائق البلاغت (تلخیص)	معانی و عروض و قافیہ	"
۴	شعر الہند (تلخیص کل مجلدات)	تاریخِ ادبِ منظوم	"
۵	شرح مصباحِ فارسی (نصابِ منشی الہ آباد بورڈ یوپی)	ادب	"
۶	شرح جواہرِ فارسی (نصابِ کامل الہ آباد بورڈ یوپی)	ادب	"
۷	معراج العروض	عروض و قافیہ	"
۸	مُعلّم المکاتب حصہ ۱	ریڈر تعلیمِ بالغاں	رائے بہادر گلاب سنگھ (لاہور)
۹	" " ۲	"	"
۱۰	" " ۳	"	"
۱۱	" " ۴	"	"
۱۲	" " ۵	"	"
۱۳	" " ۶	"	"
۱۴	" " ۷	"	"
۱۵	" " ۸	"	"
۱۶	نظمِ اردو (مع حواشی و تعلیقات) (نصابِ میٹرک یوپی)	اردو ادب	اشاعتِ اردو لکھنؤ

نمبر شمار	کتاب	موضوع	ناشر
۱۷	چراغِ زندگی	افسانے	رام چرن لال لکھنؤ
۱۸	ہندوستانی بول چال حصہ ۱	کامن لینگوتج اردو ہندی	"
۱۹	نصاب پرائمری و سیکنڈری ۲	"	"
۲۰	یوپی کامن لینگوتج، اردو ۳	"	"
۲۱	و ہندی میں بلا تغیر الفاظ] ۴	"	"
۲۲	" ۵	"	"
۲۳	" ۶	"	"
۲۴	" ۷	"	"
۲۵	" ۸	"	"
۲۶	ہنسوں کی رانی و دیگر طیور	مضامین اردو رسم الخط ہندی	سریش بکڈپو لکھنؤ
۲۷	شرح دفتر ابوالفضل (ہر سہ دفتر)	ادب	جان محمد الٰہی بخش لاہور
۲۸	الفلسفہ	ما یعم الاجسام	"
۲۹	نسیم البلاغت (نصاب ایف اے یوپی)	معانی و عروض و قافیہ	انوارِ احمدی پریس الہ آباد
۳۰	نثر اردو (نصاب میٹرک یوپی)	اردو ادب	انوار بکڈپو لکھنؤ
۳۱	جنگِ عالمگیر	دوسری جنگِ عظیم	اشاعتِ اردو لکھنؤ
۳۲	کوہ نور ریڈر حصہ ۱	کامن لینگوتج اردو ہندی	نند کشور بھارگو بنارس
۳۳	[نصاب پرائمری سیکنڈری " ۲	"	"
۳۴	یوپی۔ کامن لینگوتج اردو " ۳	"	"
۳۵	و ہندی بلا تغیر الفاظ] " ۴	"	"
۳۶	" " ۵	"	"
۳۷	" " ۶	"	"
۳۸	" " ۷	"	"
۳۹	" " ۸	"	"

نمبر شمار	کتاب	موضوع	ناشر
۴۰	اُستاد کا پیغام شاگردوں کے نام	طلباء کے فرائض و حقوق	صوبائی حکومت یوپی
۴۱	سازِ حریت (مسدس) مع مقدمہ از ممتاز احمد ایم۔ اے و جعفر علی خاں اثر و پنڈت برج ناتھ شرما (در زبانِ انگریزی)	اتحاد و اصلاحِ رسوم و ادب	اشاعتِ اردو لکھنؤ
۴۲	چراغِ زندگی (نصابِ جماعت حصہ ۱	ادبِ اردو	کدار ناتھ۔ پٹنہ
۴۳	ہفتم و ہشتم یوپی) " ۲	"	"
۴۴	قرانِ السعدین (مسدس)	فضائل و عقد جناب سیدہ	غلام علی ایڈوکیٹ آگرہ
۴۵	رموزِ غیب (۳ ")	نعت و منقبت در ثناء	خنداں لکھنوی ناداں محل روڈ
۴۶	رضوانِ جنت سے کشمکش (مسدس)	جائزۂ نفس	"
۴۷	فلسفۂ غم (مسدس)	غم محرک عمل ہے	شیعہ اسکول جونپور
۴۸	تسہیل القواعد حصہ ۱	اردو قواعد استقرائی طرز پر	انوار احمدی پریس الہ آباد
۴۹	" " ۲	"	"
۵۰	" " ۳	"	"
۵۱	" " ۴	"	"
۵۲	خطباتِ مشران (مع مقدمۂ طویل شاملِ نصاب بی۔ اے آنرز لکھنؤ یونیورسٹی)	سندر نراین مشران کے خطبے	اشاعتِ اردو لکھنؤ
۵۳	برقِ باراں (مسدس سلیمی بند ۳۸۷)	مطالبۂ پاکستان مع پس منظر	مست قلندر بکڈپو۔ لاہور
۵۴	رثائے نجم العلماء (مسدس)	شمس العلماء نجم الحسن کا مرثیہ	ہفت روزہ اتحاد۔ امروہہ
۵۵	واناصراہ (مسدس)	ناصر الملۃ کا مرثیہ	ارشاد حسین قصبہ سنبھل
۵۶	شہیدِ انسانیت کا تبصرہ منظوم (۶۱ بند)	نقد و تبصرہ	روزنامہ سرفراز لکھنؤ وغیرہ

نمبر شمار	کتاب	موضوع	ناشر
۵۷	نسیم اللغات	لغتِ اردو	شیخ غلام علی لاہور
۵۸	رئیس اللغات	"	ملک دین محمد لاہور
۵۹	دوست بنو، دوست بناؤ	نفسیات	شیخ غلام علی لاہور
۶۰	ادبی کہانیاں	لغت تلمیحات	"
۶۱	رہٹ چلے اور من للچائے	زراعت	حکومتِ پنجاب خیرپور اسٹیٹ
۶۲	رشوت ستانی	افسانہ	"
۶۳	آئینِ اردو حصہ ۱	قواعد و انشائے اردو	شیخ غلام علی لاہور
۶۴	" " ۲	"	"
۶۵	" " ۳	"	"
۶۶	" " ۴	"	"
۶۷	" " ۵	"	"
۶۸	" " ۶	"	"
۶۹	" " ۷	"	"
۷۰	" " ۸	"	"
۷۱	ترجمہ و تحشیہ صحیفۂ کاملہ مع مقدمۂ بسیط	ادعیۂ امام زین العابدین	"
۷۲	تاریخِ خیرپور مع تعارف از ڈاکٹر محمود حسین و فاتی وزیر	تاریخ	مراد برقی پریس خیرپور میرس
۷۳	اردو ادب (نصاب حصہ ۱	ریڈر ادبِ اردو	شیخ غلام علی لاہور
۷۴	درجات ابتدائی و وسطانی ۲	"	"
۷۵	پنجاب و بہاولپور و بلوچستان ۳	"	"
۷۶	وغیرہ) ۴	"	"

نمبر شمار	کتاب	موضوع	ناشر
۷۷	〃 حصہ ۵	ریڈر ادبِ اردو	شیخ غلام علی لاہور
۷۸	〃 〃 ۶	〃	〃
۷۹	〃 〃 ۷	〃	〃
۸۰	〃 〃 ۸	〃	〃
۸۱	نثر اردو (نصاب میٹرک کراچی وسندھ)	〃	انوار بکڈپو کراچی
۸۲	نظم اردو 〃	〃	〃
۸۳	گلزارِ نسیم حصہ ۱	بچوں کی نظمیں مصنف خود	کتاب منزل لاہور
۸۴	〃 〃 ۲	〃	〃
۸۵	〃 〃 ۳	〃	〃
۸۶	〃 〃 ۴	〃	〃
۸۷	〃 〃 ۵	〃	〃
۸۸	نسیم اردو (نصاب درجاتِ ابتدائی وسطانی کراچی وسندھ) حصہ ۱	ریڈر ادبِ اردو	شیخ غلام علی لاہور
۸۹	〃 ۲	〃	〃
۹۰	〃 ۳	〃	〃
۹۱	〃 〃 ۴	〃	〃
۹۲	〃 〃 ۵	〃	〃
۹۳	〃 〃 ۶	〃	〃
۹۴	〃 〃 ۷	〃	〃
۹۵	〃 〃 ۸	〃	〃
۹۶	سچل سرمست کی اردو شاعری	نقد و تبصرہ	ریاست خیرپور میرس
۹۷	مراثی نسیم جلد ۱	مناقب و رثا	اطہر جعفری کراچی

نمبر شمار	کتاب	موضوع	ناشر
۹۸	اردو لغت (بہ تعاونِ حصہ ۱	تاریخی لغت زبانِ اردو	ترقی اردو بورڈ کراچی
۹۹	رفقاء) ۲ 〃	〃	(قائم کردہ حکومت پاکستان)
۱۰۰	〃 ۳ 〃	〃	〃
۱۰۱	〃 ۴ 〃	〃	〃
۱۰۲	〃 ۵ 〃	〃	〃
۱۰۳	〃 ۶ 〃	〃	〃
۱۰۴	〃 ۷ 〃	〃	〃
۱۰۵	〃 ۸ 〃	〃	〃
۱۰۶	〃 ۹ 〃	〃	〃
۱۰۷	〃 ۱۰ 〃	〃	〃
۱۰۸	رثاءِ محسن الحکیم (مسدس)	مراجع امامیہ در رثا مرحوم	ڈاکٹر یاور عباس کراچی
۱۰۹	فرہنگِ نسیم	اردو لغت	شیخ غلام علی لاہور
۱۱۰	تسبیح فاطمہ (مسدس)	عقد جناب فاطمۃ الزہرا	طیبی دواخانہ کراچی
۱۱۱	مراثیِ نسیم جلد ۲	مناقب و رثا	پاکستان ریڈرس گلڈ کراچی
۱۱۲	بہ یادِ رضا (مسدس)	حالات و نقد و تبصرہ بر کلام آلِ رضا	سید ہاشم رضا صاحب کراچی
۱۱۳	چشمۂ غم (مسدس)	مراثی سوز خوانی	انجمن سوز خوانان کراچی
۱۱۴	رثائے ترابی (مسدس)	علامہ رشید ترابی کے حالات	محشر لکھنوی کراچی
۱۱۵	نماز و دیگر عبادات	(سندھی میں) فروعِ دین	مہران بک سینٹر خیرپور میرس
۱۱۶	ترجمۂ توضیح المسائل	فتاوی سرکار خوئی مدظلہ	امین مرچنٹ کراچی
۱۱۷	ترجمۂ مناسک حج	〃	〃
۱۱۸	مسدس نسیم	نعت شریف	سید امروہوی کراچی

نمبر شمار	کتاب	موضوع	ناشر
۱۱۹	مرثیۂ جوش (مسدس)	جوش ملیح آبادی کی یاد میں	کل پاکستان فروغِ مرثیہ کراچی
۱۲۰	دینیات کی پہلی	سندھی میں اصولِ دین	مہران بک سینٹر خیرپور میرس
۱۲۱	" دوسری	" فروعِ دین	"
۱۲۲	" تیسری	"	"
۱۲۳	" چوتھی	"	"
۱۲۴	" پانچویں		"
۱۲۵	تفسیر و ترجمہ پارۂ عم (اردو اور سندھی میں)	قرآنِ پاک	"
۱۲۶	ملاپ	ڈراما	کتاب منزل لاہور
۱۲	فرہنگِ اقبال (اردو)	علامہ اقبال کے جملہ اردو کلام (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) کے ضروری اور اہم الفاظ و تراکیب کی شرح	اظہار سنز لاہور
۱۲	فرہنگِ اقبال (فارسی)	علامہ کے کل دواوینِ فارسی (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) کے الفاظ و تراکیب کا حل	اظہار سنز لاہور (زیرِ طبع)
۱۲	مراثی نسیم جلد ۳، مع خودنوشت سوانح حیات	چہاردہ معصومین کے چودہ مرثیے	اظہار سنز لاہور

مراثیِ چہاردہ معصومینؑ

مقدمۃ الکتاب

مُبسمِلاً و مُحمدِلاً و مُصلِیا!

چہاردہ معصومین کے اسمائے گرامی ہمارے بچوں کو اُس وقت بھی ازبر ہوتے ہیں، جب وہ اپنی ماؤں کی گود سے اتر کر گھٹنیوں چلنا شروع کرتے ہیں۔ یہی بچے بڑے ہو کر جس مجلسی ماحول میں پرورش پاتے ہیں، وہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ سے لے کر امام زین العابدینؑ تک (اور زیادہ سے زیادہ امام جعفر صادقؑ تک) یہ حقیقت تو اُن کے دلوں میں راسخ کرتا رہتا ہے کہ رسولؐ اسلام کی آنکھیں بند ہونے کے بعد یہی چند ہستیاں تھیں جنھوں نے اسلام کو ہر طوفان کی زد سے بچایا اور انھیں کی بدولت آج شریعت محمدیہ تنزیل کے مطابق ہم تک پہنچ سکی۔ البتہ باقی ائمہ کے متعلق یہ بات تو ان کے قلوب میں "پتھر کی لکیر" کی طرح نقش ہوتی ہے کہ اُن کی زندگی (قید میں یا آزادی میں) نہایت قناعت و ایثار کے ساتھ، زہد و تقویٰ میں بسر ہوئی، لیکن مجالس میں مابعد اماموں کے ذکر کی قلت اور مدارس میں دینی تعلیم عام نہ ہونے کے باعث ان میں سے بہتوں کو ہر امام کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا کہ — اگر یہ امام نہ ہوتے تو آج اسلام کس شکل و صورت میں ہم تک پہنچتا — زیر نظر مرثیے اسی زاویۂ نگاہ سے تصنیف کیے گئے ہیں کہ ان کے مطالعے سے نوجوانوں کو اس سوال کا جواب مل جائے۔

مجھ سے پہلے بھی دو ایک بزرگوں نے چہاردہ معصومین کے مرثیے کہے ہیں مگر وہ بیشتر معجزات تک محدود ہیں۔ میں نے بھی معجزات و کرامات کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس ذکر کے ساتھ محدثین و مورخین اسلام کی ان کتب کے حوالے بھی نظم کر دیے ہیں جن میں یہ اذکار درج ہیں۔ اسی طرح زیر بحث امام کی ولایت اور امامت اور علم و عمل کے استدلال میں (اپنے علماء کے نظریات کے ساتھ) مشہور علمائے اسلام

اور ائمۂ اربعہ کے اقوال بھی بیان کیے ہیں۔ بالجملہ ان مرثیوں میں ائمۂ اثنا عشر کے فضائل و مناقب اور آثارِ علمیہ سے متعلق جو عقائد اور واقعات نظم کیے گئے ہیں ان کے ماخذ میں صحاحِ ستّہ اور مسلمانوں کی دیگر مشہور کتابیں شامل ہیں، جن میں صواعقِ محرقہ (ابنِ حجر مکّی)، مرقاتِ شرح مشکوٰۃ (ملا علی قاری) شواہد النبوت (جامی)، دُرِّ منثور (سیوطی) اور تفسیر کبیر (امام رازی) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

جو مرثیہ جس امام کے حال میں ہے، آخر میں اسی امام کے بھرپور مصائب ہیں اور یہی، مرثیہ کہنے کی غرض و غایت ہوتی ہے۔ عزم و عمل کی تحریک جو میرا وضع کردہ اصلی رنگ ہے اس کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑا۔

دعا فرمائیں کہ یہ مجموعہ بارگاہِ احدیت و رسالت و امامت میں مقبول ہو اور میری شفاعت کا وسیلہ بنے۔

شاعرِ آلِ محمدؐ

نسیم امروہوی

فاضلِ ادب۔ فاضلِ فقہ و نور الافاضل

یکم رجب ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۳ مارچ ۱۹۸۶ء

روز پنجشنبہ

شہرِ علوم و شاہِ مدینہ ہیں مصطفیٰ | اسرارِ کبریا کا خزینہ ہیں مصطفیٰ
قلزم ہے معرفت، تو سفینہ ہیں مصطفیٰ | توحید کے عروج کا زینہ ہیں مصطفیٰ

آئینۂ جلی ہیں، خدا کی صفات کا
ان کی صفاتِ پاک، تعارف ہیں ذات کا

صبحِ ازل ہے خطِ گریبانِ مصطفیٰ | صحنِ الستؔ[1]، گوشۂ دامانِ مصطفیٰ
عرشِ علا، منارۂ ایوانِ مصطفیٰ | نورِ عمل، چراغِ شبستانِ مصطفیٰ

معراج، منزلت کی حدِ ناتمام ہے
قوسینؔ[2] تو نبی کے دو ابرو کا نام ہے

کاف اورؔ[3] نون، مطلعِ تابانِ منقبت | لولاکؔ[4]، حسنِ مطلعِ دیوانِ منقبت
قالوا بلیٰؔ[1]، قصیدۂ ذیشانِ منقبت | قرآں زبانِ حق سے غزلخوانِ منقبت

حیراں جو سن کے سورۂ کوثر عقول ہیں
تین آیتیں، مثلثؔ[5] نعتِ رسول ہیں

---

[1] اَلَستُ بِرَبِّکُم قالوا بلیٰ (= کیا میں تمھارا رب نہیں؟ سب نے کہا کیوں نہیں!) [2] دو کمانیں: فکان قابَ قوسینِ اَو اَدنیٰ (= حضرت دو کمانوں کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم تھے) [3] کُن (= پیدا ہوجا) [4] لولاک لما خلقتُ الافلاک (= اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا ہی نہ کرتا) [5] کیوں نہیں تو کہیے

حاشیہ نمبر ا [5] وہ نظم جس کے ہر بند میں تین مصرعے ہوں (جیسے سورۂ انا اعطینا میں تین آیتیں ہیں)

چشمِ بصیر، شمعِ شبستانِ معرفت | لب، دفتینِ نسخۂ قرآنِ معرفت
دل، نفسِ معرفت۔ تو نفَس جانِ معرفت | واجب شناس، تا حدِ امکانِ معرفت
ذات و صفاتِ غیب کے آئینہ دار ہیں
عرفانِ کردگار کے پروردگار ہیں

باغِ ازل ہیں، باعثِ تخلیقِ جزو و کل | بزمِ عمل ہیں، گلشنِ فکر و نظر کے گل
یہ مبتدائے خلق، یہی خاتمِ الرُّسل | ہیں نام یوں ابھی تو ہو صلِّ علیٰ کا غل
کیا کیا کریں بیان، شرف بے حساب ہیں
اللہ لاشریک ہے۔ یہ لاجواب ہیں

یہ رازدانِ غیب ہیں وہ غیب کا ہے راز | یہ ہیں مآلِ کار۔ اگر وہ ہے کارساز
ان کا بھی اُس میں نام ہے اُس کی جو ہے نماز | لیکن وہ ہے حقیقتِ کبریٰ، تو یہ مجاز
حادث کے اور قدیم کے یہ جانبین ہیں
بالکل اِدھر، نہ بالکل اُدھر، بَین بَین ہیں

وہ کردگارِ عقل، یہ استادِ جبرئیل | وہ خالقِ جمال، یہ آئینۂ جمیل
وہ عینِ خیر و عدل، یہ باخیر و بے عدیل | وہ نور، یہ ظہور، وہ دعویٰ تو یہ دلیل
انساں کے بھیس میں صمدیت لیے ہوئے
احمد، احد ہے، میمِ مشیت لیے ہوئے

وہ بھی ہے ایک، یہ بھی دو عالم میں انتخاب | اپنا وہ خود جواب، تو اپنا یہ خود جواب
وحدت کا شمس وہ، یہ رسالت کے آفتاب | وہ خالقِ کتاب، تو یہ خطبہ و خطاب
وہ قلزمِ کرم، یہ کرامت جناب ہیں
وہ ذاتِ اوّلین، یہ ختمی مآب ہیں

یہ کتاب کی جلد کے دونوں پٹھے

وہ منبعِ عطا، تو یہ دریائے فیض وجود | وہ کائناتِ غیب، تو یہ عالمِ شہود
وہ واجب الوجود، تو یہ لازم الوجود | وہ قابلِ سجود، تو یہ لائقِ درود

کافی نہیں کہ صرف انھیں خلقت کرے سلام
حق کی نماز بھی دمِ رخصت کرے سلام

وہ کردگار، یہ سندِ ذاتِ کردگار | وہ طور ہے یہ نور، وہ جلوہ یہ جلوہ زار
وہ خلق یہ خلیق، وہ حق اور یہ حق گزار | وہ شاہدِ قدم، یہ حدوث اور سدا بہار

وہ اسمِ ذات ہے، تو یہ جسمِ صفات ہیں
وہ حیِ لایموت، یہ مرکرِ حیات ہیں

وہ حسن ہے یہ عشق، وہ مبدء یہ اختتام | وہ راحم و رحیم، تو یہ رحمتِ تمام
وہ غافر و غفور، تو یہ شافعِ انام | وہ حق یہ شرعِ حق، وہ حقیقت یہ التزام

وہ راز ہے خدا کی قسم، راز داں یہ ہیں
وہ سرِ لامکاں ہے، سرِ لامکاں یہ ہیں

وہ حُب تو یہ حبیب، وہ بے مثل یہ مثال | وہ فالِ خوش مقال، تو یہ حالِ نیک فال
وہ مبتدائے کُن فیکون، اور یہ مآل | وہ نورِ لازوال، تو یہ پرتوِ جمال

ظلِ خدا خطابِ شہِ ذی کمال ہے
سایہ کہاں، کہ سائے کا سایہ محال ہے

پایا کُل انبیا نے شرف دو جہان کا | کچھ اور ہی جہان ہے احمدؐ کی شان کا
شہرہ بہت کلیم کی ہے آن بان کا | اِن سے مگر ہے فرق زمین آسمان کا

دیدارِ حق، مرادِ کلیمِ خدا کی ہے
دیدارِ مصطفیٰ پہ نظر کبریا کی ہے

سہ سایہ

بستر سے ماہِ چرخ نشیں تک پہنچ گئے | ماہِ فلک سے مہرِ مبیں تک پہنچ گئے
مہرِ مبیں سے روحِ امیں تک پہنچ گئے | چھوڑا امیں کو عرشِ بریں تک پہنچ گئے

سب منزلیں یہ ہو گئیں طے اتنی دیر میں
جائے فلک پہ میری نظر جتنی دیر میں

نعلین اتارنے لگے پائینِ فرشِ نور | بولا یہ عرشِ پاک، تکلّف ہے کیا ضرور
نورِ خدا، اساسِ تجلّائے برقِ طور | نعلین مت اتارئیے، موسیٰ نہیں حضور

یاں صرف میہمان ہے یا میزبان ہے
یہ غیر کا مکان نہیں۔ لامکان ہے

یہ ہے مقامِ قُدس، اِدھر حق ہے آپ اُدھر | قوسین کا ہے فرق، یہ کچھ فرق ہے مگر
سارا نمائشی ہے بس اب فصلِ ہمدگر | ہو جائیں ایک، عذرِ مشیّت نہ ہو اگر

آئینۂ دَنیٰ فَتَدَلّٰی تو خیر ہے
پردہ اٹھائیے کہ یہ خلوت میں غیر ہے

جا کر جو لامکاں سے شہِ انس و جن پھرے | ترکیبِ عنصری سے نہ چارہ تھا بن پھرے
وہ شب تھی وہ، کہ امتِ عاصی کے دن پھرے | طوبیٰ لکُم سنا تو نبیؐ مطمئن پھرے

کُل روز و شب کے سر کا وہ شب تاج ہو گئی
معراج کو بھی آپ سے معراج ہو گئی

لاکھ انبیا ہیں، اُن کو یہ عظمت کہاں ملی | سب کچھ ملا ہے عرش کی رفعت کہاں ملی
اوصافِ کبریا کی شباہت کہاں ملی | قرآن کو، یہ نور کی صورت کہاں ملی

ان کی طرح، وہ صاحبِ کام و دہاں نہیں
شیرینیِ سخن تو ہے۔ لیکن زباں نہیں

یہ پھول، ظاہرا، گل گلدستۂ خلیل
باطن میں کردگار کے جلووں کی سلسبیل

انسانیت سے رابطۂ خالقِ جلیل
اللہ کے وجود کی منہ بولتی دلیل

صنعت ہے جب تو پھر کوئی صانع ضرور ہے
ان کا ظہور عین خدا کا ظہور ہے

حیران ہوں، خدا نہیں، کارِ خدا کیا
فانی کے دل میں خلق، مذاقِ بقا کیا

جہل و غرور و شرک و خودی کو فنا کیا
ذوقِ سلیم، کج روشوں کو عطا کیا

دنیا کے ساتھ دیں کی جو ترکیب ہو گئی
خونخوار قوم مرکزِ تہذیب ہو گئی

بالکل طریقِ جادہ و منزل بدل دیے
اوہامِ باطلہ کے مراحل بدل دیے

کتنوں کی زندگی کے مسائل بدل دیے
وہ بے بدل مزاج دیا، دل بدل دیے

بت پوجتے تھے جو وہ مسلمان ہو گئے
حیوان باتوں میں انسان ہو گئے

انسانیت کو ذوقِ ہنر سے ملا دیا
ذوقِ ہنر کو فکر و نظر سے ملا دیا

فکر و نظر کو صدقِ خبر سے ملا دیا
صدقِ خبر کو قلب و جگر سے ملا دیا

قلب و جگر کا جوڑ کے رشتہ دماغ سے
محفل سجی، چراغ جلا کر چراغ سے

فاقے کرائے، علم و عمل کے گھر دیے
سنگِ دل و جگر کو وفا کے شرر دیے

شعلے تعصبات کے سب سرد کر دیے
سینوں میں سوزِ عشق کے انگارے بھر دیے

دلسوزیوں سے خلد کا رستہ دکھا دیا
چنگاریوں کو غنچۂ رنگیں بنا دیا

اول تو جسم کا نہیں سایا، یہ معجزہ | پھر بے بڑھے جہاں کو بڑھایا، یہ معجزہ
پھر ایک شہرِ علم بسایا، یہ معجزہ | حیدر سا در پھر اس میں بنایا، یہ معجزہ

پھر معجزہ کتاب کا آیا جہان میں
اللہ بولتا ہے نبیؐ کی زبان میں

یکساں مزاجِ باطن و ظاہر، یہ معجزہ | خُلقِ حسن سے دب گئے قاہر، یہ معجزہ
اُمّی ہیں، اور علوم کے ماہر، یہ معجزہ | جَو کھائے اور لٹائے جواہر، یہ معجزہ

ہلچل مچا دی اسلحۂ بے دریغ سے
کاٹا قمر کی ڈھال کو انگلی کی تیغ سے

بت رام ہو گئے، یہ خطابت کا معجزہ | خندق کی فتح، فکر و فراست کا معجزہ
زورِ علی، انھیں کی شجاعت کا معجزہ | بیٹی بتول سی، جو رسالت کا معجزہ

دخترکے دلبروں سے جو نسلِ نبیؐ چلی
دختر کُشی کی رسمِ نحس پر چھری چلی

باطل میں گھر کے معجزۂ حق دکھا دیا | مکّے کے سرکشوں نے یہاں سر جھکا دیا
دل لے لیے۔ یقین دیا حوصلہ دیا | پتّھر کو موم۔ موم کو پتّھر بنا دیا

دورِ خودی میں دینِ خدا عام ہو گیا
اسلام اس سلوک سے اسلام ہو گیا

اسلام کی یہ جان بھی ہیں جاں نثار بھی | دستِ قوی بھی، ضابطہ بھی، اقتدار بھی
مٹھی میں کائنات کا ہے اختیار بھی | محبوبِ کارساز بھی، مختارِ کار بھی

ناخن میں، حق کی دی ہوئی عقدہ کشائی ہے
کہہ دوں خدا کے سامنے، ان کی خدائی ہے

کیاان سے پہلے رنگِ جہاں تھا، سنا بھی ہے؟ | بوجہل سا کبھی کوئی جاہل ہوا بھی ہے
واقف تھا اس سے کون، کوئی کبریا بھی ہے!! | آنے سے اِن کے سب نے یہ جانا، خدا بھی ہے

ان ظلمتوں میں نور جو پھیلا جناب کا
شب کٹ گئی، ظہور ہوا آفتاب کا

غل تھا کہ اِنَّہٗ قَمَرٌ فِی کَمَالِہٖ | اَلشَّمس بھی تو اقتبست عن جمالہٖ
دنیا مہک رہی ہے بطیبِ خصالِہٖ | آئے رسُول صَلِّ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ

پتھر جہاں تھے اب وہیں وحدت کے پھول ہیں
یہ انقلاب کیوں نہ ہو، آخر رسول ہیں

دار السّلام بڑھ کے پکارا کہ اَلسّلام | جھک کر کیا فلک نے اشارہ کہ اَلسّلام
کہتا تھا مسکرا کے ستارہ کہ اَلسّلام | بولا تڑپ کے حسنِ نظارہ کہ اَلسّلام

ایمان تھا نہ اس کا جو خالق کے نور پر
کسرا کے قصر ہلنے لگے اس قصور پر

روح الامین خادمِ دربارِ مصطفیٰ | دین و یقین، ناظمِ سرکارِ مصطفیٰ
مطلوبِ موسوی بھی طلب گارِ مصطفیٰ | رویت ہے کردگار کی، دیدارِ مصطفیٰ

جز وحدت، اِن کی ذات میں اوصاف کیا نہیں
یہ مظہرِ خدا تو ہیں، مانا خدا نہیں

کل بھی نبی تھے، آج بھی، روزِ مآل بھی | مستقبلِ زماں بھی ہیں، ماضی بھی حال بھی
اسلام کا کمال بھی ہیں، باکمال بھی | محبوبِ ذوالجلال بھی، حق کا جلال بھی

دل ہیں نگاہِ قہر سے اب تک چھپے ہوئے
بیٹھے ہیں مشرکوں کے خدا بت بنے ہوئے

صورت سے حسنِ غیب کی عظمت عیاں ہوئی | سیرت سے، زندگی کی حقیقت عیاں ہوئی
باتوں سے، انبیا کی ضرورت عیاں ہوئی | صانع کو فخر ہے، مری صنعت عیاں ہوئی

کاندھے پہ مُہر جو صفتِ سجدہ گاہ ہے
ختم الرسل ہیں دوشِ مبارک گواہ ہے

یہ نور ہیں، مگر نہ قمر جیسے، فی المثل | دھبّا ہے اُس میں اور یہ آئینۂ ازل
اِس برج میں وہ آج، تو اُس برج میں ہے کل | اِن کا ہے ایک مرکز و محور جو ہے اٹل

عرشِ بریں پہ مسندِ اَسریٰ[۱] کے صدر ہیں
بدر ان کی گردِ راہ ہے، یہ شاہِ بدر ہیں

اوصافِ کبریا کی متانت ہیں مصطفیٰ | کُل انبیا کی روحِ ذہانت ہیں مصطفیٰ
جس کے حبیب، اُس کی امانت ہیں مصطفیٰ | پھر لاکھ امانتوں کی ضمانت ہیں مصطفیٰ

صادق بھی ہیں، امین بھی، قرآن کی قسم
کافر بھی کہہ رہے ہیں کہ ایمان کی قسم

آمر۔ کہ جس کے رعب سے تھرائیں زلزلے | مامور۔ جس کا پاؤں شریعت بہ کف چلے
مقدور جس کے سائے میں تقدیرِ دیں پلے | مزدور جز مودّتِ قربیٰ جو کچھ نہ لے

سودا ہو جس سے جان کا۔ اس کو حیات دے
پکّا وہ لین دین کا۔ دل لے، نجات دے

حق گو۔ کہ حق نے جس کی حقیقت پہ مُہر کی | طاہر۔ کہ ذہن و فکر بھی ہر رجس سے بری
مولا۔ کہ ہے شریکِ موالی ہر اک ولی | شافع۔ کہ روزِ حشر بھی نعرہ ہے "اُمّتی"

اُمّی۔ کہ بزمِ علم میں قرآں بہ کف ملا
دریا۔ کہ ریگ زار میں طوفاں بہ کف ملا

[۱] سبحان الّذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً جس میں معراج کا ذکر ہے۔

حاکم۔ کہ صغرِ سن میں کبیروں پہ حکمراں | قابض۔ کہ صدق و حق کے ذخیروں پہ حکمراں
غالب۔ کہ بے زری میں امیروں پہ حکمراں | سلطاں۔ کہ سرکشوں کے ضمیروں پہ حکمراں

رہبر۔ کہ نظم و ضبطِ طریقت بدل دیا
قائد۔ کہ اعتبارِ قیادت بدل دیا

ضامن۔ کہ زندگی کی معیشت سے حشر تک | عابد۔ کہ چشم دید شہید[سہ] انجمِ فلک
زاہد۔ کہ ذوقِ فاقہ کشی دل کی اک للک | ناصح۔ کہ جس کی تلخیِ گفتار پُر نمک

ہمدرد۔ جس کو غیر کا درد آپ سے سوا
مشفق۔ کہ سرپرست ہے ماں باپ سے سوا

اوّل۔ کہ جس کے دم سے صفی کو ملی صفا | آخر۔ کہ جس کا رخ ہے ازل اور ابد قفا
عالم۔ کہ بات بات، اشارات، فلسفا | چیدہ چنیدہ۔ جس کا لقب بھی ہے مصطفیٰ

عجز آشنا۔ کہ آئینۂ کبریائی ہے
بندہ بشر۔ کہ جاہ و جلالِ خدائی ہے

گوہر۔ کہ رمزِ کُن فیکوں جس کی ہے صدف | جوہر۔ کہ جس کے فیض سے فائز ہوئے سلف
مومن۔ کہ جس کی چھوٹ سے بھی شک ہوئے برطرف | عارف۔ کہ راہِ شوق میں حد جس کی ما عرف[عہ]

فرقان۔ رمزِ باطل و حق کھولتا ہوا
قرآن۔ وہ خموش نہیں۔ بولتا ہوا

سابق۔ کہ بعد ذاتِ خدا سب سے ماسبق | شارق۔ کہ جس کا عکسِ جبیں شوخیِ شفق
فاضل۔ کہ دو جہان سے افضل بفضلِ حق | عاقل۔ کہ عقلِ کل کو دیا حمد کا سبق

ساقی۔ کہ جس کے در پہ غمِ العطش نہیں
ناصر۔ کہ جس کے عہد میں اک فاقہ کش نہیں

سہ گواہ

عہ پوری حدیث ماعرفناک حق معرفتک

مصدر۔ کہ ہے صدورِ تجلّی کا جلوہ زار | مشتق۔ کہ فعلِ واحدِ غائب سے ہمکنار
مرسل۔ کہ مرسلین میں محبوبِ کردگار | عادل۔ کہ دادرس کی عدالت میں پیشکار
بے زر۔ کہ بے خلافِ شہِ مشرقین ہے
غازی۔ کہ نامِ سرورِ بدر و حنین ہے

خوشخو۔ کہ جس کا خُلقِ عظیم آیتِ جلی | دلجو۔ کہ بات سنتے ہی دل کی کھلی کلی
ارفع۔ کہ لامکان سے رفعت ہے منجلی | اعلیٰ۔ کہ جس کا بندۂ درگاہ بھی علی
یٰسین۔ جو مُبین کی منزل کا بدر ہے
طٰہٰ۔ کہ طاہرین کی محفل کا صدر ہے

ضابط۔ کہ ضبطِ نفس کی قدرت لیے ہوئے | رابط۔ کہ ربطِ خالق و خلقت لیے ہوئے
باذل۔ کہ آب و گل میں سخاوت لیے ہوئے | کامل۔ کہ حشر تک کی شریعت لیے ہوئے
شاکر۔ کہ شکر دم ہمہ دم دل کا چین ہے
صابر۔ کہ تربیت کا نمونہ حسین ہے

کیا تذکرہ حسین کا، وہ اِن کی آل ہے | بچّوں کی تربیت کا تو سب کو خیال ہے
وہ بزم چل کے دیکھیے، جس میں بلال ہے | صوفی بھی جھوم جائیں گے سن کر، وہ حال ہے
اصحابِ پاک، محوِ شرابِ الست ہیں
شاہوں کے شاہ، اِن کے فقیرانِ مست ہیں

بے سعی و بے ریاض، یہ شاہی نہیں ملی | جھیلے ہزار غم، تو میسّر ہوئی خوشی
ہر گام، کربلا تھی، وہ مکّے کی زندگی | جس میں تھے لاکھ دشمنِ جاں اور اک نبیؐ
کانٹے شقی بچھاتے تھے حضرت کی راہ میں
چھالے پڑے تھے پائے رسالت پناہ میں

طائف کی سرزمیں پہ جو ہوتا کبھی گزر | نورِ خدا پہ سنگ برستے تھے اس قدر
ہو جاتے تھے حضور سراپا لہو میں تر | جیسے حسینِ بیکس و مظلوم و بے جگر
یثرب میں آ کے تازہ مصیبت میں پڑ گئے
دنداں شہید ہو گئے، حمزہ بچھڑ گئے

بااین ہمہ مصائب و آفاتِ ناتمام | وجہِ سکوں تھے خدمتِ انسانیت کے کام
آیا بخار بھی، تو نہ چھوٹا یہ التزام | بڑھتا رہا مرض کی طرح ضعف صبح و شام
فاقوں سے اور زرد تنِ زار ہو گیا
جنّت کا پھول، نرگسِ بیمار ہو گیا

شدت سے تپ کی اب مرے مولا کا ہے یہ حال | جلتا ہے جسم، ضعف و نقاہت بھی ہے کمال
پیہم مرض کا ہے یہ اشارہ بصد ملال | آیا بہت قریب نبیؐ کا دمِ وصال
رخصت ہیں اب جہان سے بابائے فاطمہ
ہم بھی شریکِ غم ہیں ترے، ہائے فاطمہ

ہے فالِ بد، جو وارثِ دیں کے مرض کا طول | غمناک ہیں فروع، تو بے چین ہیں اصول
چھایا جو ہے دلوں پہ غمِ فرقتِ رسولؐ | ازواج بھی ملول ہیں، اصحاب بھی ملول
ہیں مضطرب بتول بھی، شاہ حنین بھی
روتے ہیں چپکے چپکے حسن بھی حسین بھی

بڑھتا گیا مرض جو شب و روز سر بسر | رخصت کو ایک دن ہوئے مسجد میں جلوہ گر
منبر سے بعدِ حمد پکارے بہ چشمِ تر | یارو! جہاں سے اب ہمیں درپیش ہے سفر
ہر شخص اس مقام پہ جرأت سے کام لے
ایذا جسے ہوئی ہو، اٹھے، انتقام لے

تقصیر کچھ ہوئی ہے جو اللہ کے حضور
ناد م ہیں ہم بھی، اور ہے وہ بھی بڑا غفور
اب وہ رہے، کیے ہوں جو بندوں کے کچھ قصور
بخشے انھیں کریم، عدالت سے ہے یہ دور
پہنچا ہو مجھ سے دکھ جو کسی دل ملول کو
حق العباد سے وہ چھڑا دے رسول کو

رونے لگے یہ سنتے ہی اصحابِ جاں نثار
اٹھا صفِ نماز سے اک مردِ حق شعار
کی دست بستہ عرض کہ اے شاہِ نامدار
اک روز، میرے ہاتھ میں خامے کی تھی جہاں
مارا تھا تازیانہ جو اس کو جناب نے
وہ بچ گیا تھا، کھایا تھا اس دل کباب نے

اُس وقت تھا نہ جسم پہ میرے جو پیرہن
کوڑے کی ضرب سے متاثر تھا گُل بدن
گو صبر کر کے بیٹھ رہا تھا یہ خستہ تن
اس گفتگو سے زخم پھر ابھرا ہے دفعتہ
اب پشت سے ہٹا کے قبا، سر جھکایئے
لوں گا میں انتقام، وہ کوڑا منگایئے

سلمان کو نبی نے دیا حکم، جلد جاؤ
وہ تازیانہ، فاطمہ زہرا سے مانگ لاؤ
کیا اعتبارِ زیست، انھیں پاؤں پڑ کے آؤ
اس مظلمے سے جلد خدارا مجھے بچاؤ
کیا ہوگا اب! یہ سوچ کے سب نیم جاں ہوئے
سلماں اُدھر چلے، اِدھر آنسو رواں ہوئے

جا کر پکارے در پہ یہ سلمانِ ذی وقار
بابا نے تازیانہ منگایا ہے، میں نثار
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولیں وہ ایک بار
ہے ہے کہیں سفر میں نہ بڑھ جائے پھر بخار
کہہ دیجے گا، ہجر میں آنسو بہاؤں گی
بابا کہیں سدھارے تو میں روٹھ جاؤں گی

سلمانِ فارسی نے سنایا تمام حال | رونے لگیں تڑپ کے بتولِ نبیؐ خصال
اماں کے پاس آگئے گھبرا کے دونوں لال | بچوں کے منھ کو چوم کے بولیں بصد ملال

بابا پہ میرے ٹوٹ پڑے غم جہان کے
تم تازیانے کھاؤ، عوض نانا جان کے

روئیں بلک بلک کے جو دلبندِ مصطفیٰؐ | مسجد میں آئے دوڑ کے دونوں وہ مہ لقا
ہاتھوں کو جوڑ کر یہ پکارے بصد بکا | اے شخص! ہے بخار انھیں۔ ان پہ رحم کھا

للہ رُخ ہماری طرف اپنا موڑ دے
سو دُرّے ہم کو مار لے۔ نانا کو چھوڑ دے

اس نے کہا کہ حکم شریعت میں دخل کیا | ہے یہ قصاص، ذمّہ سلطانِ انبیا
بولے رسولؐ، دیر نہ کر، اب قدم بڑھا | ہو جلد تیرے حق سے سبکدوش مصطفیٰؐ

بے عذر، طے یہ مرحلۂ انتقام کر
بچے ہیں، ان کو کہنے دے۔ تُو اپنا کام کر

فرما کے یہ اتار جو دی آپ نے قبا | وہ تازیانہ لے کے سوئے شاہِ دیں چلا
سب یکزباں پکارے یہ اصحابِ باوفا | بیمار ہیں حضور، خدارا تُو رحم کھا

رونے لگے حسین و حسن، دل الٹ گئے
شبیر نانا جان سے بڑھ کر بلٹ گئے

دُرّہ لیے ہوئے جو وہ آیا سوئے قفا | شانے کی مہر چوم کے قدموں پہ گر پڑا
رو رو کے عرض کی کہ شہنشاہِ انبیا | صرف اس لیے یہ بے ادبی کی تھی، ہیں فدا

مولا شفیعِ روزِ جزا! بخش دیجیے
زہرا کا واسطہ یہ خطا بخش دیجیے

چاروں طرف سے آئیں صدائیں کہ مرحبا
حضرت نے اُٹھ کے اس کو گلے سے لگا لیا
رخصت ہر اک سے ہو کے گھر آئے شہِ ہدا
مستقبلِ قریب نے کوفہ سے دی ندا
دَرّوں کے غم نہیں شہِ ابرار کے لیے
مختص ہیں یہ تو عابدِ بیمار کے لیے

ہوتا رہا نبیؐ کا مرض دم بہ دم سوا
آخر گھڑی وہ آئی کہ محشر ہوا بپا
شدت سے تپ کی، خواب میں تھے سرورِ ہدا
ناگاہ، در پہ آ کے کسی نے یہ دی ندا
بی بی! ملے جو اذنِ حضوری جناب سے
ملنا ہے جلد مجھ کو رسالتمآبؐ سے

بولیں بتولِ پاک کہ اے شخص صبر کر
تپ ہے شدید، سو گئے ہیں سیّد البشر
بولا، ابھی ملوں گا، ضرورت ہے سخت تر
اس مرتبہ کرخت تھا لہجہ کسی قدر
کہتا تھا۔ اذن دیجیے۔ آنا ضرور ہے
پھر شہ کو ساتھ لے کے بھی جانا ضرور ہے

شاہوں کے بادشاہ کا بی بی میں ہوں سفیر
مولا سے بے ملے تو نہ جائے گا یہ حقیر
بنتِ نبیؐ پکاریں کہ اے مردِ سخت گیر
بس غم نہ دے مجھے کہ میں خود غم میں ہوں اسیر
یہ سن کے اب کی بار جو چیخا وہ زور سے
ختمی مآبؐ چونک پڑے اس کے شور سے

بولیں یہ فاطمہ کہ سنی شہ نے یہ صدا
کتنی ہیبت ہے کہ مرا دل لرز گیا
آیا ہے اک سفیر کسی بادشاہ کا
کہتا ہے۔ میں نبیؐ کو ابھی لے کے جاؤں گا
فرمایا۔ الفراق! خدا نے بلایا ہے
آنے کا اذن دو، ملک الموت آیا ہے

رکتا ہے کب کسی سے یہ ہے قاصدِ خدا | اس گھر کا یہ ادب ہے کہ ہے طالبِ رضا
اے گردشِ زمانۂ غدّار و بے وفا | لوٹا جو کربلا میں وہ گھر کیا یہ گھر نہ تھا

جن کا یہاں ادب تھا، وہی سب وہاں کھنچیں
زہرا اگر یہاں تھیں، تو زینب وہاں بھی تھیں

یاں تو ملک نے اذنِ حضوری کیا طلب | درّانہ واں خیام میں در آئے بے ادب
یہ احترامِ آل! یہ پاسِ رسولِ رب | زینب کی پشت، شمر کا دُرّہ۔ ارے غضب

بلوے میں بنتِ قلعہ شکن، وا محمّدا
عترت کے بازوؤں میں رسن، وا محمّدا

ذرّیت آج اُسی کی ہے بلوے میں ننگے سر | بے اذن جس کے گھر میں ملک کا نہیں گزر
حاضر ہوئے غرض ملک الموت پوچھ کر | کھینچی جو روح، کانپ گیا دل۔ ہلا جگر

پوچھا کسی حزیں پہ کبھی رحم کھاتے ہو
یا سب کو قبضِ روح میں یوں ہی ستاتے ہو

قدسی نے کی یہ عرض کہ یا شاہِ خاص و عام | سختی بہت ہے جان پہ اور دل کی لا کلام
کروٹ بدل بدل کے تڑپتے ہیں صبح و شام | آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ انام

اس وقت مجھ پہ گزری ہے تکلیف جس طرح
ایذا نہ دیجیو مری امّت کو اس طرح

یہ کہتے کہتے ڈھل گیا منکا۔ نفس رکا | امّت کی یاد میں مرے مولا نے کی قضا
ازواجِ طاہرات میں ماتم ہوا بپا | روئیں تڑپ کے مادرِ مظلومِ کربلا

یہ ہم بتولِ خستہ جگر پیٹنے لگیں
زینب کبھی ننھے ہاتھوں سے سر پیٹنے لگیں

بیٹی کے تھے یہ بین کہ بابا کدھر گئے | معراج کو سدھارے کہ خالق کے گھر گئے
جنت بسائی اور مجھے برباد کر گئے | آؤ حسن حسین کہ نانا گزر گئے

گردش کا رُخ، غضب ہے مری سمت پھر پڑا
دوڑو مدینے والو فلک مجھ پہ گر پڑا

اے میرے فاقہ کش مرے نادار بابا جاں | بیواؤں بیکسوں کے مددگار بابا جاں
ہے ہے اجڑ گئی مری سرکار بابا جاں | بچے تڑپ رہے ہیں کرو پیار بابا جاں

بابا! مرے حسن کو گلے سے لگائیے
بابا! حسین روتا ہے اٹھ کر منائیے

کھا کر پچھاڑیں روتی تھیں بی بی جو زار زار | پیہم صدا یہ آتی تھی کانوں میں بار بار
زہرا، مرے کلیجے کے ٹکڑے، ترے نثار | نانا کے دونوں راج دلاروں سے ہوشیار

میرے حسن حسین کی شادی رچائیو
سہرے بندھیں تو میری کبھی تربت پہ لائیو

بس اے نسیمِ باغِ ولا! روک لے قلم | اب مانگ یہ دعا کہ خداوندِ ذوالکرم
اُمت ترے حبیب کی ہیں اے کریم ہم | ایذا اسے جس کی تھے متفکرِ شہِ امم

الطافِ غیب سے ہمیں لطفِ حیات دے
حالاتِ حاضرہ کے تعب سے نجات دے

مقبولِ کردگار، دُعائے بتولؑ ہے | یہ جو بھی عرضداشت کریں، وہ قبول ہے
دستِ علیؑ سے فتح جو سہل الحصول ہے | اِن کی زباں ریاضِ مقاصد کا پھول ہے

سَر ہیں وہ مرحلے بھی یہاں، جو پہاڑ ہیں
دو لب، درِ قبول کے گویا کواڑ ہیں

ان کی رضا، بہ فضلِ خدا۔ جلّ شانہٗ | مرضیِ حق سے کب ہے جدا۔ جلّ شانہٗ
وہ ہو گیا جو منھ سے کہا۔ جلّ شانہٗ | ہمرازِ کُن ہے اِن کی دُعا۔ جلّ شانہٗ

کس مالک و کنیز میں یہ رابطہ ہوا
تا عرش اِن کے دل سے ہے اک خط کھنچا ہوا

تاریک شب کا بدر، دعا فاطمہ کی ہے | مومن کا کشفِ صدر، دعا فاطمہ کی ہے
باطل کا دفعِ غدر، دعا فاطمہ کی ہے | فتحِ حنین و بدر، دعا فاطمہ کی ہے

فوجیں اُمڈ پڑیں جو رسولِ حجاز پر
رن کو چلے علی۔ یہ چلیں جانماز پر

تاریکیاں وہ رات کے مُوئے دراز کی | وہ جانماز زینتِ رسولِ حجاز کی
اک حق ہے، اک کنیز ہے اُس کارساز کی | کیسی دعائیں۔ باتیں ہیں راز و نیاز کی

موتی وہ آرزو کے اثر رولتا ہوا
لب بند، ہاتھ اٹھے ہوئے، دل بولتا ہوا

ــه یہ مرثیہ جناب حکیم محمد علی (طبیبی دواخانہ) کی فرمائش سے کہا گیا۔

اِن کی دعائیں امرِ خدا ، ناظمِ امور | لفظوں میں جن کی غیب، معانی میں ہے حضور
منسوب، فاطمہؑ ہی سے ہے وہ "دعائے نور" | جس کی ہر اک شعاع تجلائے برقِ طور

آغاز ہے بنامِ خدا، جو کہ نور ہے
آخر درود ہے، جو نشانِ شعور ہے

بہرِ دعا کھلیں جو لبِ معرفت مآب | کھُل کر درِ قبول پکارے کہ مستجاب
کر دیں دعا جس کے لیے بس وہ کامیاب | دے دیں یہ بد دعا جسے اس کا ہو گھر خراب

بوجہل و بولہب کی فنا اِن کی بد دعا
قہر و عذاب کی ہے انا، اِن کی بد دعا

مکّے میں گو رسولؐ پہ کیا کیا ستم نہیں | بیٹی کا دم قدم ہے سلامت، تو غم نہیں
اِن ننھے ننھے ہاتھوں کی طاقت کبھی کم نہیں | ہو پنجہ کش دعا سے، کسی میں یہ دم نہیں

بابا کے کام کب نہیں آئی ہیں فاطمہؑ
"مشکل" "میں ہوں نبیؐ تو کشائی" ہیں فاطمہؑ

حربے قدم قدم جو ہیں کفار راہ میں | پتلی کی ڈھال رکھتی ہیں ہر دم نگاہ میں
ڈالے جو خار و سنگ لعینوں نے راہ میں | چبھتے ہیں سب وہ اِن کے دلِ خیر خواہ میں

کانٹے ابولہب نے جو اکثر بچھا دیے
اِن کی دعا نے پھولوں کے بستر بچھا دیے

جس کے اثر شبوں کے سہارے ہیں، وہ دعا | سائے میں جس کے چاند ستارے ہیں وہ دعا
الفاظ جس کے وِرد ہمارے ہیں وہ دعا | قرآنِ رب میں جس کے اشارے ہیں وہ دعا

وہ ہو گیا وہیں، جسے بی بی نے کُن کہا
جب تو نبیؐ نے "فاطمہؑ بضعۃ" کہا

اک دن علی سے بولے یہ مولائے دوجہاں | کل صبح یا علیؑ ! میں تمھارا ہوں میہماں
ہمراہ ہوں گے چند صحابہ بھی میری جاں | بولے علیؑ کہ اھلاً و سہلاً شہِ زماں

یہ دن وہ تھا کہ دستِ خدا خالی ہاتھ تھے
فاقے سے تین روز کے بچّوں کے ساتھ تھے

اس فکر میں یہ رنگِ تبسّمِ جناں ہوا | اک شب میں روئے پاک کا گلشن خزاں ہوا
جب آسماں پہ مہرِ منوّر عیاں ہوا | خوانِ فلک پہ شاہِ سحر میہماں ہوا

احمدؐ، پئے عبادتِ ربِ جہاں اٹھے
شیرِ خدا بھی صورتِ شورِ اذاں اٹھے

جاگے نصیب مسجدِ پیغمبرِ انام | بہرِ نماز آئے رسولِ فلک مقام
یوں جلوہ گر نبیؐ کی معیت میں تھے امام | جیسے دورِ پاک کے ہمراہ ہے سلام

حیدرؑ، قریبِ حضرتِ خیرالانام تھے
اصحاب مقتدی تھے پیمبرؐ امام تھے

وہ فخرِ انبیاؐ کے عقب سرورِ حنینؑ | جیسے شرف میں بعدِ حسن منزلِ حسین
اللہ رے نمازِ شہنشاہِ مشرقین | دل عرش پر، تو جسم زمیں پر بہ زیب و زین

سر خم تھا اس ادا سے حضورِ الٰہ میں
سمٹے تھے لامکاں و مکاں سجدہ گاہ میں

وہ مقتدی کہ پیروِ پیغمبرِ زماں | سب رہروِ صراطِ شہنشاہِ مومناں
جس راہِ مستقیم کی "الحمد" مدح خواں | حق پر نثار۔ قدر کی سورت کے قدرداں

حاصل نماز پڑھ کے یہ اعزاز ہو گئے
سجدوں میں سر جھکے تو سرافراز ہو گئے

وہ مقتدا، امامِ رُسل، حق کے پیشکار | صورت وہ پاک جس سے کہ اخلاص آشکار
ایک ایک مقتدی کی یہ توقیر یہ وقار | محبوبؐ رب کی پشت پہ اور پیشِ کردگار

غل تھا نبیؐ کی قدر عیاں آج ہو گئی
امت کو بھی نماز میں معراج ہو گئی

فارغ ہوئے نماز سے جب سیدالبشرؐ | مولا خدا کے گھر سے چلے فاطمہ کے گھر
اصحاب با خدا بھی جلو میں تھے جلوہ گر | سلطانِ ھل اتیٰؑ متفکر، جھکائے سر

دل کی دعا۔ کریم! ندامت سے تو بچا
رزاقِ کائنات مری آبرو بچا

بیٹھے جو آکے خانۂ زہراؑ میں مصطفیٰؐ | حجرے سے فاطمہؑ یہ پکاریں۔ کہ مرتضیٰؑ
یہ خاصہ آکے لیجیے اے خاصۂ خدا | حیران و شاد پہنچے جو اندر شہِ ہدا

وہ فکر تھی، نہ سینے پہ عُسرت کا داغ تھا
خوانِ خلیل دیکھ کے دل باغ باغ تھا

خوش خوش، علی جو بنتِ نبیؐ کے قریب آئے | دیکھے وہ پھل کہ پھول کے مانند مسکرائے
پوچھا کہ یہ طعام حسنؑ یا حسینؑ لائے | کی عرض۔ وہ کریم ہے چاہے جسے کھلائے

رضوان دے گیا ہے ابھی مختصر یہ ہے
ملبوس میں پھلوں کے دعا کا ثمر یہ ہے

لائے نبیؐ کے پاس وہ کھانے جو مرتضیٰؑ | بولے یہ مسکرا کے صحابہ سے مصطفیٰؐ
اس بی بی کے وقار کی سوچو تو حد ذرا | دنیا میں جس نے خلد کی بخشی ہیں غذا

گویا وہ "مائدہ" مری دختر نے پایا ہے
جس کا بیان مصحفِ اکبر میں آیا ہے

ملہ دستر خوان، نیز قرآن پاک کے ایک سورے کا نام

زہرا تو پھر بھی احمد مختارؐ کی ہیں آل | فضہ سی خادمہ بھی ہے مقبولِ ذوالجلال
دعوت سے وہ نبیؐ کی جو اک دن ہوئی نہال | یہ دن وہ تھا کہ فاقے سے تھے فاطمہؑ کے لال

پڑھ کر نماز، ہاتھ دعا کو اٹھا دیے
بہرِ رسولؐ خلد کے کھانے منگا دیے

تصویرِ معجزاتِ پیمبر ہیں فاطمہ | شافع ہیں وہ، شفیعۂ محشر ہیں فاطمہ
بنتِ نبیؐ۔ اماموں کی مادر ہیں فاطمہ | ذریتِ کثیر کا کوثر ہیں فاطمہ

آئیں رموزِ نسلِ پیمبر لیے ہوئے
بوجہل کے لیے "ھو الابتر" لیے ہوئے

دریائے علم۔ قلزمِ عرفاں ہیں فاطمہ | مقصودِ کن بہ صورتِ انساں ہیں فاطمہ
جس کے ورق امام۔ وہ قرآں ہیں فاطمہ | اسلام اک کتاب ہے جزداں ہیں فاطمہ

عالم بڑے بڑے ہیں یہاں کس حساب میں
لونڈی تک ان کی پڑھتی ہے قرآں جواب میں

گنجینۂ متاعِ امامت ہیں فاطمہ | سرمایۂ رموزِ نبوت ہیں فاطمہ
بابا ہیں صبر اور قناعت ہیں فاطمہ | قرآں ہیں رسولؐ تو آیت ہیں فاطمہ

وقت آج تک صفی سے چلا تولتا ہوا
نفس ان کا ایک معجزہ ہے بولتا ہوا

محبوبِ کردگار کی دولت ہیں فاطمہ | بطحا کا دُر۔ منا کی بضاعت ہیں فاطمہ
واجب ہے جس کا پاس وہ طاعت ہیں فاطمہ | وجہِ وجوبِ اجرِ رسالت ہیں فاطمہ

ان کا جو آسرا نہ رکھے بدسرشت ہے
ان کی ولا کے سائے میں گویا بہشت ہے

جلوہ فروزِ بزمِ کرامت ہیں فاطمہ | رونق فزائے تختِ شفاعت ہیں فاطمہ
شمعِ منیرِ عرشِ رسالت ہیں فاطمہ | کرسیِ لامکانِ سیادت ہیں فاطمہ

حوّا و بوالبشر کی امانت بتول ہیں
نسلِ محمدؐی کی ضمانت بتول ہیں

بابِ افصح العرب ہے فصاحت ہیں فاطمہ | قرآن ہے بلیغ بلاغت ہیں فاطمہ
کوثر ہے جس کا نام وہ سورت ہیں فاطمہ | گویا دلیلِ ختمِ نبوّت ہیں فاطمہ

تین آیتوں نے پھیر دیے منھ ہزار کے
بھاگے فصیح اپنے قصیدے اتار کے

زیبندۂ لباسِ کرامت ہیں فاطمہ | خاتونِ حلّہ پوشِ طہارت ہیں فاطمہ
بانوئے جامہ زیبِ شفاعت ہیں فاطمہ | ماموربِ پردہ پوشیِ امّت ہیں فاطمہ

اپنے پرائے سب کی بہی خواہ فاطمہ
در پردہ اسمِ اعظمِ اللہ فاطمہ

جتنے رموزِ نور تھے آدم کی خاک میں | سب آ گئے سمٹ کے رخِ تابناک میں
ہے نخلِ طورِ کسبِ تجلّی کی تاک میں | دو چاند زانووں پہ ہیں تو نسلِ پاک میں

انوارِ کبریا کی یہ طلعت لیے ہوئے
اٹھیں نماز کو تو جماعت لیے ہوئے

انوارِ پاکِ عترتِ اطہار کی امیں | عزم آفریں کتابِ عمل۔ آیتِ مبیں
شہزادیِ مکرّمہ بادشاہِ دیں | قرآن رحلِ زانوئے سلطانِ مرسلیںؐ

سکّے ہیں عظمتوں کے دلوں پر پڑے ہوئے
آئیں سلام کو تو نبیؐ اٹھ کھڑے ہوئے

ماں ہیں ذبیحِ عصر کی اور رشکِ ہاجرہؑ | صدّیقہ و حلیمہؑ و زہرا و صابرہ
بانوئے حشر۔ سیّدۂ پاک۔ طاہرہ | اُمّ الکتاب۔ ہمسرِ الحمد۔ شاکرہ
طاعت قبول۔ عرض بھی منظور ہوگئی
جو سعی کی وہ شکر سے مشکور ہوگئی

دل بھی زباں بھی تابعِ حکمِ امام ہے | مالک بھی گھر کی۔ خادمہ بھی۔ یہ نظام ہے
جاروبِ خانہ مشغلۂ صبح و شام ہے | دشمن ہو یا کہ دوست، تواضع سے کام ہے
پیدا نہ ابروؤں میں کبھی دم بھر کجی ہوئی
ہے سادگی سے ذاتِ مطہّرہ سجی ہوئی

عصمت لباس اِن کا۔ ردا اِن کی ہے وقار | جب تو ہے انبیا کی طرح حق کو اعتبار
حیدرؑ سے پہلے دوشِ نبیؐ پر ہیں یہ سوار | بنتِ رسولؐ۔ عرش نشیں۔ اور خاکسار
ماں کا کرم سرشت میں ہے۔ فقر باپ کا
اخلاقِ مصطفیٰؐ زر و زیور ہے آپ کا

کس کو بجز بتولؑ یہ حاصل ہے امتیاز | طینت میں، وہ نیاز کہ خوش جس سے بے نیاز
علم و عمل وہ ہے کہ شریعت کو جس پہ ناز | روزہ ہے وردِ شام و سحر۔ مشغلہ نماز
امّت کی سرپرست یہ سایہ ولی کا ہے
سر پر ہے وہ ردا جو مصلّیٰ علیؑ کا ہے

سیکھے سبق یہ گھر سے انھیں کے خدا پرست | مثلِ نماز فرض ہے روزی کا بند و بست
محنت سے مضمحل، نہ مشقت سے دل ہے پست | سُبحہ بہ کف کبھی، تو کبھی آسیا بہ دست
خود پیستی پکاتی ہیں کیا کیا للک کے ساتھ
نانِ جویں غذا میں ہے وہ بھی نمک کے ساتھ

یہ حوصلہ جو زہد و ورع کا ہے ماحصل | سب کو کہاں نصیب ریاضت کا یہ پھل
امت کا گر لحاظ نہ فرمائیں برمحل | رہ جائیں ظالموں کے ابھی ہاتھ ہو کے شل

قبضے میں ہے دعا بھی۔ اثر بھی قبول بھی
اجلالِ حیدری بھی، جلالِ رسولؐ بھی

زہراؑ کی شان میں کوئی انسان کیا کہے | کچھ کم یہ آبرو ہے جو کوثر خدا کہے
وہ باپ جس کو خلقِ خدا نا خدا کہے | خالق بھی جس کے نام پہ صلِّ علیٰ کہے

وہ زوج مصطفیٰؐ نے جسے مستحق کہا
ناحق بھی گر کسی نے کہا تو بھی حقؑ کہا

وجہِ فروغِ ارض و سما اوجِ فاطمہ | شمعِ حریم بیتِ خدا زوجِ فاطمہ
گیارہ پسر، محافظِ دیں، فوجِ فاطمہ | قائم ہے آج فوجِ ظفر موجِ فاطمہ

پنہاں جو ابرِ غیب میں جلوہ ہے طور کا
سارا ظہور ہے اِسی بی بی کے نور کا

اِس نور سے مراد اجالا نہ ہے ضیا | یہ ہے اک استعارۂ کردارِ حق نما
اخلاق کا رجُل کے ہیں معیار مصطفیٰؐ | عورت کے خُلق کی ہیں مثال اشرف النسّا

عیسیٰ خلیق ہوں تو نبیؐ کا ظہور ہے
مریم کا دل ہو پاک تو زہرا کا نور ہے

زہرا کا نور۔ ظلمتِ کردار کا علاج | زہرا کا نور۔ زن کے لیے خیر کا رواج
زہرا کا نور عصمت و عفّت کے سر کا تاج | عفّت کے سر کا تاج۔ نبوت کا ہم مزاج

فرزند کا بدل ہے محمدؐ کے واسطے
خلد بریں کا پھل ہے محمدؐ کے واسطے

ے خدا

جب باغِ زندگی میں بسا گلشنِ خلیل
تشریف لائے دہر میں پیغمبرِ جلیل
بعثت کے بعد آئے جو اک روز جبرئیل
لائے جناں کے سیب کا اک تحفۂ جمیل
کی عرض۔ نذرِ کام و دہان و زباں کریں
یہ ہے غذائے روح، اسے نوشِ جاں کریں

محبوب نے وہ سیب لیا، آنکھوں پر رکھا
بولے کہ رازقِ دو جہاں شکر ہے ترا
یہ ایک پھل ہے مجھ کو دو عالم سے بھی سوا
جنت کی چیز، ہدیۂ دربارِ کبریا
کی عرض۔ اس ثمر میں فروع و اصول ہیں
کونین کے امام اسی پھل کے پھول ہیں

وہ پھل تراشتے ہی چمن گلفشاں ہوئے
گویا نہالِ طور کے جلوے عیاں ہوئے
حیرت زدہ جنابِ رسولِ زماں ہوئے
جبریل وصفِ سیب میں رطب اللساں ہوئے
کی عرض۔ کیا مزہ ہے ذرا کھا تو دیکھیے
پھر قدرتِ خدا کا شگوفہ تو دیکھیے

فرمایا مصطفیٰؐ نے جو اُس پھل کو نوشِ جاں
عصمت کی اک شعاع ہوئی دم بہ دم عیاں
نازل ہوئی جو وحی پیمبرؐ پہ ناگہاں
اُس نور کی امین ہوئیں فاطمہؑ کی ماں
جنت میں غل مچا کہ زیارت قریب ہے
پیہم پڑھو درود۔ ولادت قریب ہے

اب مدح خواں کا دل جو امنگوں کا باغ ہے
ہر شعر کی زمیں کا فلک پر دماغ ہے
احساس کے گلوں کو خزاں سے فراغ ہے
خوشبو چمن چمن تو چمن باغ باغ ہے
مہکی ہوئی جو آلِ کسا کی شمیم ہے
گلدستۂ بہشت ریاضِ نسیم ہے

ہے شادیِ ولادتِ دخترِ نبی کے گھر
کون و مکاں کا رخ ہے سوئے سیدالبشر
ہمسائیوں نے آنکھ پھرائی جو وقت پر
ہے مادرِ بتول کی اللہ پر نظر
صدمے جو بیکسی کے نبیؐ دل پہ سہ گئے
تَبَّتْ یَدَا اَبِی لَهَبٍ پڑھ کے رہ گئے

ناگاہ ایک سرخ عماری ہوئی عیاں
اتریں مثالِ وحیِ خدا چند بی بیاں
حیران ہو کے بولیں یہ خیر النسا کی ماں
اللہ آپ کون ہیں کیوں آئی ہیں یہاں
حواؑ پکاریں بڑھ کے میں خدمت کو آئی ہوں
آدمؑ صفی کی بی بی ہوں، زہرا کی دائی ہوں

مکے کی عورتوں کو ہماری بلا بلائے
جلتی ہیں بدنصیب۔ ہمیشہ خدا جلائے
یہ ہاجرہؑ ہے۔ آپ کے شوہر ہیں جس کے جائے
مریمؑ ہے وہ۔ ادب سے کھڑی ہے جو سر جھکائے
یہ آسیا ہے۔ نذر کو گوہر لیے ہوئے
سارا ہے وہ۔ بہشت کا عنبر لیے ہوئے

اے آفتاب! دیدۂ روشن کو بند کر
اے زالِ چرخ! دانۂ انجم سپند کر
اے جبرئیل! خلد کی زینت دوچند کر
اے روح! ہاں درود کے نعرے بلند کر
بطحا کی خاک، رشکِ دار السلام ہے
پیدائشِ بتول علیہا السلام ہے

اے بحرِ طبع! روک دے موجوں کو یک قلم
کوثر سے دھو زباں ثنا گر کو ایک دم
سدرہ سے مانگ لے پرِ جبریل کا قلم
پھر روشنائی حور کی پتلی سے کر بہم
بی بی کا تذکرہ ہو ذرا دیکھ بھال کے
پردہ حروف کا رخِ مضموں پہ ڈال کے

عصمت کا شور ہے، مری عظمت کے دن پھرے | طاعت کی ہے پکار۔ اطاعت کے دن پھرے
تسبیح کی صدا کہ عبادت کے دن پھرے | تطہیر کا بیاں کہ طہارت کے دن پھرے

پردے کی منزلت جو عیاں آج ہو گئی
اِس دن کی ہر گھڑی شبِ معراج ہو گئی

انعام خواہ آئے ہیں ڈیوڑھی پہ خیر خواہ | میکال و جبرئیل غلامانِ بارگاہ
ہر حورِ عیں بہ چشمِ ادب طالبِ نگاہ | آنکھیں ہیں آیتوں کی، تمنّایں فرشِ راہ

خوش خوش ہے ھَلْ اَتٰی کہ گدائی کو در ملا
ہے سربلند تاجِ شفاعت کہ سر ملا

وہ شب وہ آمد آمدِ مخدومۂ انام | حاضر ہیں آستانے پہ مشتاقِ فیضِ عام
تسبیح و ذکر و طاعت و حسنِ عمل تمام | تسلیم کو رضا۔ تو عبادت پئے سلام

ساتوں فلک جھکے ہیں غلامی کے واسطے
ڈنکا درود کا ہے سلامی کے واسطے

شب اڑ گئی۔ جو صبح تمنّا کو دیکھ کر | لی راہ کہکشاں نے تجلّا کو دیکھ کر
ڈوبا جو چاند طلعتِ زیبا کو دیکھ کر | زُہرہ بھی ماند پڑ گئی، زہرا کو دیکھ کر

والنجم سا جو روے دل آرا چمک گیا
غل تھا زمیں پہ عرش کا تارا چمک گیا

بیت الشرف میں آئے خبر سن کے مصطفٰیؐ | حوروں نے تہنیت تو فرشتوں نے دی دُعا
آئیں ہُمک کے گود میں جب اشرف النسا | گویا نبیؐ نے سورۂ مریم اٹھا لیا

بوسہ دیا جبیں پہ رسالت مآب نے
زُہرہ کو جھک کے چوم لیا آفتاب نے

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے معصومۂ انام | بولیں کہ ایک ہے مرا اللہ لاکلام
عادل مرا خدا ہے۔ قیامت مرا نظام | بابا مرا رسولؐ، پسر زوج سب امام
کلمہ سنالیا تو کلام آپ نے کیا
جب پڑھ چکیں درود، سلام آپ نے کیا

تالامکاں، گئی جو رخِ پاک کی ضیا | خود رحمتِ کریم نے آغوش میں لیا
خیر النسا لقب بھی دیا، نام بھی دیا | ہر رجس سے رسولؐ کی صورت بری کیا
تھا اِنّما یُرید کا غل ہر دیار میں
یہ پاک ہیں ارادۂ پروردگار میں

خوش ہوگئے فروع، تو شاداں ہوئے اصول | قدسی پکارے صلِّ علیٰ فاطمہ بتول
آئی ندائے غیب۔ مبارک ہو یا رسولؐ | یہ وہ کلی ہے جس سے کھلیں گے ہزار پھول
امّت میں عورتوں کی شریعت ہے فاطمہ
دینِ خدا کی نصف ضرورت ہے فاطمہ

یہ عورتوں کا فخر ہیں ایک ایک زن گواہ | مادر ہیں بے مثال حسین و حسن گواہ
زوجہ ہیں انتخاب۔ شہِ بت شکن گواہ | بیٹی ہیں لاجواب۔ رسولِ زمن گواہ
حق سب کے جانتی ہیں فقیہہ ہیں فاطمہ
بابا کے حق میں اُمِّ اَبیہا ہیں فاطمہ

شب زندہ دار ہیں۔ مہ و اختر سے پوچھ لو | حق مدح خواں ہے مصحفِ اکبر سے پوچھ لو
دربان جبرئیل ہیں۔ حیدر سے پوچھ لو | تنہا نساءنا ہیں پیمبر سے پوچھ لو
آئیں مباہلے میں تو سب دنگ رہ گئے
"معصومۂ جہاں ہیں" نصاریٰ بھی کہہ گئے

دیکھیں اگر یہود کی تاریخ کے ورق | پائی انھیں کے در سے انھوں نے بھی راہِ حق
خیبر میں سر جھکے، وہ علی نے دیا سبق | لیکن جھکائے فاطمہ نے دل بھی سوئے حق

حیدر سے بھی ہوا نہیں وہ کام رزم میں
جو کر دی جو فاطمہ نے عروسی کی بزم میں

تھا ملتِ یہود میں اک مرد زر پرست | مزدور و کشت کار کا خوں جس کی بود و ہست
قارونِ عصر، نشۂ آب گہر سے مست | دولت میں سربلند، متاعِ ہنر میں پست

عزت کو جانچتا تھا کسوٹی پہ نقد کی
تقریب اُس کے گھر میں تھی بیٹی کے عقد کی

تھے دور دور اُس کے مراسم یہاں وہاں | آئے تھے سات سو سے بھی کچھ بیش میہماں
زیبِ بدن کیے ہوئے ملبوسِ زرفشاں | انساں تھے یا حریر و جواہر کی گٹھریاں

سب خندہ زن تھے فقرِ رسالتمآب پر
ذرات دھول پھینکتے تھے آفتاب پر

ناگاہ میزبانِ شریر و ذلیل و خوار | کچھ سوچ کر چلا سوئے محبوبِ کردگار
کی عرض آ کے خدمتِ اقدس میں ایک بار | بیٹی کا میری عقد ہے، اے فخرِ روزگار

عورات کی طرف سے طلب ہے بتول کی
مشتاق ہیں زیارتِ بنتِ رسول کی

خُلقِ عظیم نے بہ تبسم دیا جواب | اے بھائی فاطمہ کے ہیں مالک ابوتراب
حاضر ہوا یہ سُن کے جو پیشِ علی شتاب | ہنس کر درِ علومِ نبیؐ نے کیا خطاب

ہاں | اپنی رضا ہے تابعِ مرضیِٔ فاطمہ
نہیں | جو ہو جوابِ مثبت و منفیِٔ فاطمہ

پہونچی جو گوشِ بنتِ پیمبرؐ میں یہ خبر | اِک مرتبہ لباس پہ حسرت سے کی نظر
ناگاہ آئے ہنستے ہوئے سیّد البشر | فرمایا میری جان! یہ دعوت قبول کر

زہراؑ نے کی یہ عرض کہ اچھا قبول ہے
کارِ ثواب ہے کہ رضائے رسولؐ ہے

خوش خوش علی کے گھر سے پھرے ختمِ انبیا | مژدہ سنا یہود نے۔ بولا کہ مرحبا
جا کر جو عورتوں کو خبر دی یہ جاں فزا | شادی میں ایک اور خوشی ہوگئی سوا

کہتی تھیں سب کہ فقر کی اب شان دیکھنا
توریت کہہ رہی تھی کہ قرآن دیکھنا

دولت کی مستیوں میں زنانِ ذلیل و خوار | بیٹھیں پہن کے زیور و ملبوسِ زرنگار
کرنے لگیں رسولؐ کی بیٹی کا انتظار | جن کا لباس شکر، تو زیور تھا انکسار

چلنے کا گھر سے عزم کیا جب جنابؑ نے
تجدید کی وضو کی طہارت مآب نے

تمہیدِ کار ان کی جو تھی مرضیِ اِلٰہ | کھولا وضو کے بعد مُصلّیٰ بہ عزّ و جاہ
کھلتے ہی جانماز۔ کھلی قربِ حق کی راہ | خود بول اٹھا قیام کہ قد قامت الصّلوٰۃ

بابِ قبول بندھتے ہی نیّت کے کُھل گیا
دل خوفِ کبریا کی ترازو میں تُل گیا

نیّت وہ پاک جس سے عبادت ابد قرار | لہجے میں وہ گداز کہ اخلاص کا وقار
اتنا حضورِ قلب کہ رحمت سے ہمکنار | کُل جسم جانماز پہ۔ دل پیشِ کردگار

تکبیر لوں تھی نیّت باطل شکن کے بعد
جیسے گلاب سرخ کھلے یاسمن کے بعد

وہ لہجۂ بتول کہ داؤد کو نشاط | الحمد۔ محو حمد و ثنا۔ رب کو انبساط
ایاک نعبد، میں وہ خالق سے اختلاط | جس کی ادا پہ خضر کہیں اہدنا الصراط

کُل نعمتیں فدا ہوں صراط الذین پر
مد کی کشش سے تیغ چلے ضآلین پر

وہ حق کی بارگاہ وہ بنتِ شہِ حُنین | جُز رویت اور کوئی نہ پردہ تھا جانبین
اعضائے پاکِ دخترِ سلطانِ مشرقین | وقتِ قیام الف، تو بوقتِ رکوع عین

ثابت یہ راز اس سے بصد زیب و زین ہے
اسلام کا الف ہی عبادت کا عین ہے

وہ محوِ طاعتِ صمدی جسم و قلب و جاں | وہ جسم و قلب و جاں کہ ہے تطہیر مدح خواں
لب ہائے پاک، وحیِ الٰہی کے ترجماں | ذی قدر وہ کہ قدر کی سورت بھی قدرداں

حاصل نہ کچھ نیا انھیں اعزاز ہو گیا
سجدہ خود ان کے سر سے سرافراز ہو گیا

بعد از نماز اُٹھا کے کہا دستِ التجا | سب تیرے ہاتھ عزت و ذلت ہے اے خدا
اپنے لیے میں کچھ نہیں طالب بجز رضا | لیکن یہاں سوال ہے حق کے وقار کا

عُسرت میں اہلِ زر کے یہاں جا رہی ہوں میں
تیرے نبیؐ کا حکم بجا لا رہی ہوں میں

حق سے یہ عرض کر کے چلیں بنتِ مصطفیٰ | فضہ عقب میں۔ رحمتِ معبود پیشوا
پیوند تھے جو چادرِ اقدس میں جا بجا | اُترا فلک سے خلعتِ انعامِ کبریا

دیکھا جواب بتول نے اپنے لباس کو
قدرت نظر پڑی نگہِ حق شناس کو

زرتار و زرنگار و مرصّع وہ پیرہن
چادر حریرِ خُلد کی، تاروں سے گُلبدن
زیور جواہرات کے ضَوپاش و ضَوفگن
سونے کا تاج، مہرِ منوّر پہ خندہ زن
روح الامین نُور کا حلقہ کیے ہوئے
حوروں کے غول گوشۂ چادر لیے ہوئے

پہونچیں جو اس حشم سے یہودی کے گھر حضورؑ
یہودنیوں کے ہوش اڑے دیکھ کر یہ نور
اک دم چمک کے رہ گئی آنکھوں میں برقِ طور
غش کھا گئے کلیم صفت سب قریب و دور
اک اک نفس جو عالمِ حیرت میں کھو گیا
سکتہ دلھن کا موت میں تبدیل ہو گیا

ماتم سرا جو دم میں وہ شادی کا گھر بنا
مہندی چھڑا کے۔ ہاتھوں کو ملنے لگا بنا
مٹی میں مل گئی جو امیری کی سب انا
نادارئ بقا پہ ہنسی دیر تک فنا
موجِ غرور عجز کے جھونکے میں بہہ گئی
سر پیٹ کر جسارتِ بے باک رہ گئی

روئی دلھن کی ماں جو بہ اندازِ دل گداز
تڑپا بتولؑ کا دلِ انسانیت نواز
کھولا خلوصِ دل سے مصلّیٰ بصد نیاز
بعد از نماز۔ رو کے کہا۔ میرے کارساز
بیٹی کے غم سے ماں کو الٰہی نجات دے
صدقہ حسینؑ کا! اسے تازہ حیات دے

دیکھا نگاہِ خلق نے طُرفہ یہ ماجرا
تیرِ دُعا چلا کہ لرزنے لگی ہوا
بدلی فضا تو ڈر کے ہوا ہوگئی قضا
خود روح چھوڑ کر، ملک الموت بھی چلا
غُل تھا کہ معجزہ یہ دکھایا بتولؑ نے
مردے میں جان ڈال دی بنتِ رسولؐ نے

دختر نے جب پڑھا کلمہ اُٹھ کے ایک بار
ماں پائے فاطمہ پہ گری ہو کے بے قرار
ایمان لائے اور بھی گمراہ بے شمار
تبلیغ ایسے ہوتی ہے بے تیغِ آبدار

اے منکرو! یہ صاحبِ قدرت ہے فاطمہ
اب تو کہو کہ نورِ رسالتؐ ہے فاطمہ

قدرت کے کام میں جو نصیب اقتدار ہے
یہ اقتدار دیدۂ حاسد میں خار ہے
بابا کے دم قدم سے یہ سارا وقار ہے
بابا نہ ہوں تو آہ بھی پھر ناگوار ہے

بعد از نبیؐ نگاہ جو دنیا کی پھر گئی
بابا کی سوگوار مصائب میں گھر گئی

تھا یاد میں نبیؐ کی جو زہرا کا غیر حال
آنکھوں میں اٹھتے بیٹھتے آنسو تھے دل نڈھال
حیدرؑ شریکِ غم تھے اور اطفال خورد سال
ان کے سوا کسی کو نہ تھا ان کا کچھ خیال

روتی تھیں سر پٹک کے مزارِ رسولؐ پر
ٹوٹی تھی اِک قیامت کبریٰ بتولؑ پر

آدمؑ صفی بھی روئے تھے بچھڑا تھا جب پسر
یعقوبؑ بھی رہے تھے کئی سال نوحہ گر
اک حد پہ جا کے اُن کے تو آنسو رکے مگر
دو غم نصیب روئے زمانے میں عمر بھر

اک عابدِ مریض حسینؑ شہید کو
اک فاطمہؑ غریب رسولؐ مجید کو

یوں پیٹتی تھیں بضعۂ قلبِ محمدیؐ
کھائیں کبھی پچھاڑیں، تو غش آ گیا کبھی
پیٹا جو سر تو گردشِ گردوں ٹھہر گئی
ماتم کیا تو ہلنے لگی تربتِ نبیؐ

روئیں تڑپ تڑپ کے شہِ مشرقین کو
جیسے بلک بلک کے سکینہ حسین کو

نوحہ پڑھا جو یاد میں بابا کی صبح و شام | لائے علی کے پاس شکایت یہ خاص و عام
روتی ہیں رات دن جو بتولِ فلک مقام | دن بھر کے کام رات کی نیندیں ہوئیں حرام
کتنے ہی اس سے بڑھ کے بھی مغموم ہوتے ہیں
مرتے ہیں سب کے باپ۔ کہیں یوں بھی روتے ہیں

بیت الشرف میں شام و سحر یا ابوالحسن | نوحے کا غُل ہے ماتم و فریاد کے سخن
اتنا دلوں پہ شاق ہے بی بی کا یہ چلن | ہجرت پہ تُل گئے ہیں مدینے کے مرد و زن
کہیے بتول سے کہ نہ یوں رہ سکیں گے ہم
رونا نہ چھوڑیے گا تو گھر چھوڑ دیں گے ہم

ہر وقت رونے دھونے سے تنگ آ گئے ہیں سب | دکھ دیکھیے نہ امتِ بابا کو بے سبب
مل جل کے سب کے ساتھ میں رہنا اگر ہے اب | گھر میں نہ بین کیجیے بنتِ شہِ عرب
دن بھر تو آنسوؤں سے یہاں منھ بھگوئیے
بستی سے دور رات کو جنگل میں روئیے

سن کر مدینے والوں کا یہ دل شکن پیام | تھے صابر و حلیم مگر رو دیے امام
جا کر حرم سرا میں سنائے جو یہ کلام | اک آہ بھر کے رہ گئیں بنتِ شہِ انام
اتنا کہا۔ حضورؐ کچھ ان کے کبھی نہ تھے
میرے ہی باپ تھے وہ کسی کے نبیؐ نہ تھے

جا کر یہ ان سے کہیے کہ زہرا ہے غم نصیب | رونے سے روکتے ہو نہ روئے گی یہ غریب
وہ چل بسا جو تھا مرے ہر درد کا طبیب | تم گھر نہ چھوڑو میری ہی رخصت ہے اب قریب
رونا ہے ناگوار تو ٹل جاؤں گی کہیں
بچوں کو لے کے شب میں نکل جاؤں گی کہیں

بابا کی یاد میں مجھے دم بھر نہیں ہے چین | تڑپوں گی جب تو کس سے رکے گا یہ شور و شین
اب مجکو اذن دیجیے اے سرورِ حسنین | میں رات بھر بقیع میں جا کر کروں گی بین

سن کر علی کی آنکھوں کے ساغر چھلک پڑے
اس بے بسی کے حال پہ آنسو ٹپک پڑے

اس گفتگو کے بعد یہ معمول ہو گیا | تا شام گھر میں رہنے لگیں بنتِ مصطفیٰ
روئیں یہاں ضرور مگر گھونٹ کر گلا | پڑھ کر عشا بقیع میں آئیں بصد بکا

ماتم کبھی ساری رات کیا اور بین بھی
سب روئے بیٹیاں بھی حسن بھی حسین بھی

خاکِ بقیع پر تھا گھٹا لوٹ اک شجر | شبنم سے ان غریبوں کی وہ بن گیا سپر
آفاتِ آسماں سے بچے غنچہ ہائے تر | یہ بھی نہ دشمنوں کو گوارا ہوا مگر

اہلِ جفا نے وقت کا اندازہ تاڑ کے
اس نخلِ سایہ دار کو پھینکا اکھاڑ کے

اب زیرِ سائبانِ فلک رہ گئیں بتول | ڈر تھا ٹھٹھر نہ جائیں کہیں اوس میں یہ پھول
وہ بادِ تند وہ گلِ گلدستۂ رسولؐ | شبنم کے بھیس میں مرض الموت کا نزول

آیا بخار۔ فاطمہ بیمار ہو گئیں
بابا کے پاس جانے کو تیار ہو گئیں

واپس گئیں جو گھر تو ہوئیں صاحبِ فراش | ابھرے تصورات و خیالاتِ دلخراش
رحلت کروں گی میں تو جب اٹھے گی میری لاش | بچوں کے ننھے ننھے جگر ہوں گے پاش پاش

سب بیٹیاں کبھی بیٹے بھی آنسو بہائیں گے
بکھرائیں گی وہ بال تو یہ خاک اڑائیں گے

تڑپا دیا جو دل کو تخیل نے ناگہاں | تب مامتا کے جوش میں اٹھی غریب ماں
زلفیں سنواریں بچیوں کی۔ بدلیں کرتیاں | جب چادریں اڑھائیں تو آنسو ہوئے رواں

بیٹوں کو روزِ عید کا جوڑا پنھا دیا
گویا حسنؑ حسینؑ کو دولھا بنا دیا

آئے علیؑ جو گھر میں تو بولے یہ دیکھ کر | بنتِ رسولؐ اب تو ہے صحت کسی قدر
آراستہ ہیں سب جو مرے غنچہ ہائے تر | کنبے میں آج جائیے گا کیا کسی کے گھر

بولیں بتول۔ اور ہے جانا کہاں مجھے
دعوت جناں کی دے گئے ہیں بابا جاں مجھے

آئے تھے خواب میں وہ ابھی تو دمِ سحر | درپیش اب مجھے ہے بہت دور کا سفر
کی ہو کنیز نے کوئی لغزش کبھی اگر | للہ بخش دیجیے یا شاہِ بحر و بر

حضرت کسی خیال سے تھرا کے رہ گئے
اور فاطمہؑ کے عذر پہ شرما کے رہ گئے

بولے کہ بس خلاصۂ آلِ رسول بس | خدمت میں کب کیا ہے بھلا تم نے پیش و پس
ہم کو نہ تھا جو دولتِ دنیا پہ دسترس | تم نے گزارا آسیہ سائی میں ہر نفس

جنت میں جب ملو گی رسولِ غیور سے
چھالے ہتھیلیوں کے چھپانا حضورؐ سے

روتے ہوئے یہ کہہ کے چلے گھر سے مرتضیٰ | بچے گئے مزارِ نبیؐ پر پئے دعا
حجرے میں آئیں دخترِ محبوبِ کبریا | پڑھ کر نماز رو کے یہ کی حق سے التجا

یارب تجھے جنابِ پیمبرؐ کا واسطہ
میرے گناہ بخش دے حیدرؑ کا واسطہ

بعد از دعا جو خطِ وصیت رقم کیا | رک رک کے ہر مقام پہ بی بی نے کی بکا
طے کر کے پھر مصلّے پہ اس خط کو رکھ دیا | یٰسین پڑھ کے لیٹ گئیں اور کی قضا

فضّہ تڑپ کے روئی کہ بی بی گزر گئیں
بچّوں کو پالنے بھی نہ پائیں کہ مر گئیں

سب گھر میں آگئے یہ سنا جبکہ شور و شین | تڑپیں زمیں پہ زینب و کلثوم کر کے بین
رو رو کے ماں کی لاش سے لپٹے حسن حسین | مسجد سے آئے بال بکھیرے شہِ حنین

غُل پڑ گیا کہ ہائے مدینہ اجڑ گیا
احمد کے اہلِ بیت میں کہرام پڑ گیا

ماتم کیا کسی نے تو پیٹا کسی نے سر | غش میں پڑا تھا کوئی تو کوئی تھا نوحہ گر
ناگاہ بوتراب کو وہ خط پڑا نظر | مضموں پڑھا تو رونے لگے دھاڑیں مار کر

نشتر تھا اہلِ دل کو یہ فقرہ بتولؑ کا
یہ آخری سلام ہے بنتِ رسولؐ کا

فرمائشوں سے میں جو گریزاں رہی مدام | اب بھی بیان کرنے سے شرم آئی یا امام
دل کی یہ آرزو ہے کہ اے سرورِ انام | خود غسل دیں کنیز کو مولائے خاص و عام

بابا کا واسطہ مجھے دلشاد کیجیو
میرے حسین کو کبھی رونے نہ دیجیو

جب میرے بعد عقد کریں سرورِ عرب | بی بی وہ لائیں نیک ہو جس کا حسب نسب
بچّے جسے یہ سمجھیں ہماری یہاں ہیں اب | امّ البنین جیسے کہیں سنتی تھیں یہ سب

تعلیم دی وہ اپنے کلیجے کے چین کو
زینبؑ کو بی بی اور کہا آقا حسینؑ کو

سب سے اہم یہ عرض ہے یا شاہِ انس و جاں | لونڈی کو شب میں دفن کریں سرورِ زماں
اب تک یہ جن کے دُرّے کا بازو پہ ہے نشاں | ان کو نہ چل سکے یہ پتا قبر ہے کہاں

خواہش یہ آخری نہ فراموش کیجیو

میرا جہیز سب مری زینب کو دیجیو

کیوں یار و اس جہیز کا انجام کیا ہوا | سب کربلا میں نذرِ سپاہ جفا ہوا
مشکیزے پر حسین کا بازو فدا ہوا | بستر حرم سرا میں پڑا تھا جلا ہوا

شبّیر وقت عصر جو زینب سے چھٹ گئے

چادر بھی بازو بند بھی مقتل میں لٹ گئے

پھر رو کے کربلا سے چلو اب علیؑ کے گھر | زہرا کو غسل دیتے ہیں مولائے بحر و بر
محسن کو صبر کر چکے تھے مرتضیٰؑ ۔ مگر | پہلو کا گھاؤ آج یکایک پڑا نظر

پٹکا زمیں پہ سر سے عمامہ اتار کے

رویا علیؑ سا شیر جری چیخ مار کے

بی بی کو غسل دے کے جو پہنا دیا کفن | بچوں کو بو تراب پکارے بصد محن
آؤ ۔ کہاں ہو زینب و کلثوم خستہ تن | پیارے مرے حسین، دلارے مرے حسن

صورت پھر اماں جان کی اک بار دیکھ لو

بنتِ نبیؐ کا آخری دیدار دیکھ لو

یہ سن کے روتے پیٹتے سب آئے نورِ عین | فضّہ تڑپ گئی وہ کئے بچیوں نے بین
بیٹا حسنؑ نے سر کو مسلسل بہ شور و شین | لپٹے جو نعش پاک سے غش کھا گئے حسین

مر کر بھی یہ دکھائی کرامت بتولؑ نے

باہیں گلے میں ڈال دیں بنتِ رسولؐ نے

روتی تھی کائنات وہ منظر بیاں ہو کیا | شورِ بُکا ہیں اور یہ محشر ہوا بپا
آیا جو ہوش رو کے پکارا وہ مہ لقا | باہیں علی نے جھک کے چھڑائیں بصد بکا

اماں حضور چھوڑ کے ہم کو کہاں چلیں
ہم بھی وہیں کو جائیں گے بی بی جہاں چلیں

تابوت لے کے ہاتھوں پہ تنہا چلے جناب | مشکل سے لاڈلے کو منا کر ابو تراب
سن لیں نہ غیر اس لیے رونے سے اجتناب | بچے بھی ساتھ اور کنیزیں بھی ہمرکاب

یہ سب تھے ضبطِ گریہ و نوحہ کیے ہوئے
تاریکیاں تھیں رات کی پردہ کیے ہوئے

واغربتا وہ بیٹیوں کی وارداتِ شام | واحسرتا یہ ماں کے جنازے کا اہتمام
دربار میں اسیروں کے آنے کی دھوم دھام | بازار میں وہ بہرِ تماشا ہجومِ عام

دُرّہ اٹھائے شمرِ جفا پر تُلا ہوا
بازو بندھے ہوئے۔ سرِ زینب کھلا ہوا

بسمل ہیں غم سے رتبہ شناسانِ فاطمہ | خاموش اے نسیمِ گلستانِ فاطمہ
اشکِ عزا انھیں کے ہیں شایانِ فاطمہ | وہ کیوں نہ روئیں جن کو ہے عرفانِ فاطمہ

دنیا و دیں میں ان کے مراتب عظیم ہیں
یہ قدر دانِ آلِ رسولِ کریم ہیں

فردوسِ بریں میں کیا دھرا ہے | مداحِ آل میں مزا ہے
قرآن بھی میرا ہمنوا ہے | منبر پہ ہوں عرش مل گیا ہے

پیہم جو یہ "بند" کہہ رہا ہوں
اپنے "بندوں" کا ناخدا ہوں

یہ طاعتِ حق بھی ہے ثنا بھی | ملتا ہے صلہ بھی، مدعا بھی
یثرب بھی، نجف بھی، کربلا بھی | حیدر بھی، نبیؐ بھی، کبریا بھی

مداح کے ساتھ میں خدائی
ممدوح کے ہاتھ میں خدائی

گلدستۂ مدح بے بدل ہے | یہ علم و عمل کا ماحصل ہے
جو پھول جہاں ہے، برمحل ہے | برسوں کی ریاضتوں کا پھل ہے

جب داغ سہے تو باغ پایا
جو گل نہ ہو وہ چراغ پایا

ہے میرے چمن کی گلفشانی | اولادِ نبیؐ کی مدح خوانی
وہ پائی ہے طبع نے روانی | کوثر ہے خجل۔ لبن ہے پانی

رحمت سے جنابِ کبریا کی
برسات ہے مدحت و ثنا کی

آمد ہے یہاں ۔ گریز و رَم بند | ہے دُرجِ دہن میں جامِ جم بند
پر حاسدوں میں ہیں جو قلمبند | حیرت سے ہوئے ہیں اُن کے دم بند

باندھی ہے ہوا نسیم ہوں میں
موسیٰ کی قسم! کلیم ہوں میں

کیا غم مجھے تن جو ناتواں ہے | دل میں طاقت، قلم میں جاں ہے
پیری پہ جو خندہ زن جہاں ہے | اے پیر! مرا سخن جواں ہے

دیتے ہیں یہ سب کلامِ حیدر
کام اُن کا عطا ہے، نامِ حیدر

حیدر ۔ صفدر ۔ شجاع ۔ غازی | باطل کُش و صف شکن ۔ نمازی
ہے جن کے عمل کی بے نیازی | اللہ کا دستِ کارسازی

مرکز ہیں ولا کے اور ولی ہیں
اعلیٰ ہیں ۔ عظیم ہیں ۔ علی ہیں

بے اُن کے ہے بزمِ علم سونی | یہ ہوں، تو بہار آئے دونی
مٹ جائے نصیب کی زبونی | شیریں لہجہ، ندا سلونی

لیتے ہیں مزہ بیان والے
لب چاٹتے ہیں زبان والے

ؔ لطف یہ ہے کہ حضرت علی نے ایک دن منبر پر ارشاد فرمایا تھا سَلُونِی قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُونِی یعنی اے لوگو جو پوچھنا چاہو مجھ سے پوچھ لو، قبل اس کے کہ تم مجھے گم کرو (یعنی میرے مرنے سے پہلے تم جو بات پوچھنا چاہو مجھ سے پوچھ لو)

ہے فتح مبیں قتالِ حیدر | غزووں کا مآل۔ مالِ حیدر
ایماں کی جِلا، جلالِ حیدر | اَکْمَلْتُ لَکُم کمالِ حیدر

سارے ہیں یہ کام کبریا کے
بندے ہیں کمال ہیں خدا کے

جرأت کا ثبوت لافتا ہے | شفقت کی دلیل ہل اتیٰ ہے
عصمت کا مقام اِنّما ہے | کافی مدحت ہیں قُل کَفا ہے

یہ قول نہیں ہے اختلافی
اللہ شافی، علی ہیں کافی

کیا جیت سکیں گے مجھ سے بَیری | شرّی ہیں وہ سب تو میں ہوں خیری
تھا شاملِ بزم اک جو غیری | کانٹوں میں الجھ گیا نصیری

اس کا وہ خدا ہے جو ولی ہے
میرا اللہ بھی علی ہے

بے حبِّ علی نماز باطل | صوفی کا دمِ دراز باطل
ہر نغمۂ نَے نواز باطِل | مضراب نہ ہو تو ساز باطِل

بے تان کے دُھن کبھی بنی ہے
جھن جھن جھن جھن جھنا جھنی ہے

خاکی، ناری، ہوائی، آبی | نیلے، پیلے، ہرے، گلابی
مانا کہ ہیں نیک سب صحابی | پائی ہے کسی نے بوترابی

آئے۔ کوئی ہو اگر علی سا
سب جھانک کے آئے ہیں کلیسا

کلمہ سب نے پڑھا ہے اب سے | محبوب کا دم بھرا ہے اب سے
رشتہ پیدا کیا ہے اب سے | حیدر میں یہ وصف کیا ہے اب سے

ماضی میں بھی اور حال میں بھی
اصحاب میں بھی ہیں، آل میں بھی

پائے گا یہ منزلت کوئی خاک | نور اِن کا ہے جزوِ احمدِ پاک
جس کی ہے ثنا، بہ حدِّ ادراک | لولاکَ لَمَا خَلَقْتُ الافلاک

وہ مدح سرائے مرتضیٰ ہے
اس نے انھیں عینِ حق کہا ہے

یہ مصحفِ نور کا ہیں پارا | جلووں سے کریم نے سنوارا
ذالنجم کے بخت کا ستارا | تارہ، دیدار کو اتارا

کس کس کی چمک ہے ماند دیکھو
مہتاب چھٹی ہے۔ چاند دیکھو

لائے تھے یہاں رسولِ مختار | دو خیرِ تمام بہر اشرار
قرآنِ مبیں اور ایک تلوار | بازو تھا جسے علی کا درکار

اس تیغ کو دیں کیا علی نے
بجرد کو حسیں کیا علی نے

؎ خدائے تعالیٰ نے حدیث قدسی میں اپنے حبیب سے فرمایا کہ اے حبیب اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو یعنی کل کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ کل کائنات کو پیدا کرنے کی غرض و غایت تیری ذات ہے۔ یہ سب کچھ تیرے لیے پیدا ہوا ہے۔

یہ خلق کے سرپرست و ہادی | مشکل کی کشود کے ہیں عادی
جس نے، دل سے، جہاں ندا دی | اس کی، بگڑی، وہیں بنا دی

تقدیر کو پھیر سے بچایا
سلمان کو شیر سے بچایا

عرفانِ حیدر، یقین حیدر | بنیادِ اصولِ دین حیدر
قتالِ منافقین حیدر | یٰسین کے ہیں، مُبین حیدر

گو زیرِ نگیں ہیں، پر نگیں ہیں
خاتم کے وزیرِ اوّلیں ہیں

مولا کی مرے وِلا عبادت | جو دل سے ہو وہ ثنا عبادت
پھر تذکرۂ وفا عبادت | صورت کو بھی دیکھنا عبادت

ہیں دل کا ورق جو دیکھتا ہوں
مشغولِ عبادتِ خدا ہوں

یہ صائم روز و قائم شب | اللہ کے ہر نفس مقرب
پایا ہے جو عبدیت کا منصب | معبود نما ہیں بندۂ رب

سجدے میں بھی یہ اگر پڑے ہیں
معراج میں عرش پر کھڑے ہیں

یہ عینِ خدا ہیں، حق نگر ہیں | یہ بزم فروزِ بحر و بر ہیں
یہ جسمِ محمدؐ کے سر ہیں | یہ علمِ محمدیؐ کے در ہیں

اب چاہیے یہ حدیث سُننی
وہ علم ہے یہ جو ہے لَدُنّی

یہ خدائے پاک کا ارشاد جس کے معنی ہیں میرے پاس سے یا میری طرف سے۔

مٹھی میں ہے قسمتِ زمانہ | قبضے میں جہاں کا کارخانہ
بیگانہ ہو یا کوئی یگانہ | تقسیم یہاں ہے عادلانہ

اب موج ہے صاحبِ ولا کی
قاسم ہیں علی۔ قسم خدا کی

یہ عونِ خدا ہیں فی النوائب | ظاہر اور مظہر العجائب
ہنگامِ مدد خدا کے نائب | موجود۔ مگر نظر سے غائب

مشکل رو کے تو بڑھ کے دیکھو
تم نادِ علی تو پڑھ کے دیکھو

کونین کے یہ ولیؔ و والی | ہیں چاند۔ مگر کلف سے خالی
ہے اِن کی ولا جنابِ عالی | معیارِ تولّدِ حلالی

جَل بُھن کے نہ مدّعی سے لڑیے
وہ کہہ گئے ہیں، نبیؐ سے لڑیے

ہے اپنے پرائے کا وظیفہ | وہ دہر کی سورت شریفہ
جو اِن کی ثنا کا اک صحیفہ | اللہ کا لطف اور لطیفہ

اب دل میں جو ان کا بغض پالے ے داغ دھبا
قرآن سے ھل اتیٰ نکالے

قرآن و ابوتراب دونوں | خلقت میں ہیں لاجواب دونوں
اک باغ کے ہیں گلاب دونوں | اک بحر کی موج آب دونوں

لن عہ یتفرقا کا ساتھ دیں گے
کوثر پہ نبیؐ سے جا ملیں گے

عہ رسولؐ نے فرمایا کہ قرآن اور اہل بیت کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس دونوں حوض کوثر پر پہنچیں گے

انصاف کا اب نہ کیجیے خون | ہے صاف یہ منزلت کا مضمون
موسیٰ زماں کے ہیں یہ ہارون | تشبیہ ہے تام حسبِ قانون

وہ ساتھ اخی کے ہیں خلیفہ
یہ ساتھ نبیؐ کے ہیں خلیفہ

قرآں میں جو اِنّما[1] ولی ہے | یہ نقشِ ولایت جلی ہے
اللہ و نبیؐ ہیں اور علی ہے | گلزار ہے، گل ہے، اور کلی ہے

گو پھول جدا جدا کھلے ہیں
آیت میں مگر ملے ہیں

جنّت کے شجر۔ شجر کے اوراق | محراب، جدار، کھڑکیاں، طاق
حورانِ جناں کی چشم مشتاق | کرسی کا مقام۔ عرش کی ساق

ہر شے سے ولی کی ضو جلی ہے
ہر در پہ رقم علی علی ہے

یہ سابقِ بزمِ ذوالعشیرہ[2] | یہ معدنِ ارتضا کا ہیرا
حاسد کا کلیجہ جس نے چیرا | آنکھیں تھیں بڑے بڑوں کی خیرہ

کب تھا کسی سورما سے ہیٹا
بوطالبِ پُر جگر کا بیٹا

---

[1] انّما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ

[2] خاندان والوں کی دعوت جو رسول نے بعثت کے بعد کی تھی اور اس میں سب سے پہلے علی ایمان لائے تھے۔

اکسیر ہے خاکِ پا علی کی | ہے عرشِ علا پہ جا، علی کی
ایمان ہے کیا؟ ولا علی کی | الحمد ہے کیا؟ ثنا علی کی

مضطر تھے نبی برائے حیدر
قرآں سے پہلے آئے حیدر

آئے بمثلِ کتاب آئے | غل تھا۔ فصل الخطاب آئے
گیتی پہ ابو تراب آئے | صلوات پڑھو، جناب آئے

گو شکلِ بشر ہوئے ہیں پیدا
اللہ کے گھر ہوئے ہیں پیدا

پیدا بھی ہوئے بہ شکلِ اعجاز | قدرت کے دکھا دیے ہیں انداز
یکجا ہیں نیاز مندی و ناز | سمٹا ہے حرم میں عالمِ راز

دیوار خموش۔ در مقفّل
وارث جو نہیں تو گھر مقفّل

گلچیں ہے کوئی، نہ گل، نہ گلرو | مہکی ہے گلِ ازل کی خوشبو
انساں کے عوض ملک ہیں ہر سُو | ہے بیتِ الٰہ عالمِ ہُو

گھر ہے ظاہر۔ مکیں نہاں ہے
مفہومِ مکاں میں لامکاں ہے

اندھیاری جو ہر طرف ہے چھائی | ہے چاند نے چاندنی بچھائی
ناگاہ پئے طواف آئی | حیدر کی ماں۔ اسد کی جائی

ناہید تھی منزلِ شرف میں
تھا درِ نجف مگر صدف میں

گھر غیر سے صاف کر رہی تھیں | شیطان سے مصاف کر رہی تھیں
تطہیرِ مضاف کر رہی تھیں | کعبے کا طواف کر رہی تھیں

مرکز کی کشش میں ضم تھا نقطہ
پرکار تھیں یہ، حرم تھا نقطہ

ناگاہ محل کے درد اٹھا | ماتھے سے عرق زمیں پہ ٹپکا
ڈھونڈا کوئی امن کا جو گوشہ | ستار تھا، یا حرم کا پردہ

پردے کو ہوا پٹخ رہی تھی
دیوارِ حرم بہ چیخ رہی تھی

در بند، حرم میں کیسے جائیں | اسرارِ نہاں کہاں چھپائیں
دیوار پکاری غم نہ کھائیں | گھر کے مالک جدھر سے آئیں

دیکھو مری گود یہ کھلی ہے
قدرت امداد پر تلی ہے

اک چشمِ کرم ہو اب اِدھر بھی | پاؤں بھی اٹھاؤ اور نظر بھی
گھر والا بھی آپ کا ہے گھر بھی | دیوار بھی ہوں میں اور در بھی

دیوار ہوں گر ہجوم آئے
دَر ہوں جو درِ علوم آئے

اُس دَر سے گئیں حرم کے اندر | رحمت کے تمام کھل گئے دَر
وہ در جو کھلا تھا بہرِ حیدر | انگڑائی کا اک دکھا کے منظر

غائب جو ہوا، نہ پھر کہیں تھا
دیوار میں بال تک نہیں تھا

ساقی مرے دل کو بے کلی ہے | کیا طبع رکے جو منچلی ہے
سرمست ہوں وہ ہوا چلی ہے | کعبے میں ولادتِ علی ہے

سودائے پاک کا ہے سر میں
لڑکا ہوا ئمہ یلد کے گھر میں

ٹوٹا مجھے ہجر کے مزے نے | آ جا مرے دل کی ناو کھینے
آیا ہے فقیر بھیک لینے | لینے کے کہیں پڑیں نہ دینے

مل جائے علی کے نام کی خیر
شیشے کا بھلا ہو جام کی خیر

اے زاہد خشک! پی یہ ساغر | قرآن کا صاف ہے مقطّر
یہ کیا کہ ہے عزمِ خلد و کوثر | ساقی سے مگر ہے دل مکدّر

شیشہ بھی نہیں ہے اور مے بھی
آخر کچھ زادِ راہ ہے بھی

ساقی سے جو رہ گئے ہیں کٹ کے | پھرتے ہیں وہ رند بھٹکے بھٹکے
پینا ہے ہمیں تو آج ڈٹ کے | پی کر نہ ہٹیں، پئیں نہ ہٹ کے

لاکھوں مے کش ہیں ولولہ ایک
بارہ ساقی ہیں میکدہ ایک

یہ بادۂ ناب، ارغوانی | توحید کے خضر کی جوانی
ہم بادہ کشوں کی زندگانی | مچھلی کی ہے جیسے جان پانی

اس مے سے حذر جو کر گئے ہیں
زندہ کیا ہیں! وہ مر گئے ہیں

سے خیرات

ساقی وہ گلابی آج مے لا | دامن ہے شفق کا جس سے میلا
اُس کی خوشبو چمن میں پھیلا | اسلام کے قیس کی جو لیلا

کعبے کی فضا بلا رہی ہے
دَر کھول، بہار آ رہی ہے

لا غیرتِ صد گلاب و لالہ | جو اہلِ نظر کا دیکھا بھالا
بادہ ہو وہی مدینے والا | اور دُرِّ نجف کا ہو پیالا

جس کے رخ سے جمال ٹپکے
جبریل کی جس پہ رال ٹپکے

جس سے ابھرے رگِ تفاخُر | سویا ہوا جاگ اٹھے بہتوّر
ہو جائے خزف بھی، بے بہا، دُر | بزدل بھی پیے تو ہو بہادر

احساسِ غضنفری ہو نشتر
اک نعرۂ حیدری ہو نشتہ

جرأت کی وہ مے کہ رند پی کر | توڑے عصرِ رواں کا خیبر
اک مرتبہ لے جو نامِ حیدر | چیرے فرعونیوں کے اژدر

مٹی بھی بنے گلاب ساقی
آنے کو ہیں بوتراب ساقی

مژدہ سن لیں یہ مے کے شیدا | کہتا ہے یہ صبح کا سپیدا
اک نور ہوا حرم میں پیدا | مغرب سے سحر ہوئی ہویدا

شرما کے وہ دیکھو چاند سُکڑا
یہ نور، رسولؐ کا ہے ٹکڑا

اللہ رے شان مرتضیٰ کی — یہ روح ہیں عزم کبریا کی
تفسیر ہیں رمزِ ماسوا کی — تصویر ہیں قدرتِ خدا کی
فیضان ہے، مقدرت علی کی
عرفان ہے، معرفت علی کی

آدم بھی تھے جب میانِ ترکیب — کی عرش پہ قدسیوں کی تادیب
دنیا میں علَم کیا جو تنصیب — حیواں تھے عرب، سکھائی تہذیب
صحرائی کو مجلسی بنایا
انسان کو آدمی بنایا

ظاہر میں نہیں تھی جب حکومت — تب بھی باطن میں تھی قیادت
ہاتھ آئی جو مادی خلافت — مخدوم نے کی جہاں کی خدمت
راہوں میں تھیں حادثوں کی کڑکیں
تھے راہ نما، بنائیں سڑکیں

اب تک کوئی لیکھ تھی نہ جادہ — رہگیروں کے تھے مزاج سادہ
پہنے ہوئے جہل کا لبادہ — سرمستیوں کا پیے تھے بادہ
جاتے تھے گزر کے جنگلوں سے
تھا سابقہ روز دنگلوں سے

صحرا میں رواں جو قافلہ تھا — وہ، راہیِ وادیِ فنا تھا
رہبر تھا، نہ کوئی نقشِ پا تھا — ہر شخص کا راستہ جدا تھا
جس بن میں کوئی نہ کیل گاڑے
واں خضر نے سنگِ میل گاڑے

جادوں سے جب انفراغ پائے | خشکی سے یہ سوئے آب آئے
موجوں سے لڑے، ستون اٹھائے | شارع تھے حضور، پُل بنائے

یہ علم کے نور کی چمک ہے
جو پل سے پل صراط تک ہے

ہوں تخت نشیں کہ بوریے پر | ہادی ہیں یہ خلق کے مقرر
بس حیّ علی الفلاح کہہ کر | انسان کی فلاح کے ہیں خوگر

مطلوبِ رسول کے ہیں طالب
پڑھ لیجیے ارجحِ المطالب

تقدیرِ امم ہے ذاتِ حیدر | تطہیرِ حرم ہے ذاتِ حیدر
کلمے کا بھی دم ہے ذاتِ حیدر | رحمت کا قدم ہے ذاتِ حیدر

کفار کو زیر کر دیا ہے
اسلام کو شیر کر دیا ہے

اوچھا سا بھی وار اگر کیا ہے | عنتر کو لہو میں تر کیا ہے
مرحب کا قلم جو سر کیا ہے | خیبر کی مُہم کو سر کیا ہے

بڑھتا۔ جو کسی جری میں تھا دم
دم تھا تو شکست کیوں دما دم

جو لے کے نشانِ فوج جاتے | اپنا سا وہ لے کے منہ پھر آتے
لب کاٹتے۔ پیچ و تاب کھاتے | جھینپے جھینپے، نظر چراتے

بہ چوروں کی روش سے سر جھکا کے
عزت کھو کے۔ شکست کھا کے

وہ زور وہ شور تھے نہ وہ غل | صُمٌّ بُکمٌ دلوں کے بلبل
اللہ پہ جو نہ تھا توکّل | امیدوں کے بجھی چراغ تھے گل
منہ زرد تھے، رنگ اڑے ہوئے تھے
رخ گھر کی طرف مڑے ہوئے تھے

ناگاہ ہوئی جو شب نمودار | بولے یہ مجاہدوں سے سرکار
کل پائے گا یہ علم وہ دیندار | کرّار ہے جو۔ نہیں ہے فرّار
وہ دوستِ خالق و نبیؐ ہے
طرفینؓ سے رسمِ دوستی ہے

سنتے ہی کلامِ صدقِ مرسلؐ | مچنے لگی سب کے دل میں ہلچل
سوچا یہ ہر اک کہ میں ہوں وہ یل | جلنے لگی آرزو کی مشعل
یہ پھانس جو دل میں پھنس رہی تھی
تقدیرِ الٰہ ہنس رہی تھی

اس شب میں خودی نواز سارے | بیتاب رہے ہوس کے مارے
جاگا کیے شمع کے سہارے | دیکھی کبھی لو، کبھی ستارے
جب صبح ہوئی تو منہ شفق تھے
پایا نہ علم تو چہرے فق تھے

بولے یہ حضورؐ، فجر پڑھ کر | آراستہ ہو خدا کا لشکر
لے آؤ نشانِ فوج۔ قنبرؑ! | مچلے امیدوار اکثر
بن سج کے جناب سعدؓ آئے
کچھ اور بھی ان کے بعد آئے

۱ نظم میں تسکینِ متحرک درست ہے
۲ غلام کا نام
۳ صحابیؓ کا نام

جتنے آئے گئے دلاور | تھے سب بہ خیالِ خود غضنفر
پابند تھے اَمر کے پیمبرؐ | دیکھا نہ کسی کو آنکھ اٹھا کر

دی وحی نے یہ صدا نبیؐ کو
اے دوست پکاریے علی کو

حضرت نے یہ سن کے سر اٹھایا | ہر چار طرف جو منھ پھرایا
نظروں میں نہ ایک بھی سمایا | حیدر کو مگر کہیں نہ پایا

یہ حکم دیا۔ ولی کو لاؤ
سلمانؓ اٹھو۔ علی کو لاؤ

کہنے لگا ایک واقفِ حال | آنکھیں ان کی رمد سے ہیں لال
بولے حضرت یہ سن کے احوال | چشمِ بددور، نیک ہے فال

دکھلائیں گے آنکھ رہزنوں کو
رلوائیں گے خون دشمنوں کو

سن کر یہ رسولِؐ رب کا فرمان | بس رہ گئے دل کے دل میں ارمان
آئے ناگاہ مثلِ قرآن | سلمان کے ساتھ میں سُلیمان

آنکھوں سے لہو ٹپک رہا تھا
باطل پلکیں جھپک رہا تھا

حضرت نے قریب تر بلایا | آنکھیں چومیں۔ گلے لگایا
آشوب کا پھر نشاں نہ پایا | آنکھوں میں یہ معجزہ دکھایا

قدسی نے بلند یہ صدا کی
یہ آنکھیں ہیں عینِ کبریا کی

عہ نادِ علیاً
عہ صحابیؓ رسول کا نام
سہ آشوب چشم

حیدر نے نگاہ جب اٹھائی | حُسّاد جلے ۔ نظر جھکائی
احباب کو اب ہنسی جو آئی | جنّت کی بہار مسکرائی

تارہ سی چمک رہی تھیں آنکھیں
آنکھوں میں کھٹک رہی تھیں آنکھیں

حاصل جو خدا کی تھی حمایت | حیدر کو علم ہوا عنایت
بولے یہ رسولؐ دے کے رایت | لو فتحِ مبین کی یہ آیت

یہ ضامنِ رحمتِ خدا ہے
پنجہ نہیں، دستِ کبریا ہے

لو اب اِسے دوش پر اٹھاؤ | تن پر یہ مری زِرہ سجاؤ
دُلدُل پہ چڑھو، قدم بڑھاؤ | اللہ کی ضامنی میں جاؤ

میری بھی دعائیں ساتھ میں ہیں
حق کی بھی رضائیں ساتھ میں ہیں

مجرے کو علی نے سر جھکایا | آداب کیا ۔ علَم اٹھایا
قنبر ۔ دُلدُل قریب لایا | گھوڑے پہ رسولؐ نے بٹھایا

رخصت جو کیا دعائیں دے کے
نصرت جھومی بلائیں لے کے

لی باگ، فرس چلا، اڑی خاک | ٹاپوں سے زمیں کا دل ہوا چاک
لینے کو قدم جھکے تھے افلاک | دیکھا کیے شانِ شاہِ لولاک

تن تن کے علی جو بڑھ رہے تھے
جبریل درود پڑھ رہے تھے

دُلدُل بھی عجیب منچلا ہے | آغوشِ نسیم میں پلا ہے
سیماب کے سانچے میں ڈھلا ہے | بجلی سے بھی کچھ خلا ملا ہے

سرپٹ جو علی کے سات آیا
سورہ وَالعادِیاتِ آیا

محشر کی ادا، غضب کی چھلبل | صرصر سے بھی دو قدم ہے اوّل
وہ چال۔ چلا چلی کی ہلچل | گھنگھور گھٹا کے جیسے بادل

وہ کوہ پہ مثلِ ابر آیا
رفعت جو ملی تو صبر آیا

جھوما مثل صبا ٹھہر کر | اترے حیدر بدل کے تیور
تکبیر کہی۔ خدا ہے اکبر | کانپی گیتی۔ لرز گیا در

پنجے کا دکھا کے اوج، گاڑا
پتھر میں نشانِ فوج گاڑا

نظارہ جو دور سے یہ دیکھا | در چھوڑ کے دیدبان بھاگا
مرحب کو جھنجوڑ کر یہ بولا | کیا مست پڑا ہے ہوش میں آ

لڑنے کو وہ شیر آگیا ہے
صورت میں بشر کی جو خدا ہے

جراُت میں، کلیم کی جوانی | طاقت میں قضائے آسمانی
فطرت پہ ہے جس کی حکمرانی | دل سنگ کا کر دیا ہے پانی

عنصر نے مزاج کھو دیا ہے
پتھر میں علم ڈبو دیا ہے

؎ یہ سورہ تیسویں پارے میں ہے اور گھوڑے کی مدح میں نازل ہوا ہے

سر پر ہے کھڑی ہوئی تباہی | اٹھ اَے مستِ غرورِ شاہی
مرحب نے یہ سن کے لی جماہی | مستی ہوئی سب عدم کو راہی

اٹھا تو بصد غرور اٹھا
لے کر انگڑائی، دیو اٹھا

حارث سے کہا یہ مڑ کے بیہم | ہاں دیکھ تو کون ہے یہ ضیغم
شیطان چلا جو ہو کے برہم | غصے میں بڑھے اِدھر سے آدم

چمکائی جو تیغ بد گہر نے
کاٹا مہ نو کو وَالقمر نے

قبضے سے جو تیغ اب جدا تھی | امداد کو بڑھ کے آئے ساتھی
سمٹا تو نشیب کی وہ جا تھی | بس دھم سے گرا زمیں پہ ہاتھی

ڈر کے بھاگا، قریب جو تھا
یہ ایک ہی وار کھا کے دو تھا

مرحب نکلا یہ حال سن کے | غصے میں سر نجس کو دھن کے
دیوانوں کی طرح تنکے چن کے | شعلے میں حسد کے، جل کے بھن کے

موذی کے دہن میں کف بھرا تھا
منہ کفچۂ مار بن رہا تھا

بل کھا کے یہ بے حیا پکارا | کس نے مرے بھائی کو ہے مارا
للکار کے شیر نر ڈکارا | ہم نے سرکش کا سر اتارا

لے اس کے جو ہے ہراس تجھ کو
آ بھیج دیں اس کے پاس تجھ کو

اس طعن پہ اور تلملایا | پیغمبر حق پہ حرف لایا
حیدر نے ڈپٹ کے یہ سنایا | بس چپ ہو، جواب کے لب ہلایا
مہلت باتوں کی پھر نہ دیں گے
گدی سے زبان کھینچ لیں گے

سن کر یہ جوابِ سخت مکار | سمجھا کہ یہ شیر ہے جگردار
آتے رہے اب تلک جو فرار | بزدل تھے وہ سب، یہ مردِ جرار
ہوتا ہے اسد دلیر جیسا
ایسا ہے۔ نہیں ہے ایسا ویسا

نرمی سے کہا۔ نہ طیش کھاؤ | کیا نام ہے؟ کیا نسب؟ بتاؤ
فرمایا نہ بات کو بڑھاؤ | توریت ذرا اٹھا کے لاؤ
کھولو جو اسے۔ کھلے گا کیا ہیں
احمد ہیں نبیؐ۔ ہم ایلیا ہیں

ہم مطلبی ہیں ہاشمی ہیں | معبود کے بندۂ ولی ہیں
ہارونِ نبیِ آخری ہیں | اعلیٰ ہیں وہ ہم سے، ہم علی ہیں
کہتے ہیں جو خاص و عام حیدر
مادر نے رکھا ہے نام حیدر

یہ نام سنا تو سٹپٹایا | بھولا ہوا خواب یاد آیا
ماضی کو پھرا کے حال لایا | مادر کا یہ قول پھر سنایا
ہستی کی قبا نہ تنگ کرنا
حیدر سے کبھی نہ جنگ کرنا

بس خواب کی یاد تھی قیامت | اب جنگ تھی موت کی علامت
تلوار جو کھینچے تو شامت | میداں سے فرار میں ندامت

مرنے کا یقیں ہٹا رہا تھا
غیرت کا گماں بڑھا رہا تھا

وہ موت سے بھی ڈرا ہوا تھا | سینہ بھی مگر تنا ہوا تھا
ضدّین میں دل گھرا ہوا تھا | دلدل میں قدم پھنسا ہوا تھا

چونکا یا علی نے یہ سنا کر
آ دینِ خدا میں یا وغا کر

مرحب کو یہ سن کے ہوش آیا | کھینچی تلوار۔ جوش آیا
بڑھ کر جو بصد خروش آیا | خود نیش کے منھ پہ نوش آیا

بولی تیغِ علی ابھر کے
کھاتی ہوں ابھی حلال کر کے

اب رد و بدل ہوئی جو آغاز | تیغ اُس کی بڑھی اِدھر بصد ناز
شمشیرِ علی ہوئی سرافراز | جھنکار تھی جس کی موت کا ساز

تھا صور کہ صف شکن کا نعرہ
زن زن میں بزن بزن کا نعرہ

مرحب کی حسام، کند، عاری | یہ تیغ حسیں، چھری، کٹاری
یکتا، تثلیث کُش، دو دھاری | گل سے ہلکی۔ شقی پہ بھاری

قبضے پہ چلی جو بانکپن سے
تیغ اس کی گری زمیں پہ چھن سے

بھالا جو شریر نے سنبھالا | سیدھا الٹا، نہ دیکھا بھالا
چٹکی سے علی نے توڑ ڈالا | حیدر سے کہاں بچے گا کالا

اس وقت ہیں یہ بجائے موسیٰ
موذی کے لیے عصائے موسیٰ

آپے میں نہ تھا غضب کے مارے | حربے اس نے چلائے سارے
لیکن ان کے ہنر پہ وارے | دل میں نظر آرہے تھے تارے

ہر اسلحہ اس کا بے اثر تھا
حد ہے کہ تبر نہ معتبر تھا

بدمست جو بوکھلا رہا تھا | خیبر کو بھی لطف آرہا تھا
نغمہ جو سروش گارہا تھا | وانفتح کا دل لبھا رہا تھا

چرچا اب تک گلی گلی ہے
مرحب مرحب، علی علی ہے

آیا جو قضائے حق کا ریلا | حیدر کی طرف اسے دھکیلا
چرکا جو اک اس کے سر سے کھیلا | بودا تھا. ذرا کڑی نہ جھیلا

چھپنے کی جگہ ملی نہ سر کو
پر روح رواں ہوئی سقر کو

مرحب کے جو تن سے کٹ گیا سر | بھاگا بگٹٹ تمام لشکر
تھی پیشِ نظر جو فتحِ خیبر | حیدر کی نظر اٹھی سوئے در

دربند تھا بیچ میں تھی خندق
اتنی چوڑی کہ بس لق و دق

حیران تھا سب نبیؐ کا لشکر ۔۔۔ اس در پہ رسائی ہو تو کیونکر
بپھرے ہوئے تھے جنابِ حیدر ۔۔۔ اک مرتبہ پٹڑیاں جما کر
غصّے میں جو آستین الٹی
چلّائے فلک - زمین الٹی

اللہ کا دل کو تھا سہارا ۔۔۔ اللہ کو دم بدم پکارا
دُلدُل نے بھی حوصلہ نہ ہارا ۔۔۔ پایا جو زقند کا اشارا
یوں جوڑ کے پتلیاں اڑا وہ
خود در پہ رکا - گری ہوا - وہ

منزل پہ پہنچ گیا خدا رس ۔۔۔ رہوار کا کام دے گیا کس
بجلی جو بنی تھی اس کی نس نس ۔۔۔ تھپکا پٹھے کو، اور کہا، بس
اُترے اور اِدھر اُدھر کو دیکھا
نیچے کو سمیٹا ، در کو دیکھا

فولاد کو تول کر نظر میں ۔۔۔ کس کر بندِ وفا کمر میں
بس گاڑ دیں انگلیاں جو در میں ۔۔۔ اک مچ گئی دھوم بحروبر میں
لوہے کو جو موم کر دیا تھا
داؤد کے لب پہ مرحبا تھا

بڑھ بڑھ کے ۔ قدم جما کے ۔ ڈٹ کے ۔۔۔ رخ انگلیوں کا الٹ پلٹ کے
دس پانچ دیے جو کس کے جھٹکے ۔۔۔ چولے چٹکے ، ہر ایک پٹ کے
چوکھٹ سے اکھاڑ کر کمر کو
پٹکا بالائے خاک در کو

اک مرتبہ زلزلہ سا آیا | تھرائی زمیں، غبار چھایا
جلدی سے علی نے در اٹھایا | خندق پہ درِ علوم لایا

یوں تھا وہ سبک میانِ چنگل
اک پھول اٹھائے جیسے بلبل

باہر تھی جو فوج شاہ دلدل | تکبیروں کا اس میں مچ گیا غل
لائے جو وہ در بشرِ جزو کل | خندق پہ اسی کا بن گیا پل

وہ پل، شاعر جو دیکھ لیتا
تعریف کے پل ہی باندھ دیتا

کودے تھے علی میانِ خندق | ہاتھوں پہ تھا در، مثالِ زورق
طینت جس کی تھی نورِ مطلق | وہ جسم ہوا میں تھا معلق

جنات نے سر بچھا دیے تھے
جبریل نے پر بچھا دیے تھے

اس در کو علی اِدھر کو لاتے | افواجِ رسول کو بٹھاتے
پھر قلعے کی سمت رخ پھراتے | فوجوں کو اُدھر اتار آتے

کرتا رہا یہ نظام گردش
لشکر سے بٹی غلام گردش

اے چشمِ شعور دیکھ کھل کر | اس فتح کا یہ حسین منظر
آگے آگے جنابِ حیدر | پیچھے پیچھے تمام لشکر

اندر قلعے کے جا رہے ہیں ؎ کشتی
تکبیروں کے غل مچا رہے ہیں

پہنچے جو یہ باخدا رسالے | اللہ کو یاد کرنے والے
اخلاص کی آنکھ کے اُجالے | ہتھیار یہودیوں نے ڈالے

توڑا موسائیت کا چلّہ
کلمہ پڑھا لا الٰہ اِ لّا

ناگاہ رسولِؐ پاک آئے | کچھ لوگ کھڑے تھے سر جھکائے
اک اک سے کہا کہ بیٹھ جائے | اخلاق کے معجزے دکھائے

سب سن کے جو بے تپاک بیٹھے
حضرت بھی بہ روئے خاک بیٹھے

جن لوگوں پہ تھی شکست طاری | تسکین دی ان کو باری باری
تھا قلزمِ فیض و لطف جاری | ناگاہ سنی صدائے زاری

پوچھا۔ کہ یہ کون رو رہا ہے
یہ تو کسی بی بی کی صدا ہے

بولا ۔ یہ کوئی یہود، رو کر | مرحب کی یہ غمزدہ ہے خواہر
جو پیٹ رہی ہے سینہ و سر | مارے گئے اس کے دو برادر

منہ آنسوؤں سے جو دھو رہی ہے
دکھیاری انھیں کو رو رہی ہے

کیا کہیے فلک ستائی کا غم | بیٹے کی الگ جدائی کا غم
بیٹے سے زیادہ بھائی کا غم | پھر آج سے بے ردائی کا غم

ہے فکر بڑی تو اب یہاں کی
دُزدوں کے ستم کی ریسماں کی

حیران ہوئے آپ اِس سخن پر | بولے یہ حضور سر اٹھا کر
باندھیں گے اُسے رسن میں کیونکر | وارث جس کا ہے اب پیمبرؐ
دُرّے ہونگے! اگر کہیں ہیں
شہزادیوں کے لیے نہیں ہیں

حیدر کو پھر آپ نے بلا کر | یہ حکم دیا کہ اے برادر
لے جاؤ اب اِن حرم کو باہر | سر ہوں جو کھلے تو دے دو چادر
دل پر ہیں قلق جدائیوں کے
لاشے نہ دکھانا بھائیوں کے

افسوس یہ سُنّتِ پیمبرؐ | بھولے، امّت کے کینہ پرور
ڈیوڑھی پہ کھڑی ہوئی تھی خواہر | حلقوم پہ بھائی کے تھا خنجر
ہنس ہنس کے لہو بہا رہے تھے
زینب کو شقی رلا رہے تھے

یہ ظلم تو کربلا میں ڈھایا | یثرب میں حسن کا غم دکھایا
کوفے میں پدر کا خوں بہایا | بابا کے جنازے پہ رلایا
بھائی بھی تڑپتے تھے، بہن بھی
زینب بھی، حسین بھی حسن بھی

روزے کا وہ محترم مہینہ | کوفے میں وہ سرورِ مدینہ
امّت کا وہ بے وطن سے کینہ | طوفان میں آل کا سفینہ
سونی وہ فضا گلی گلی کی
سازش وہ شہادتِ علی کی

انیسویں رات تھی قیامت ۔ روزے کی علی نے کرکے نیّت
کھائی سحری میں غم کی نعمت ۔ کھانا نہ ملا بہ وجہ عُسرت
کچھ قبل فریضۂ سحَر سے
مسجد کو چلے امام گھر سے

مرغابیوں نے جو بڑھ کے روکا ۔ کلثوم سے بولے شاہِ والا
جینے کا نہیں ہے کچھ بھروسا ۔ جب ہم نہ ہوں۔ اِن کا دھیان رکھنا
ناچار و غریب و ناتواں ہیں
بھوکی نہ رہیں۔ یہ بے زباں ہیں

یہ کہہ کے جو، اب بڑھی سواری ۔ تھی مونسِ راہ ، یادِ باری
رقّت خوفِ خدا سے طاری ۔ اِنّا لِلّٰہ ، لب پہ جاری
طاعت کا جو وقت ہو رہا تھا
حیدر سا دلیر رو رہا تھا

مسجد میں قدم جو شہ کا آیا ۔ ہر سمت نمازیوں کو پایا
جو سو گئے تھے، انھیں جگایا ۔ مُلجم کے پسر کو بھی اٹھایا
سمجھے سب کچھ، مگر اماں دی
دیکھا سوئے چرخ۔ اور اذاں دی

آئے محراب میں جو حیدر ۔ پیچھے صف میں تھا وہ ستمگر
سجدے کے لیے جھکے جو سرور ۔ تلوار پڑی علی کے سر پر
فرار ہوا وہ ظلم ڈھا کے
مسجد میں ولی کا خوں بہا کے

بہنے جو لگے ہو کے دھارے | تھرّا گئے عرش و فرش سارے
مسجد کے لرز گئے منارے | اور "فُزْتُ بِرَب" علی پکارے
مولا کی جبیں زمین پر تھی
اور جاے نماز خوں میں تر تھی

ناگاہ صدا فلک سے آئی | مارے گئے مرتضیٰ۔ دوہائی
حوروں نے صفِ عزا بچھائی | جبریلِ امیں نے خاک اڑائی
فریاد اٹھی جو دو جہاں سے
زہرا بھی نکل پڑیں جناں سے

مسجد سے اٹھا جو شورِ ماتم | کوفے میں بپا ہوا محرّم
زینب نے سنا جو نوحۂ غم | چلّائیں۔ یتیم ہو گئے ہم
کلثوم بہن! پدر سدھارے
بابا ہمیں چھوڑ کر سدھارے

لوگو صفِ ماتمی بچھاؤ | سر کھول دو، اشکِ غم بہاؤ
فضّہ ہیں کدھر، کوئی بلاؤ | کیا حادثہ ہے، خبر منگاؤ
بابا پہ یہ کیا گزر گئی۔ آہ!
کیوں شور مچا ہے واعلیاہ

زینب جو تڑپ گئیں یہ کہہ کر | سب بیبیاں روئیں پیٹ کر سر
سن سن کے صدائیں بولے حیدر | شبّر! ہمیں جلد لے چلو گھر
محشر نہ کہیں ابھی بپا ہو
زینب جو نکل پڑے تو کیا ہو

بہ حکمِ امامِ پاک سن کر | بارہ بیٹے بڑھے برابر
ہاتھوں پہ اٹھایا جسمِ اطہر | تھامے تھا کوئی قدم، کوئی سر
روئے مولا۔ جگر کو تھاما
عباس نے جب کمر کو تھاما

یاد آگیا دیکھ کر یہ منظر | حیدر کے چمن کا اک گلِ تر
گھوڑے سے گرا تھا جب زمیں پر | تھا کون سنبھالتا جو بڑھ کر
بے یار و غریب و خستہ تن تھا
اور تیروں کی نوک پر بدن تھا

ہیہات وہ مصطفیٰ کے جائے | بھوکے، پیاسے، فلک ستائے
روزے ہیں دلوں پہ داغ کھائے | وہ جسم۔ لہو لہان اٹھائے
با حالِ تباہ آئے گھر میں
زندہ کا جنازہ لائے گھر میں

دیکھا جو علی کو خون میں تر | سب بی بیاں پیٹنے لگیں سر
فضہ گری کھا کے غش زمیں پر | عباس کی ماں نے پھینکی چادر
تھا شورِ بکا حرم سرا میں
عاشور کو جیسے کربلا میں

حیدر کو گلیم پر لٹایا | جراح کو شہر سے بلایا
وہ دیکھ کے زخم تھرتھرایا | رو کر یہ سخن زباں پہ لایا
قدرت میں ہے دخل کیا خدا کی
امید نہیں مگر شفا کی

رخصت وہ ہوا لگا کے مرہم | نیند آ گئی سو گئے اُسی دم
گو سب کیے خسائے شدتِ غم | آنکھیں تھیں مگر ہر اک کی پُرنم
زینب کا کلیجہ کٹ رہا تھا
کلثوم کا دل الٹ رہا تھا

سب لوگ تھے فرشِ خواب کے پاس | بیٹھے ہوئے زندگی سے بے آس
کرتے تھے حسن، حسین، عباس | چپکے چپکے بکا، بہ صد یاس
رونے کی صدا تھی دھیمی دھیمی
چہروں پہ برستی تھی یتیمی

دو دن یہی کش مکش کی حالت | ڈھاتی رہی آل پر مصیبت
اکیسویں تھی کہ اٹھے حضرت | پاس آ گئی سب نبیؐ کی عترت
چہرہ تھا بحال، جب نظر کی
زینب نے بلائیں لیں پدر کی

کہنے لگے مسکرا کے مولا | اس وقت عجیب خواب دیکھا
آئے ہیں یہاں رسولِ بطحا | فرماتے ہیں مجھ سے یہ، کہ بیٹا
کوفی ہیں عدو غضب ہمارے
ہمراہ چلو بس اب ہمارے

سب نے جو سنا یہ فقرۂ غم | اترا نشتر دلوں میں اک دم
برپا ہوا بی بیوں میں ماتم | روئے سب اہلِ بیت پیہم
بچے بھی، ضعیف بھی، جواں بھی
بیٹے بھی تمام، بیٹیاں بھی

حضرت نے کہا کہ رونے والو | اب چپ رہو دل ذرا سنبھالو
اشکوں کا وفور ہو تو ٹالو | ہمت سے یہ بارِ غم اٹھا لو
پیغامِ مشیت آگیا ہے
ہنگامِ وصیت آگیا ہے

لو میری قبا پہن لو شبرؑ | اب بعد ہمارے تم ہو رہبر
شبیر کو دو یہ تیغِ حیدر | جب وقت پڑے دکھائیں جوہر
عابد کو یہ امتیاز دینا
میری اسے جانماز دینا

عباس! مرے قریب آؤ | بابا[1] کی ہمارے، مشک لاؤ
جعفر کا نشان پھر، اٹھاؤ | شبیر کے آگے سر جھکاؤ
آغوشِ رسولؐ کے پلے ہیں
آقا یہ تمھارے آج سے ہیں

پانی جو منگائیں یہ، تو لانا | سقائے حسین نام پانا
ہو ان پہ جو حملہ ور زمانہ | مظلوم کا تم علم اٹھانا
دامن میں وفائیں لے کے مرنا
زہرا کی دعائیں لے کے مرنا

زینب کو قریب پھر بلایا | شبیر کے پاس انھیں بٹھایا
کیا سوچ لیا کہ دل بھر آیا | اشکوں نے ٹپک کے قہر ڈھایا
پونچھا دامن سے آنسوؤں کو
چوما بیٹی کے بازوؤں کو

[1] حضرت ابوطالب جو اپنی مشک سے حاجیوں کی سقائی کیا کرتے تھے۔

پھر فاطمہ کی ردا منگائی | زینب کو بدستِ خود اڑھائی
تصویر اب اک نظر جو آئی | بے ساختہ چیخ اٹھے "دوہائی"

یاد آ گئی شام، کربلا کی
دیکھا حسرت سے اور قضا کی

کہرام مچا، قیامت آئی | غش کھا گئی فاطمہ کی جائی
فضہ نے صفِ عزا بچھائی | بھائی سے لپٹ کے رویا بھائی

سب اشکوں سے منہ جو دھو رہے تھے
عابد جھولے میں رو رہے تھے

بارہ فرزند، سولہ دختر | سب بیٹھ رہے تھے سینہ و سر
پھر ان کے سوا رفیق و یاور | ماتم گھر میں تھا اور باہر

باہم یہ صدا جو مل رہی تھی
کوفے کی زمین ہل رہی تھی

شامل تھی عزا میں اک خدائی | دن بھر روتے رہے فدائی
جب ظلمتِ شب جہاں پہ چھائی | آواز مدینے سے یہ آئی

یہ راز ہے عترتِ نبیؐ کا
تابوت اٹھاؤ اب علی کا

خاموش بس اے نسیم خاموش | مجلس میں ہیں اہلِ ہوش بیہوش
غم میں شبِ قدر ہے سیہ پوش | دل نرم ہیں، آنسوؤں کو ہے جوش

بھیگی ہے فضا نہ وقت کھوؤ
اب تخم عمل زمیں میں بوؤ

نوٹ

اگر اس مرثیے میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی شہادت کی بجائے دوسرے مصائب پڑھنا ہوں تو صفحہ ۲۰۹ کی حسبِ ذیل بیت کے بعد یہ انّیس بند پڑھے جائیں جو اسی بیت کے بعد اسی صفحہ سے شروع ہوتے ہیں۔

دل پر ہیں قلق جدائیوں کے
لاشے نہ دکھانا بھائیوں کے

یہ خُلقِ کریم تھا نبیؐ کا | جو فرض ہے اب ہر آدمی کا
اک عکسِ جمیل ہے اُسی کا | دستور خلافتِ علی کا
سالاروں کو دی تھی جو ہدایت
مقتل کے شعور کی ہے آیت

ہاں میری سپاہ کے دلیرو | لازم ہے فقط دفاع شیرو
جو بھاگ پڑے اسے نہ گھیرو | بچّوں پہ کبھی چھری نہ پھیرو
عورت کو نہ جنگ میں ستانا
بیمار پہ ہاتھ مت اٹھانا

ہو صلح جو پیش، غم گسار و | اس پر کٹو کر کبھی نہ مارو
گر فتح نصیب ہو تو یارو | کپڑے نہ قتیل کے اتارو

گھس کر نہ گھروں میں وار کرنا
خیموں میں نہ لوٹ مار کرنا

ہے آبِ رواں میں سب کا حصہ | قاتل بھی نہ مرنے پائے پیاسا
سر ہو چکے جب قلم کسی کا | پھر اس کے جدا نہ کیجو اعضا

کشتوں کو نہ خستہ حال کرنا
لاشوں کو نہ پائمال کرنا

مفتوح کی عورتیں جو لانا | محمل کے حجاب میں بٹھانا
مقتل کی طرف سے لے نہ جانا | لاشے نہ عزیزوں کے دکھانا

تنبیہ سے صرف کام لینا
دُرّے سے کبھی سزا نہ دینا

وہ عورتیں چاہے ہوں کسی کی | ماں بہنیں ہیں سب کی سب علی کی
سن کر یہ نصیحتیں وصی کی | حالت ہے عجیب میرے جی کی

کیا پوچھ لوں روحِ مرتضیٰ سے
واقف تھے حضور کربلا سے

یا شیرِ خدا نجف سے آؤ | زہرا کو بھی کربلا میں لاؤ
یثرب سے نبیؐ کو بھی بلاؤ | امت کی جفائیں دیکھ جاؤ

بچے ماؤں سے چھٹ رہے ہیں
ناموسِ رسولؐ لٹ رہے ہیں

پوچھو تو یہ آکے اشقیا سے | کیا بیر ہے آلِ مصطفیٰؐ سے
احمدؐ کی نواسیاں نواسے | دریا پہ ہیں تین دن سے پیاسے
بے دم جو عطش سے ہو رہے ہیں
اصغر جھولے میں رو رہے ہیں

کم سن ہیں یہ لال آپ ہی کے | دو لاڈلے مسلمِ جری کے
دو ثانیٔ دخترِ نبیؐ کے | ہمشکلِ رسولؐ کی پھپھی کے
پانی کے لیے ترس ترس کے
مارے گئے سن میں دس برس کے

یہ آپ کا یا علی ہے پوتا | فروا کا جگر، حسن کا بیٹا
زخموں سے جو چور ہے سراپا | پہلو میں ہے تیر، دل میں نیزا
ٹاپوں کی صدا جو آرہی ہے
اب لاش بھی کچلی جارہی ہے

جھولے سے جو فاطمہ کا جایا | بے شیر کو شامیوں میں لایا
معصوم کا خشک لب دکھایا | ناداں نے گلے پہ تیر کھایا
یہ ظلم شدید ہو رہے ہیں
بچے بھی شہید ہو رہے ہیں

یہ آپ کا لاڈلا پسر ہے | تن جس کا تمام خوں میں تر ہے
یہ بنتِ رسولؐ کا جگر ہے | نیزے پہ بلند جس کا سر ہے
ثابت نہ قبا، نہ ہے عمامہ
اب لاش کا لٹ رہا ہے جامہ

دن بھر یہ ستم عدو نے ڈھائے | بے جرم و خطا لہو بہائے
شام آئی تو برچھیاں اٹھائے | دڑانہ حرم سرا میں آئے

سب بی بیاں سر کو پیٹتی ہیں
عترت کی ردائیں چھن رہی ہیں

دیکھی نہ سنی کہیں یہ بیداد | بیڑی پہنائیں اُس کو جلاد
جو بنتِ رسولؐ کی ہو اولاد | دڑوں کی جفائیں اور سجاد

بیمار یہ ظلم سہ رہا ہے
اور خون کمر سے بہہ رہا ہے

گردش میں ہے قسمتِ مدینہ | طوفاں میں ہے آل کا سفینہ
کھاتی ہے جو سیلیاں سکینہ | آیا ہے فرات کو پسینہ

نوعیتِ ظلم کہہ رہا ہے
کانوں سے جو خون بہہ رہا ہے

بچی کا ہے غل کہ رحم کھاؤ | عباس چچا! مدد کو آؤ
بابا ہیں کہاں؟ انھیں بلاؤ | مر جاؤں گی میں! ارے بچاؤ

دریا پہ جواب پڑا ہے لاشہ
پیہم وہ تڑپ رہا ہے لاشہ

خیموں کو جلا رہے ہیں خودسر | جلتا ہے علی کا گھر مکرر
تکیہ عابد کا اور بستر | شعلوں کی لپیٹ میں ہے یکسر

جھولے کی جو راکھ دیکھ لی ہے
سر کھولے رباب رو رہی ہے

سنیے گا نیا یہ ظلم مولا | ننھی سی لحد بنی تھی تنہا
اک سر جو دم شمار کم تھا | نیزوں پہ اسے زمیں میں ڈھونڈا

جب قبر ملی ہے بے زباں کی
وہ لاش تھی نوک میں سناں کی

اولاد نبی پہ یہ جفا ہے | مقنع ہے نہ سر پہ اب ردا ہے
لٹ پٹ کے جو قافلہ چلا ہے | لاشوں کی طرف سے جا رہا ہے

ڈھائی ہے قیامت اشقیا نے
رونے کی سزا ہیں تازیانے

خاموش بس اے نسیم خاموش | رونے والے ہوئے ہیں بیہوش
ہے وقتِ دعا کہ دل میں ہے جوش | اے ربِّ کریم! اے خطاپوش

جاگے اب قوم کی بصیرت
حیدر کی ہمیں عطا ہو سیرت

امن اک دین ہے۔ اس دین کا قرآں ہیں حسن | صلح کی حد میں حدیبیۂ ایماں ہیں حسن
سربسر شانہ کشِ زلفِ پریشاں ہیں حسن | کربلا فتح ہوئی جس سے وہ عنواں ہیں حسن

جنگ بندی تھی فقط گھیر کے لانے کے لیے
عظمتِ سنّت و قرآن دکھانے کے لیے

حسنِ پاک کی مدحت سے بھرم ہے میرا | چمن نظم ہے سرسبز۔ یہ دم ہے میرا
طوطیِ گلشنِ توحید قلم ہے میرا | یہ قلم، مدح کے میداں میں علم ہے میرا

اس کے بل پر نہ جھجکتا ہوں نہ شرماتا ہوں
نوکِ خامہ سے دلِ کفر کو گرماتا ہوں

یہ قلم مجلسِ مدحت کا اگر بانی ہو | دھوم مچ جائے وہ مولا کی ثنا خوانی ہو
ساقیا اب تو عطا بادۂ قرآنی ہو | سم ہو منکر کے لیے، آج تو وہ پانی ہو

اسی پانی پہ جو میں نامِ حسن دم کر دوں
سبزیِ زہر کو زنگار کا مرہم کر دوں

خضرِ توفیق نے قفلِ درِ مضموں کھولا | بڑھ کے قرآں نے جواہر کا ذخیرہ رولا
مدح شبّر کے جواہر کو نظر میں تولا | میں تو خاموش تھا آیات کا طوطی بولا

دین نے ان کے سبب نشو و نما پایا ہے
جب تو آیت میں نَبَاتاً حَسَناً آیا ہے

کلکِ مژگاں سے لکھوں نورِ خدا کی تعریف | خوب جی کھول کے ہو عقدہ کشا کی تعریف
اے زباں فرض ہے حقدارِ ثنا کی تعریف | حَسَنہ ہے حسنِ سبز قبا کی تعریف

رہبرِ دیں ہیں حسن، دین کا ایماں ہیں حسن
حق کے ہر زاویے سے مدح کے شایاں ہیں حسن

نورِ اسلام ہیں، یہ دیدۂ بینائے رسولؐ | اصل ہے نسل سے شاخِ چمن آرائے رسولؐ
اِنّا اَعطَینا کا ارمان، تمنائے رسولؐ | یہ ہیں ما قبلِ حسین اولِ اَبنائے رسولؐ

معتبر کون ہے اس سے کوئی بڑھ کر راوی
مدحِ قرآں بہ لبِ غیب - پیمبر راوی

شانۂ ختمِ رُسُل مسندِ زیبائے حسن | زینۂ بت شکنی زیرِ کفِ پائے حسن
پرتوِ حسنِ ازل جلوۂ رعنائے حسن | دو زبر پائے جو یہ حُسن تو ہو جائے حسن

حُسن و خوبی کا یہ سر سبز چمن ہیں گویا
ان کی باتیں بھی روایاتِ حسن ہیں گویا

دعوتِ صلِ علیٰ میں یہ پیمبر کے شریک | اور ربّنا ہب اِمامًا میں بھی حیدر کے شریک
صبر و ایثار و قناعت میں بھی مادر کے شریک | آیۂ تطہیر تو اس میں بھی برابر کے شریک

ماں ہیں معصومہ تو نانا ہیں نبیؐ باپ امام
آپ کے بھائی بھتیجے بھی امام آپ امام

فاتحِ جنگِ جمل، ہاتھ میں لشکر کا نظام | زور میں قلعہ شکن، حلم میں یکتائے انام
معترف کیوں نہ فضائل کے ہوں اصحابِ کرام | اک تو یہ آلِ کسا دوسرے امت کے امام

بزم میں وعظ بہ لب ہوں تو نبیؐ ہیں گویا
رزم میں تیغ بہ کف ہوں تو علیؑ ہیں گویا

سہ لفظی معنی اچھی باتیں

رہبر خلق ہیں۔ لیکن وہ تصور جو ہے عام | اس سے بالا ہے کہیں، راہبری کا یہ نظام
رائج الوقت سیاست کی یہاں بحث ہے خام | مادی فکر میں محصور نہیں ہے اسلام
حق کی مرضی پہ جو چلتی ہے رسالت ہے، وہی
ہو بہو بعد رسالتؐ کے امامت ہے، وہی

بستۂ مصلحتِ حق ہے۔ نبیؐ ہو کہ امام | نام کو ہے وہ بشر۔ فوقِ بشر اُس کے ہیں کام
آج لاتا ہے زمانے میں جو حق کا وہ پیام | بعد مدت کے ابھرتا ہے وہی بن کے نظام
علم اس کا ازلی و ابدی ہوتا ہے
برتر از ماہ و سن و سال و صدی ہوتا ہے

اک اسی سلسلۂ علم کا حلقہ ہیں حسن | پاک، پُر مکر سیاست سے ہے ان کا دامن
ظاہری اوج و تنزل کے جو کرتے ہیں سخن | چال بازی کو وہ سمجھے ہیں رسالت کا چلن
جو پرکھتے ہیں شرف مادہ سامانی سے
وہ گراتے ہیں انھیں منزلِ روحانی سے

ان کی منزل ہے بہت ارفع و اعلا و بلند | جس کو پا ہی نہیں سکتی ہے سیاست کی کمند
ہاں اگر لے کے بڑھے بینشِ انصاف پسند | ذوقِ عرفاں کی لگام اور عقیدت کا سمند
ڈوب کر بحرِ معانی میں ابھرنا ہوگا
وحی و الہام کے جادے سے گزرنا ہوگا

وحی ہے حق سے بہ ابلاغِ ملک گفت و شنید | اور الہام بلا واسطہ ہے لوح کی دید
وہ نبوت کی سند اور یہ امامت کی نوید | اس سے انکار ہے قرآنِ مبیں کی تردید
وصفِ مَا یَنطِقُ پاؤ تو رسالتؐ کہہ دو
مَا یَشاؤُن کے منشا کو امامت کہہ دو

ہے امامت وہ رسالتؐ کا چراغِ منزل | فلکِ علمِ لَدُنّی کا جو ماہِ کامل
اس کے افعال میں ہے چون و چرا سب باطل | ہیں نبیؐ اس کی فضیلت کے گواہِ عادل
فعل کو اس کے جو چاہو کہ مدلّل سمجھو
اس کی روحانیتِ ذات کو اول سمجھو

عصبیت میں نہیں گر زرِ ایماں کھونا | اس کسوٹی پہ کسو حُسنِ حَسن کا سونا
تخمِ تحقیق جو آغاز کرو ۔ یوں بونا | اجتہادی غلطی پر نہ پڑے گا رونا
کیوں سنو ان کی جو بے وجہ برا کہتے ہیں
یہ تو دیکھو کہ محمدؐ انھیں کیا کہتے ہیں

پھر محمدؐ کے بیاں میں بھی سنو قول ان کا | ہر فضیلت کے جو قائل ہیں امامت کے سوا
گو کہ اپنوں کا بھی ارشاد ہے لاریب بجا | غیر کے منھ سے ہے کچھ اور فضیلت کا مزا
ظرف کے اپنے مطابق ہی کہا جس نے کہا
یہ سنو کیا ہے کہا ۔ یہ نہ کہو کس نے کہا

جن کے ہے دیدہ باطن پہ تعصب کا غبار | شمع ہے ان کے لیے احمدِ مرسل کا شعار
تھے نبی وعظ میں اور گود میں شبرؑ اک بار | کھیل کر ریش سے بہلاتا تھا دل یہ دلدار
بال ۔ ننھے سے جو ناخن میں کوئی پھنستا تھا
مسکراتے تھے نبیؐ اور یہ گُل ہنستا تھا

انسِ فطری سے تھے مغلوب اگر خیر ذرا | پھر تو خاکم بدہن حضرتِ محبوبِ خدا
اتنے لمحات تھے منصب سے نبوت کے جدا | جب تھے منصب سے جدا وعظ یہ پھر تھا کیسا
نہیں ہوتے ہیں کبھی اور کبھی ہوتے ہیں
کیا جہاں میں کہیں ایسے بھی نبیؐ ہوتے ہیں

ہے یہی وجہ کہ قائل علما ہیں سارے | تھے نہ شبرؑ فقط آنکھوں کے نبیؐ کی تارے
بلکہ مستقبلِ اسلام کے تھے سیارے | جد کے پیارے تھے کہ اللہ کے تھے پیارے

ان کے ساتھ اب جو نبیؐ کا یہ چلن ہے یارو
پھر تو ہر فعلِ حسن ، فعلِ حسنؑ ہے یارو

دیکھ لے ان کا تجمل نگہِ نکتہ شناس | ہیں صحابہ بھی ٹلک کبھی پس و پیش و چپ و راس
دوشِ پیغمبرِ خاتم پہ ہیں یہ نیک اساس | عرش پر بیٹھے ہیں پہنے ہوئے جنت کا لباس

جامۂ سبز میں ہمرنگِ چمن ہیں مولا
حسن کی بات جو پوچھو تو حسن ہیں مولا

منبرِ وعظ پہ آغوشِ نبیؐ کے یہ سوار | مرکزِ الفتِ محبوب و حبیبِؐ غفار
سرورِ خلدِ بریں گلشنِ زہرا کی بہار | بچپنے ہی میں جوانانِ جناں کے سردار

مطمئن ہیں یہ حدیث آل کے عاشق پڑھ کر
بجلیاں گرتی ہیں منکر پہ صواعقؑ پڑھ کر

کہتی ہے نور کی مشہور حدیثِ قدسی | عرش ہے پرتوِ انوارِ رسولؐ عربی
ملک و حور ہیں عکسِ رخِ زیبائے علی | حسنِ شبیر کی تھی چھوٹ جو فردوس ہوئی

نورِ زہرا یٔ انجم گلِ امید بنا
بھیک شبر سے ملی کاسۂ خورشید بنا

پنکھڑی جس کی یہ سورج ہے وہ گل کیا ہوگا | ایزدی نور ہے پھونکوں سے یہ گل کیا ہوگا
اب کہو حسنِ رخِ ختمِ رسل کیا ہوگا | جس کے جز میں یہ تجلی ہے وہ کل کیا ہوگا

نور بٹ جائے تو بزم اور فروزاں ہو جائے
شمع سے شمع ہو روشن تو چراغاں ہو جائے

ٮ = اچھا کام

ؑ صواعق محرقہ از ابن حجر مکی

شمعِ محفل تھے نبیؐ شمع میں شامل تھے حسن — عکسِ تنویرِ حسن مہرِ مبین و روشن
آپ کے سائے میں ہوتا جو نہ یہ ضو افگن — پھر تو کاجل کی سلائی تھی یہ سورج کی کرن

ظلمتِ شب کبھی مٹتی نہ سویرا ہوتا
شام کی طرح زمانے میں اندھیرا ہوتا

ہیں نبیؐ نور۔ اسی نور کا پرتو ہیں حسن — طور کی برق ہیں وہ برق کی اک رَو ہیں حسن
جن ضیاؤں کا وہ مطلع ہیں وہی ضو ہیں حسن — شمعِ لولاک ہیں محبوبِ خدا لَو ہیں حسن

مہر کی گود میں روز اس مہِ نَو کو دیکھا
جب یہ کاندھے پہ چڑھے شمع کی لَو کو دیکھا

اک صحابی نے یہ کی عرض کہ پیارے دلدار — واہ کیا خوب ملی ہے یہ سواری میں نثار
ہو کے ناراض پکارے یہ رسولِ مختار — مجھ سے کہیے کہ یہ کیا خوب ملا تم کو سوار

دوست اس کو بھی وہ رکھے جو مجھے دوست رکھے
وہ مرا دوست نہیں جو نہ اسے دوست رکھے

ان روایات پہ ہم لائیں نہ کیونکر ایماں — یہی تقریرِ بخاری یہی مسلم کا بیاں
عسقلانی کا ہے ارشاد کہ مولائے زماں — شیر خواری میں بھی تھے عالمِ علمِ قرآں

لوگ خالق کا اسے خاص کرم کہتے ہیں
یہی وہ شے ہے امامت جسے ہم کہتے ہیں

وحی سنتے تھے یہ آغوشِ نبیؐ میں ہر روز — ماں سے کرتے تھے بیاں گل سخنِ حق افروز
جب سنا چھپ کے علی نے یہ بیانِ دل دوز — لب و لہجہ تھا ہدایت کا، ادا درس آموز

جانتے تھے یہ شرف اور بھی اب جان گئے
علم کے باب تھے حد علم کی پہچان گئے

علم کے دَر بھی ہیں یہ زاہد و ابرار بھی ہیں | مسندِ احمدؐ مختار کے مختار بھی ہیں
وارثِ دبدبۂ حیدرِ کرّار بھی ہیں | صلح کی ڈھال بھی ہیں امن کی تلوار بھی ہیں

رحمتِ حق کی سند بن کے جہاں میں آئے
مثلِ قرآن حسن بھی رمضاں میں آئے

گوشۂ عافیتِ خلق ہے سرکارِ حسن | حسنِ اخلاق سے ہے گرمیِ بازارِ حسن
نازشِ عالمِ تہذیب ہے کردارِ حسن | فکر انگیز ہے تاریخ میں دربارِ حسن

ان کی پیرو ہو تو مخلوق پریشان نہ ہو
جنگ تب چاہیے جب صلح کا امکان نہ ہو

آج چودہ سو برس بعد جو رائج ہے نظام | اس کی بنیادِ اساسی ہے حسن کا پیغام
پک رہا ہو جو نزاعاتِ سیاسی کا قوام | عہد ناموں سے بگڑتے ہوئے بن جاتے ہیں کام

تھا یہی خالصتہً صلحِ حسن کا مقصد
اُس سے کیا بحث جو تھا عہد شکن کا مقصد

باپ سے اس کو تو ورثے میں ملی تھی یہ ادا | حق نکل جائے کسی کا ہو۔ بہ صد مکر و ریا
اس کے ایوان پہ تھا نصب جو دینی جھنڈا | آڑ میں تھا وہ خلافت کی۔ امارت کا عصا

زر بہ کف کیس کے کر۔ قد گھٹانے اٹھے
حق اٹھاتا تھا جنھیں اُن کو گرانے اٹھے

دلنشیں سب کے جو تھے آلِ عبا کے اخلاق | بد انھیں کہتے تو بد بھی اسے ٹھہراتے مذاق
لائے وہ بات کہ جائز ہو مگر ذہن پہ شاق | شرع کے دائرے میں کثرتِ ازواج و طلاق

باپ پر لعن شب و روز جہاں پڑھتے تھے
یہ فسانے وہیں بیٹے کے لیے گڑھتے تھے

کہہ دیا ایک نے چونسٹھ ہیں شہ دیں کے حرم | دوسرا بولا کہ نوے ہے نہیں ایک بھی کم
ایک نے ڈھائی سو اور تین سو فرمائے بہم | سات سو ایک سخی کر گئے گھبرا کے رقم

جھوٹ بولا تھا۔ یہ سب اس کی ہے پیچ۔ بات یہ ہے
حافظہ جھوٹے کو ہوتا نہیں۔ سچ بات یہ ہے

بحث و تحقیق میں منطق کا یہ واضح ہے اصول | متعارض ہوں کئی قول تو سب نامقبول
حکم تھا کثرتِ ازدواج کو دو طول پہ طول | نہ بتائی گئی تعداد۔ یہ بس ہو گئی بھول

چونسٹھ اور سات سو کا فرق جو موضوعی ہے
خود ہے شاہد کہ یہ افسانہ مصنوعی ہے

کھیل کھیلا ہے امارت نے بہت طفلانہ | تول اب فکر کی میزان میں یہ افسانہ
حق پہ کھنے کو ہے تاریخ بڑا پیمانہ | عصبیت سے مگر ہو کے ذرا بیگانہ

جانچ تعمیل کے معیار پہ گفتارِ حسن
دیکھ افعال کے آئینے میں کردارِ حسن

کُل تواریخ نے اجماع کیا ہے اس پر | عمر حضرت کی ہوئی زہد و عبادت میں بسر
رات بھر طاعتِ معبود تو روزہ دن بھر | حج کے پچیس سفر برہنہ پا برہنہ سر

آبلے پڑتے تھے تلووں سے لہو بہتا تھا
ہر برس چار مہینے یہ سفر رہتا تھا

رات بھر جاگ کے جو شخص ہو دن بھر بھوکا | سنگ ریزوں پہ چلے دھوپ میں پھر برہنہ پا
پھر شب و روز ہو جاری یہ تسلسل، تو بھلا | زہد اور عیش ہیں ضد، جمع یہ ہو جائیں گے کیا

کیا نمازوں میں حسن عقد کیا کرتے تھے
روزے میں بیاہ کا شربت بھی پیا کرتے تھے

سیرتِ زہد کے راوی ہیں سب از روئے رجال　　پاکِ خو، نیک سیئر اہلِ خبر، صدق مقال
جو بیاں کرتے ہیں وہ کثرتِ ازواج کا حال　　کلِّ حکومت کے غلامان کریہُ الاعمال
ذکر کافی میں نہیں ان کا۔ بخاری میں نہیں
چار یاری میں نہیں پنجہزاری میں نہیں

ان اکاذیب میں اک بات عجب ہے یہ رقم　　خرچ ہوتے تھے ہر اک عقد میں اک لاکھ درم
سات سو عقد کیے جبکہ حسن نے پیہم　　سات سو لاکھ درم صرف ہوئے کم سے کم
ہے جواب اس کا اسی لغو بیاں سے پیدا
یہ درم ہو گئے گھر بیٹھے کہاں سے پیدا

یہ بھی ارشاد ہے اس باب میں کذابوں کا　　پھر بھی وقتِ طلاق آپ نے فرمائے ادا
پھر سخا کا تھا یہ عالم صفتِ دستِ خدا　　درِ عالی سے سوالی کبھی خالی نہ پھرا
قرض لینے کی بھی نوبت نہ کبھی آتی تھی
کیا رقم اتنی بڑی عرش سے آجاتی تھی

پھر وہ گھر چند حرم رہتے تھے جس میں یکجا　　اس محل کے نہ محلے کا نشاں ہے نہ پتا
اس کہانی میں پھر اک یہ بھی لطیفہ ہے نیا　　دی طلاق آپ نے جس کو اسے راضی بھی کیا
اور تو کیا کہیں بس موتیوں سے منھ بھر دیں
آپ لینے پہ طلاق ایک کو راضی کر دیں

اس کے برعکس ہے اک مسئلۂ نفسیات　　لبِ زن کو ہے جہاں مُہرِ خموشی سے نجات
ہو وہاں کی کسی عورت کو جو معلوم یہ بات　　ہے طلاق اس کی یقینی تو اٹھا دے گی برات
لوگ ذلت سے اٹھے اور نہ فتنے اٹھے
اور اٹھے تو بتائے کوئی کتنے اٹھے

پہلی اُس دور کی تاریخ بہ ایمائے امیر | ہے اس افسانۂ ازواجِ کی باطل تحریر
نام ہیں بیویوں کے درج نہ کنبہ نہ خمیر | چند اولادیں ہیں اور اس قدر ازواجِ کثیر

سات سو ہوتے جو ایک بھی ہوتا فرزند
بانجھ تھیں سب جو نہ اللہ نے بخشا فرزند

تھی ۴۶ برس وقتِ قضا عمرِ حسن | پندرہ جن میں تھے ایسے کہ لڑکپن بچپن
نو برس حج کے سفر حسبِ روایاتِ حسن | چھ برس دورِ علی اور بغاوت کی گھٹن

دس برس گوشہ نشیں۔ جاتے نہ آتے تھے حسن
ایسے حالات میں کیا بیاہ رچاتے تھے حسن

کر کے چالیس برس وقت سے ہر طرح نباہ | چھ برس رہ گئے۔ کیا ان میں کیے سات سو بیاہ
جھوٹ، بہتان۔ غلط، عقل کی توہین، گناہ | افترا، تہمت و الزام۔ نعوذ باللہ

لوگ یوں حق سے بدل جاتے ہیں اللہ اللہ
جیتی مکھی کو نگل جاتے ہیں اللہ اللہ

اس لیے وضع کیے جاتے تھے یہ افسانے | کلمہ گو کوئی حسن کو نہ خلیفہ مانے
بعد حیدر کے مظالم وہ کیے دنیا نے | چین پایا نہ گھڑی بھر بھی کہیں مولا نے

اِس طرف آپ کی بیعت کو مسلمان اٹھے
اُس طرف شام سے بپھرے ہوئے طوفان اٹھے

کلمہ گویوں کے یہاں عزم کا تھا یہ عالم | ہاتھ بڑھنے لگے بیعت کے لیے دم بہ دم
علم اور حسنِ عمل تھے جو محرکِ بہم | بہرِ اقرارِ وفا ٹوٹ پڑے تھے آدم

دس ہزار آئے ابھی اور ابھی بیس ہزار
مجتمع چار ہی دن میں ہوئے چالیس ہزار

حسنِ پاک نے اس شرط پہ یہ بیعت لی | ساتھ تم دو گے مرا جنگ میں کہ صلح میں بھی
سب نے وعدہ بھی کیا مسجدِ کوفہ میں یہی | پھر بھی مشہور ہے کوفی کی صفت لایوفی

وقت پر حیدرِ کرار سے پھر جاتے تھے
مردہ خوروں کی طرح مال پہ گر جاتے تھے

بند آنکھیں جو ہوئیں شیرِ خدا کی اک بار | نام سے جن کے لرزتے تھے بڑے کوہِ وقار
یک بیک ہو گئے سوتے ہوئے فتنے بیدار | بے وفا ہونے لگے شام کی سازش کا شکار

رشوتیں چلنے لگیں ٹھنڈی ہواؤں کی طرح
تفرقے پھیل گئے بڑھ کے وباؤں کی طرح

اہلِ طاقت کو یہ آنے لگے خفیہ پیغام | حاکمِ شام کے ہے پیشِ نظر قتلِ امام
منچلا جو کوئی کوفے میں کرے گا یہ کام | ہاتھ کے ہاتھ ہے دو لاکھ درم نقد انعام

پھر وہ بیٹی بھی مری زر کے سوا پائے گا
شام میں عیش کی راتوں کا مزا پائے گا

تابعِ مسجدِ کوفہ تھے جو عالم، جاہل | تھے خوارج بھی منافق بھی انھیں میں شامل
ہو گئے زر کے پجاری جو صفوں میں داخل | حق پرستوں کی بھی پہچان ہوئی اب مشکل

جال سے بچھ گئے کُل ملک میں جاسوسوں کے
غیرتوں کے ہوئے سودے کہیں ناموسوں کے

ہر طرف دوڑ رہے تھے جو فریبوں کے سمند | صدق کی، عدل کی، اخلاص کی تھیں راہیں بند
تاک میں رہتے تھے موقع کی جو تخریب پسند | گھر سے مسجد میں بھی آتے تھے حسن بکتر بند

دم بہ دم کوفے میں خبریں جو در آمد ہوتیں
شام سے مکر کی اجناس برآمد ہوتیں

سے وفادار نہیں ہوتا

دیکھنے کے لیے فوجیں تھیں حسن کی بھی کثیر | نگراں فوجوں کے سردار ہوس کے تھے اسیر
نقد لے کے ثمن بیچ چکے تھے جو ضمیر | اُن کے باطن سے تھے آگاہ امامِ دلگیر

دل جو کہتا تھا اٹھو۔ دل پہ بگڑتے تھے حسن
جنگ موذوں جو نہ تھی نفس سے لڑتے تھے حسن

جنگ میں واقفِ الہام کی تھی فکر بجا | میری ہی فوج میں کر دیں گے مجھے قتل اعدا
پھر چلائیں گے محبوں پہ مرے تیغِ جفا | عذر ہوگا کہ یہ ہے خونِ حسن کا بدلا

جز امارت، نہ رسالت نہ امامت ہوگی
مٹ کے رہ جائے گی توحید قیامت ہوگی

ان خیالات کی پہنچی جو دمشقی کو خبر | چل پڑا شام سے اک فوجِ منظم لے کر
دلبرِ فاتحِ خیبر نے سنا جب یہ اِدھر | خود چلے لے کے مدائن کو دفاعی لشکر

قائدِ امن جو میداں کی طرف آتا تھا
چرخِ ظالم بھی تواضع سے جھکا جاتا تھا

اور اک سمت سے ممکن تھا جو فوجیں آنا | کی ادھر کو بھی رواں اک سپہِ فرزانہ
قیس جو حبِ ید اللہ کا تھا دیوانہ | اس کو سالاری لشکر کا دیا پروانہ

جو محب تھے وہ کفن باندھ کے سر سے آئے
یہ اِدھر سے تو خبر کار اُدھر سے آئے

قیس کی فوج میں فتنوں نے اڑا دی یہ خبر | مل گئے حاکمِ شامی سے جنابِ شبّر
اُس طرف فوجِ مدائن میں بصد شورش و شر | دی یہ شہرت کہ پھری قیس کی ہو لاسے نظر

جبکہ سالار نے کی صلح۔ ڈرا مرنے سے
فوج بھی ہٹ گئی پھر فوج کشی کرنے سے

سازشی بھی جو ہزاروں تھے میانِ لشکر | ان کی شورش سے بڑھا نشۂ دوانی کا اثر
باندھ لی فوج کے دستوں نے بغاوت پہ کمر | منبرِ حمد سے ناگاہ پکارے شبّر
دوستو! شور و شغب بند یہ فی الفور کرو
میں جو کہتا ہوں سنو، فکر کرو۔ غور کرو

کیا نہ اس شرط پہ تم نے مری بیعت کی تھی | ساتھ تم دو گے مرا جنگ میں بھی صلح میں بھی
بخدا دل میں یہاں بغض نہ ہے کینہ دری | ہر بشر کے لیے ہے عام محبت میری
خیر افضل ہے بہر حال شر انگیزی سے
امن بہتر مرے نزدیک ہے خوں ریزی سے

سازشی پا گئے موقع جو یہ فقرہ سن کر | اٹھ کے اک شور مچایا یہ میانِ لشکر
لو سنو صلح پہ مائل ہے محمدؐ کا پسر | ہم بھلا کاہے کو آئے تھے یہاں چھوڑ کے گھر
مال و زر اب جو میسر کوئی صورت ہی نہیں
کس کو لوٹو گے یہاں جنگ کی نیت ہی نہیں

مشتعل ہو گئے یہ سن کے جو سارے کوفی | یک بیک پھیل گئی فوج میں افرا تفری
جانِ زہرا پہ شقی ٹوٹ پڑے لوٹ مچی | لے کے بھاگا کوئی جامہ تو عمامہ کوئی
ثابت اک تارِ گریباں نہ یہاں چھوڑ گئے
یہ غنیمت تھا کہ اک رشتۂ جاں چھوڑ گئے

چند مخلص تھے جو ہمراہِ شہِ جن و بشر | وہ سوئے شہر چلے جانِ علی کو لے کر
خارجی تاک میں تھا ایک جو مابینِ سفر | اس کی تلوار کا اک وار پڑا زانو پر
خاک پر بن میں شریعت کا نگہباں گرا
رحل زانو سے ید اللہ کا قرآں گرا

جلد لائے گئے صحرا سے مدائن میں جناب
زخم گہرا تھا۔ کئی دن میں ہوئے صحت یاب
شام کی فوج بھی آ پہنچی یہاں تک جو شتاب
خود اٹھے جنگِ دفاعی کو شہِ فیض مآب

اپنے لشکر کا جو بڑھ کر سر و ساماں دیکھا
مردہ دل فوج کا اک شہرِ خموشاں دیکھا

کچھ تو کثرت سے مخالف کی تھے ہیبت کا شکار
نہرواں کی تھی تھکن بعض کے شانوں پہ سوار
کچھ کی زلفوں پہ تھا صفین کے میداں کا غبار
گھر میں بیٹھے تھے نہ چھ سات برس سے زنہار

کچھ جیالے جو رضا کار تھے دم خم والے
اُن کو گھیرے ہوئے تھے پانچویں کالم والے

حاکمِ شام کو اس فوج کی خبریں جو ملیں
طے کیا اُس نے کہ اب جنگ تو ممکن ہی نہیں
ساتھ ہی اس کے مگر تھا اسے اس کا بھی یقیں
منھ تو موڑیں گے نہ میداں سے کبھی سرورِ دیں

ہاتھ سب ان کی نگاہوں میں یداللہ کے ہیں
ایسے ویسے نہیں بیٹے اسد اللہ کے ہیں

گو کہ تعداد میں تھوڑا ہے حسن کا لشکر
بدر کی قلت افواج بھی تھی پیشِ نظر
صلح کا ایسے میں پیغام مناسب ہے مگر
سلسلہ رک کے نہ رہ جائے کہیں شرطوں پر

نگہِ غیب سے ہر چال کو پہچانیں گے
حق پرستی کے خلاف ایک نہیں مانیں گے

بھیجا پیغام کہ دلبندِ علی جانِ بتول
اپنے منھ مانگے شرائط پہ کریں صلح قبول
کربلا دیتی تھی آواز کہ فرزندِ رسولؐ
چھوڑ دیں مجھ پہ جہاد۔ آپ کریں جنگِ اصول

منحصر بزم ہی کے نظم پہ رزمیہ ہے
فتح مکے کی ہے پھر۔ پہلے حدیبیہ ہے

سب ہیں راوی۔ طبری، ابنِ حجر، ابنِ اثیر
حسنِ پاک کو شامی کی جو پہنچی تحریر
فوج سے آپ نے کی بر سرِ منبر تقریر
ایُّہا النّاس! ابھی شام سے آیا ہے سفیر
پیش کش صلح کی لایا ہے۔ کیا چاہتے ہو
امن بھی جنگ بھی قبضے میں ہے کیا چاہتے ہو

موت عزت کی جو چاہو تو کرو صلح کو رد
فیصلہ تیغ سے ہو جائے، بہ امدادِ صمد
زندگی تم کو ہے مطلوب تو بے ردّ و کد
عہد نامے کی ہو توثیق رہے تاکہ سند
مچ گیا شور۔ کہ ہم جنگ نہیں چاہتے ہیں
صلح اب چاہتے ہیں اور یہیں چاہتے ہیں

فوج ہی جنگ نہ چاہے تو کرے کیا سالار
بس اُحد میں نہ چلا۔ ڈر کے جو بھاگے فرار
کرلیا صلح کا فرزندِ نبیؐ نے اقرار
یہ نہ کرتے تو ٹھہر جاتے یہی ذمہ دار
دوش پر سارے فسادات کا بار آجاتا
ہوسِ جاہ کا دامن پہ غبار آجاتا

یہ قدم۔ مکرِ سیاست کو جو مرغوب نہیں
ظاہرا صلح ہے۔ باطن میں مگر فتحِ مبیں
ملک گیری کی نہ خواہاں تھی نگاہِ حق بیں
تھی امامت تو فقط امنِ دو عالم کی امیں
عہد نامے کو پڑھو۔ ترکِ قیاسات کرو
دوستو ابنِ حجر سے بھی ذرا بات کرو

شرطِ اول ہی یہ تھی صلح کی۔ مضبوط، اٹل
حاکمِ شام کرے۔ سنّت و قرآں پہ عمل
یہ وہی شرط تھی شوریٰ میں پڑا جس سے خلل
مسلکِ شاہِ سلونی میں خلافت کا بدل
تھا یہ منشا کہ نہ منشائے رسالت چھوڑو
اس کو چھوڑو نہ کبھی۔ چاہے خلافت چھوڑو

تین شرطوں کی یہ ہر بھر کے غرض تھی اصلی
امن دنیا میں رہے۔ عدل کی ہو پابندی
پانچویں شرط بہ منشائے تحفظ یہ تھی
وال علی پر نہ تبرا ہو جہاں ہوں علوی

کیوں کرو بحث۔ کہاں ہوتے تھے کب ہوتے تھے
دستخط کہتے ہیں خود۔ جرم یہ سب ہوتے تھے

صلح کہتی ہے جو اس فعلِ حسن کو دنیا
سطح بینو! یہ نتیجہ ہے غلط فہمی کا
صلح وہ ہوتی ہے مل جائیں جہاں دل بخدا
حق و باطل کا ملے دل کہیں ممکن ہے بھلا!

ذہنیت تھی وہ بدلنا جو بہت گندی تھی
جنگ بندی بھی دمشقی کی زباں بندی تھی

اس حقیقت سے تھا آگاہ محمدؐ کا پسر
صلح ہوگی تو یہ قائم نہ رہے گا اس پر
چند دن میں یہ خلش سامنے آئی کھل کر
دس برس سہتے رہے ظلم مسلسل شبرؑ

فرض سمجھا تھا جو عترت کی پریشانی کو
زہر دلوا کے رہا فاطمہ کے جانی کو

شربتِ تلخ سے مولا نے وہ کلفت پائی
جیسے دل پر شہ مسموم نے برچھی کھائی
خانۂ بنتِ نبیؐ میں یہ قیامت آئی
بھائی کے سامنے دم توڑ رہا تھا بھائی

روح زہرا کی تڑپتی تھی نبیؐ روتے تھے
عرش ہلتا تھا حسین ابن علی روتے تھے

اثرِ زہر سے رہ رہ کے جو کٹتا تھا جگر
تھام لیتے تھے کلیجے کو علی کے دلبر
ہائے وہ کرب کا عالم وہ جنابِ شبرؑ
تکیہ اللہ پہ اور زانوئے شبیرؑ پہ سر

لگ گئی آنکھ تو اک حشر کا منظر دیکھا
خواب میں فاطمہ زہرا کو کھلے سر دیکھا

دل کو ہاتھوں سے تھیں پکڑے ہوئے رقّت طاری | خاک تھی گیسوؤں پر آنکھوں سے آنسو جاری
چوم کر کہتی تھیں ہونٹوں کو بہ آہ و زاری | اے مرے لال یہ کیا حال ہوا ہے واری

خبر زہر دغا سن کے جو گھبرائی ہوں
میں تمھیں خلد سے لینے کے لیے آئی ہوں

وقتِ رحلت ہے قریب اے مرے آرامِ جگر | لو بس اب زینب و کلثوم سے مل لو اٹھ کر
سونپ دو چھوٹے برادر کو ید اللہ کا گھر | پیار کر لو مرے قاسم کو بھی ہنگامِ سفر

اس پہ لازم تمھیں شفقت کی نظر ہے بیٹا
میرے شبیر کا فدیہ یہ پسر ہے بیٹا

سن کے یہ خواب سے چونکا جو علی کا دلبر | آنکھ کھلتے ہی حسین آئے نظر بالیں پر
رو کے بولے کہ اخی اب ہے برادر کا سفر | چند ساعت کا ہے مہمان یہ تفتیدہ جگر

تم کو گھر بار، تمھیں عقدہ کشا کو سونپا
الفراق اے مرے مظلوم خدا کو سونپا

رو کے شبیر پکارے مرے پیارے بھائی | نہ تو نانا ہیں نہ بابا ہیں ہمارے بھائی
اب اگر آپ بھی دنیا سے سدھارے بھائی | پھر جیے گا یہ حزیں کس کے سہارے بھائی

دشمنِ جاں ہے جہاں منھ کو نہ موڑے جاؤ
اس برے وقت میں تنہا تو نہ چھوڑے جاؤ

رو کے بولے یہ حسن جانِ پدر میں قرباں | دل تڑپتا ہے کہ تم بیکس و تنہا ہو یہاں
ہے مگر موت سے مجبور جہاں میں انساں | خواب میں آئی تھیں جنت سے ابھی تو اماں

آؤ بھائی سے ملو زینب مغموم بہن
لو خدا حافظ و ناصر مری کلثوم بہن

کہتے کہتے یہ سخن رخ پہ جو زردی چھائی | نگہِ یاس نے بہنوں پہ قیامت ڈھائی
ہاتھ پھیلا کے بڑھیں کہہ کے جو ہے بھائی | ابھی ملنے بھی نہ پائی تھیں کہ ہچکی آئی

طشت کی سمت جو منہ اٹھ کے جھکایا افسوس
ٹکڑے ہو ہو کے کلیجہ نکل آیا افسوس

لختِ دل منھ سے اگلنے لگے پیہم جو حسن | بیٹھ کر رونے لگی یہ بھی بہن وہ بھی بہن
سر جھکائے ہوئے روتے تھے شہِ تشنہ دہن | بھر گیا چھوٹے بڑے کتنے ہی ٹکڑوں سے لگن

دلِ صد پاش کے گنتا کوئی کیونکر ٹکڑے
آئی آواز جگر کے ہیں بہتر ٹکڑے

کربلا جیسے پکاری یہ بہ صد آہ و فغاں | طشت میں ہے یہ لہو، خونِ رواں کا ساماں
دل کے ٹکڑوں کی ہے تعداد سے یہ راز عیاں | مرگ شبر میں ہے شبیر کا مقتل پنہاں

ہو گیا آج سے آغاز عزاداری کا
بی بیاں عزم کریں شام کی تیاری کا

خاک پر شاہِ شہیداں نے عمامہ پھینکا | بہنیں غش کھا کے گریں گھر میں ہوا حشر بپا
دیکھنے کے لیے نفیس جو بڑھے شاہِ ہدا | مل کے مظلوم سے مسموم برادر رویا

پھر یہ بولے مجھے بستر سے اٹھاؤ بھائی
کس طرف ہے مرے قاسم کو بلاؤ بھائی

آئے قاسم تو کیا پیار۔ کہا رو رو کر | الوداع اے مرے نادان پدر کا ہے سفر
بولے پھر مادرِ قاسم سے کہ اے نیک سیر | لو یہ خط باندھ دو اس لال کے تم بازو پر

یہ وصیت ہے ہماری انھیں بتلا دینا
کربلا میں تم اسے کھول کے پڑھوا دینا

خط کے مضمون سے واقف ہیں محبانِ حسین | اس جگہ ذکر کیا جائے تو ہو طولِ سخن
بھائی کو سونپ چکا گھر پسرِ قلعہ شکن | ہائے اب زہر کی تاثیر سے نیلا ہے بدن
حشر آیا شہِ دلگیر کے رونے والو
لو حسن مر گئے شبیر کے رونے والو

بی بیاں کرنے لگیں پیٹ کے سر شیون و شین | دل کو تڑپانے لگے زینب و کلثوم کے بین
حشر برپا ہے غلامانِ رسول الثقلین | لو وہ روتے ہیں تمھارے شہِ مظلوم حسین
تربتِ احمدِ مختار بھی تھرّائی ہے
ہائے شبّر کی بھتیجے سے صدا آتی ہے

بین کرتی تھیں یہ زینب کہ دہائی نانا | لٹ رہی ہے مری اماں کی کمائی نانا
ہائے ماں جائے کو میرے اجل آئی نانا | رہ گئی رونے کو یہ غم کی ستائی نانا
لوگ یاں آئیں تو یارب غمِ تازہ دیکھیں
بھائی کے ساتھ بہن کا بھی جنازہ دیکھیں

محوِ غم تھے صفِ ماتم پہ جو سب بھائی بہن | شور تھا ہائے اخی ہائے حسن ہائے حسن
اٹھ کے شبّیر پکارے یہ بہ صد رنج و محن | لے چلو نعشِ برادر کو پئے غسل و کفن
آ گئے میّت مسموم اٹھانے عباس
پائنتی تھے شہِ مظلوم سرہانے عباس

ظرف لایا کوئی بھائی کوئی پانی لایا | غسل سرور نے دیا۔ رو کے کفن پہنایا
کسی بی بی کی اس آواز نے محشر ڈھایا | ہائے اس وقت عجب وقت مجھے یاد آیا
کربلا میں جو رواں حلق پہ خنجر ہوگا
تجکو مظلوم! کفن تک نہ میسّر ہوگا

رخ سے شبر کے کفن شہ نے جو سرکایا اب | دیکھ کر چہرۂ پر نور کو رونے لگے سب
شاہِ مظلوم پکارے یہ بصد رنج و تعب | بھائی کے آخری دیدار کو آؤ زینب

اب یہ جلتے ہیں ترس جاؤگی صورت کے لیے
لاؤ قاسم کو بھی بابا کی زیارت کے لیے

سن کے یہ دوڑے تڑپ کر حرمِ عقدہ کشا | ہو گیا آخری دیدار۔ اٹھا شورِ بکا
ہائے ماموں کوئی کہتا تھا کوئی ہائے چچا | بہنیں غش کھا گئیں بھاوج نے جو سر کو پیٹا

غیر بھی دیکھ کے جانکاہ یہ منظر روئے
باپ کی لاش سے قاسم جو لپٹ کر روئے

گھر سے مسموم کا تابوت جو باہر نکلا | مجمعِ اہلِ تولا بھی کھلے سر نکلا
رخ کیے یہ جو سوئے قبرِ پیمبر نکلا | تاک میں ان کی وہاں فتنۂ محشر نکلا

مچ گیا شور کہ سوئیں گے نہ ہونے دیں گے
قبرِ احمد کے قریں دفن نہ ہونے دیں گے

بولے شبیر بہ منت کہ عزیزانِ کبار | جن کا روضہ ہے انھیں کے ہیں یہ کاندھے کے سوار
ان کے پہلو میں جو بن جائے گا ان کا بھی مزار | شاد ہوگی بخدا روحِ رسولِ مختار

قبرِ سرور کی طرف سے جو ہوا آتی ہے
سن لو نانا کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

وہ یہ سن کر بھی نہ مانے تو قیامت آئی | جوشِ غیرت میں بڑھے تن کے حسن کے بھائی
پھر لیکایک جو لعینوں نے کماں کڑکائی | شیر برہم ہوئے۔ عباس نے لی انگڑائی

بولے شبیر۔ رکو جانِ اخی صبر کرو
جنگ کا وقت بھی آئے گا ابھی صبر کرو

رہ گیا چاب کے ہونٹوں کو ید اللہ کا شیر　　حکم صابر کا منا۔ رک گئے ہاشم کے دلیر
ناگہاں فوجِ مزاحم نے کیا یہ اندھیر　　تیر برسائے جنازے پہ حسن کے تا دیر
شہ کی میت پہ شقی ٹوٹ پڑے ہائے غضب
سات پیکاں تنِ مردہ میں گڑے ہائے غضب

لے چلے گھر کو جو واپس وہ جنازہ ناشاد　　قبرِ احمدؐ پہ سنی سب نے کسی کی فریاد
یا نبیؐ امتِ مرحوم کی دیکھو بیداد　　کیا مرا لال حسن تھا نہ تمھاری اولاد
دل میں زہرا کے کئی گھاؤ پڑے ہیں بابا
تیر سب میرے کلیجے میں گڑے ہیں بابا

لے کے تابوت کو کنبہ جو پلٹ کر آیا　　پیٹ کر زینب و کلثوم گریں غش کھایا
کس کو گردوں نے بجز آل یہ دن دکھلایا　　عرش تھرّانے لگا۔ روح امیں چلّایا
آؤ اے اتقیو اک غمِ تازہ دیکھو
گھر میں آیا ہے جو واپس وہ جنازہ دیکھو

ذرّے ذرّے پہ کرے خامۂ تاریخ رقم　　دہر میں خلقتِ آدم سے کبھی تا ایں دم
کسی کافر کی بھی میت پہ ہوئے ہیں یہ ستم　　جا کے تابوت پھرے۔ پھر ہو دوبارہ ماتم
مانعِ دفنِ حسن امت دل سنگ ہوئی
اس قدر آلِ پیمبر پہ زمیں تنگ ہوئی

اے نسیم آلِ پیمبر میں مچا تھا کہرام　　بن گئی قبر بقیعے میں، اٹھی نعشِ امام
پاس مادر کے ہوا دفن علی کا گلفام　　اس لحد کا بھی مگر اب نہیں باقی کہیں نام
ہو کے مسمار جو اب تک نہ مدینے میں بنی
آپ کی قبر خود اسلام کے سینے میں بنی

جامعِ آیاتِ قرآنِ شہادت ہیں حسین مجمعِ اخلاص و شکر و صبر و ہمت ہیں حسین
شارحِ اجمالِ ایثار و صداقت ہیں حسین کربلا پر جو ہوئی نازل وہ آیت ہیں حسین

مصحف و شبیر ایک آغاز کا انجام ہیں
اُس کا قول اِن کا عمل جب مل گئے اسلام ہیں

وہ نبیؐ کے دل کی قوت، یہ نبیؐ کے دل کا چین وہ نبیؐ کی چشمِ بینا، یہ نبیؐ کے نورِ عین
مشرقِ اسلام وہ ہے، یہ امامِ مشرقین ایک ہی جلوے کے دو پرتو ہیں، قرآں اور حسین

فرق اتنا ہے۔ وہ جادہ ہے، یہ خضرِ راہ ہیں
اُس میں تاویلیں ہیں، یہ محکم کتاب اللہ ہیں

شانۂ دستِ عمل قرآن ہے، گیسوئے حسین وہ ہے بازوئے دیں کا، اور قوت بازوئے حسین
جنتِ اسلام کا وہ پھول ہے، خوشبوئے حسین وہ مشیت کا ہے تیور، جنبشِ ابروئے حسین

رمز فہمی کو مذاقِ دیدہ ور بھی چاہیے
اُس کے نظارے کو اِن کی سی نظر بھی چاہیے

وہ ہے تنزیلِ ازل، یہ ہیں امامِ لم یزل اُس میں شامل فاتحہ، یہ فاتحِ بابِ عمل
وہ ہے مجمل، یہ مفصل، وہ ہے عقدہ اور یہ حل وہ بدل اِن کا۔ یہ اُس کے اور دونوں بے بدل

وہ اصولِ حکمرانی، حاکمِ شرعی حسین
آیۃ الکرسی ہے اُس میں، صاحبِ کرسی حسین

دہر کی سورت ہے اُس میں، دہر کے رہبر حسین | اُس میں جو یٰسین، اُس یٰسین کے دلبر حسین
ہے وہاں طٰہٰ، یہاں طاہر ہیں سرتاسر حسین | سورۂ کوثر ہے اُس میں ضامنِ کوثر حسین

دین کی وہ جان ہے، یہ دین کا ایمان ہیں
اس میں اَلرَّحمٰن ہے، یہ عَلَّمَ الْقرآن ہیں

حاملِ وَالشَّفع وہ ہے، شافعِ امت حسین | اس میں ہے وَالنَّجم، نجمِ طالعِ ملت حسین
وَالْقمر اس میں، تو ماہِ منزلِ عصمت حسین | اُس میں ہے اِنّا فَتَحنا، فتح کی صورت حسین

اس میں ہے وَالشَّمس، حسن وَالشَّمس کی ضو آفتاب
یہ ہیں مطلع۔ ایک خود اور پشت پر نو آفتاب

حسن وہ ہے، یہ ملاحت، وہ جمال اور یہ جمیل | وہ قیادت، یہ امامت، وہ جلالت، یہ جلیل
وہ اساس اور یہ عمارت، وہ حرم اور یہ خلیل | حق وہ ہے، اثباتِ حق یہ ہیں، وہ دعویٰ یہ دلیل

وہ ہے فرقانِ مبیں، فاروق و فارق ہیں حسین
وہ شبِ معراجِ عرفاں، صبحِ صادق ہیں حسین

موسیِٔ دورانِ کل وہ ہے طور، یہ ہیں شمعِ طور | وہ تجلی کا تقاضا۔ یہ تجلی کا ظہور
وہ حقیقت کا سلیقہ، یہ حقیقت کا شعور | اِن کے نانا کا وہ اک سایا، یہ نانا کا ہیں نور

یہ نئی باتیں نہیں، روشن ازل کے دن سے ہیں
وہ پیمبر سے ہے قائم، اور پیمبر اِن سے ہیں

عزم وہ ہے، یہ طلب، وہ راز ہے، یہ کشفِ راز | اُس کے ہر نقطے میں نکتے، اور یہ نکتہ نواز
کبریائی کا وہ لہجہ، اِن کو خودداری پہ ناز | وہ کلامِ بے نیاز، اور یہ امامِ بے نیاز

اِن کے گھر آیا وہ، اِن کو پیشوا مانے ہوئے
دونوں ہیں اُلٹے سرے کے جانے پہچانے ہوئے

دور سے قربت نہ اِن کی بندہ پرور دیکھیے | ہاں رسول اللہ کی مسجد میں چل کر دیکھیے
جا چکے اصحاب۔ اب تنہا ہیں سرور دیکھیے | سو رہا ہے گود میں زہرا کا دلبر دیکھیے

وحی ہے اِس وقت، اور محبوبِ یزداں اور حسین
دو ہی اب مرکز توجہ کے ہیں قرآں اور حسین

وہ فَدَیناہُ کی عظمت ہے، تو یہ ذبحِ عظیم | وہ گواہی، یہ شہادت، وہ کرامت، یہ کریم
وہ فصاحت، یہ خطابت، وہ گلستاں یہ شمیم | وہ ہے نعمت، یہ ہیں منعم، وہ بہشت اور یہ قسیم

وہ جدھر تبلیغ کو جائے یہ اس کے ساتھ ہیں
وہ ہے رزقِ کبریا، یہ کبریا کا ہاتھ ہیں

مطلع الانوار اور تنویر، قرآں اور حسین | امن کا پیغام اور شمشیر، قرآں اور حسین
دین اور اسلامِ عالمگیر، قرآں اور حسین | خوابِ ابراہیم اور تعبیر قرآں اور حسین

اُس کی آیت، اِن کی آمد سے مدلل ہو گئی
جو کتابی تھی وہ قربانی مُشکّل ہو گئی

معجزہ اسلام کا قرآن، یہ معجز نما | وہ صحیفہ ہے، تو یہ مصحف نویسِ کربلا
اُس میں ہیں آیات، یہ تفسیرِ آیاتِ خدا | سورتیں اُس میں، تو یہ صورت گرِ نقشِ وفا

اُس میں اک سورہ ہے ایسا بھی جو ہے اُمّ الکتاب
یہ ہیں اس نقطے کا جز سمٹی ہے جس میں کل کتاب

مصحفِ اسلام کی اک رحلِ عظمت ہیں حسین | وہ ہے تعبیرِ حقیقت اور عبارت ہیں حسین
وہ ہے تطہیرِ زباں، دل کی طہارت ہیں حسین | متنِ وحدت وہ ہے گویا شرحِ وحدت ہیں حسین

یادِ ماضی کا ورق، اُس کی ہیں اکثر سورتیں
حال کی تنظیم ہیں، اِن کی بہتّر صورتیں

علم کی تکوین ہیں، وہ کائناتِ جاوداں یہ عمل کی حدیں، دارائے صفاتِ جاوداں
وہ ثبوتِ جاودانی، یہ ثباتِ جاوداں ناسخ و منسوخ اس میں، یہ حیاتِ جاوداں

لَوح ہے وہ جس میں امرِ کبریا ملفوظ ہے
لَوح ہے اِن کا بھی دل، قرآں یہاں محفوظ ہے

وہ ہے شمعِ حرّیت، یہ حرّیت کے آفتاب وہ جمالِ انقلاب، اور یہ جلالِ انقلاب
وہ شریعت کی جوانی، یہ طریقت کا شباب وہ صراطِ حق، یہ میزان، وہ کتاب اور یہ حساب

وہ تصوّر زندگی کا، یہ مثالی زندگی
وہ چمن کی آرزو، یہ ڈالی ڈالی زندگی

اُس میں ہے وَالفجر، یہ وَالفجر کا رازِ نہاں متصل جس سے، لیالِ عشر اے قرآن خواں
فجر سے ہے صاف روشن صبحِ عاشورا یہاں اور لیالِ عشر دس شبہائے عشرہ بیگماں

اب جو منکر ہو، نہ کھیلے منطقی گھاتوں کے ساتھ
ہاں دکھائے اور کوئی صبح دس راتوں کے ساتھ

پھر اسی سورے میں نفسِ مطمئنّہ کا ثبات ہے اک آئینہ، نظر آتی ہے جس میں ایک ذات
یعنی ابنِ فاطمہ، روحِ رسولِ کائنات ارجعی ہے ان کی رجعت وادخلی اِن کی حیات

صبحِ عاشورا کی اِس سورے میں صورت دیکھیے
اور پھر والعصر میں شامِ شہادت دیکھیے

کربلا میں اِن کے خطبے، شرحِ انجیلِ شعور رزم میں اِن کا رجز، سازِ حقیقت کی زبور
ہیبتِ موسیٰ کا ہے، توریتِ عارض سے ظہور طورِ سینا کی قسم، شبّیر ہیں قرآنِ نور

انصرامِ نظمِ وحدت کے جو ساعی ہیں حسین
جس میں ہیں چاروں کتب، ایسی باعی ہیں حسین

جُرح کی گنجائشیں اُس میں ہیں، یہ مجروح ہیں   وہ ہے مقتولِ قیاس و وہم، یہ مذبوح ہیں
وہ ہے کامل، یہ مکمل، وہ جسد، یہ رُوح ہیں   وہ بھی ہے مدّاح جن کا ایسے یہ ممدُوح ہیں
تو لیے افکارِ بے پاسنگ کی میزان میں
آیۂ الصابرین آیا ہے کس کی شان میں

رمز میں اُس کا سخن ہے کھیعص*   اس سخن کا مرکز و محور حسینِ خوش نژاد
کاف سے ہے کربلا، کلکِ مشیّت کی مراد   ہے ہلاکت ہ سے، اُور یٰ سے یزیدِ بدنہاد
عین ہے عینِ عطش، صابر کا اس میں صاد ہے
صاد ہے اس پر کہ صادق کا یہی ارشاد ہے

جانِ زہرا کو ہے قرآں سے وہ ربطِ جسم و جاں   جس طرح خورشید و مشرق جس طرح لفظ و بیاں
جس طرح چشم و بصارت، جس طرح تیر و کماں   جس طرح قلب و جگر، جیسے تکلّم اور زباں
ہو نہیں سکتے جدا ارشادِ یزداں اور حسین
لازم و ملزوم کی صورت ہیں قرآں اور حسین

وہ بصر ہے، یہ نظر، وہ ذہن، یہ فکرِ رسا   وہ تفکّر، یہ تدبّر، وہ سخن، یہ لب کشا
وہ نوائے کن فکاں، یہ بانگِ لولاک لما   اُس کا گھر مکّہ مدینہ، اِن کی منزل کربلا
آگے پیچھے یہ گزر کر ایک حق کی راہ سے
جا ملیں گے حوضِ کوثر پر رسولؐ اللہ سے

وہ ہے اِن کی زیب و زینت، یہ ہیں اُس کی زیب و زین   بدر وہ ہے، یہ ہیں خیبر، وہ اُحد ہے، یہ حُنین
عرش ہیں اور لامکاں میں جو ہے ربطِ جانبین   ہو بہو ایسے ہیں بس قرآنِ باری اور حسین
وہ ہے صامت، یہ ہیں ناطق، وہ نفس یہ رُوح ہیں
وہ کبھی نا محصُور ہے، اور یہ کبھی نا مفتوح ہیں

* کاف ہا یا عین صاد

اُس کا ہر نقطہ، حیاتِ نَو بہ نَو کا رازدار
اِن کے ہر قطرے سے خوں کے نبضِ ہستی بیقرار

روشنائی اُس کی، اِک تہذیب کی پروردگار
روشنی میں اُس کی یہ، راہِ عمل کے شہسوار

سربسر دونوں ہیں باطل کو پیامِ انقلاب
وہ رسولِ حریت ہے، یہ امامِ انقلاب

وہ کبھی ہے حق الیقیں، لیکن دمِ رفعِ فساد
اُس سے بڑھ چڑھ کر مؤثر نفس سے اِن کا جہاد

مرتے مرتے بھی رکھا قرآن کو سجدے میں یاد
اللہ اللہ موت اور یہ استقامت! زندہ باد

ہے ابد تک ہستیِ کہنہ جواں اِن کے لیے
ایک لمحہ ہے حیاتِ جاوداں ان کے لیے

بزم میں دیباچۂ کردارِ پیغمبر حسینؑ
رزم میں نانا کی ہیں تنظیم، سرتاسر حسینؑ

تیغِ باطل کُش محمدؐ، تیغ کا جوہر حسینؑ
اُن کے ساتھ اصحاب کا لشکر، خود اِک لشکر حسینؑ

علمِ قرآنی نہیں یا صولتِ رہبر نہیں
بعدِ پیغمبرؐ ہیں سب کچھ، صرف پیغمبر نہیں

اُن کا جذبہ اِن کی ہمت، اُن کا پیکر اِن کی جاں
اُن کا پہلو اِن کا دل، اُن کا دہن اِن کی زباں

اُن کا سینہ اِن کا بستر، اُن کا قول اِن کا بیاں
اُن کا دیں اِن کی حمایت، اُن کا تیر اِن کی کماں

خضرِ دوراں اُٹھ گیا، بانگِ درا منزل میں ہے
جو محمدؐ کا ارادہ تھا، اب اِن کے دل میں ہے

دِین کے وہ شاہ ہیں، شاہی کا یہ اقبال ہیں
وہ شکوہِ ہاشمی، یہ شوکت و اجلال ہیں

فرق کرنا ہو، تو وہ قرآن ہیں یہ آل ہیں
جانِ عبداللہ وہ ہیں، یہ علیؑ کے لال ہیں

وہ پلے بی بی حلیمہ سعدیہ کے شیر سے
پرورش پائی انھوں نے فاطمہؑ کے شیر سے

مصلحت فہمِ جہاد و صلح جوئی ہیں حسین
نامۂ اعمالِ امت کی نکوئی ہیں حسین
بہرِ جد۔ داغِ پسر کی اشک شوئی ہیں حسین
مخبرِ صادق کی اک پیشین گوئی ہیں حسین
اِن کی قربانی، محمدؐ کی صداقت ہو گئی
یہ شہادت، اُن کے کلمے کی شہادت ہو گئی

اللہ اللہ جانِ زہرا پر رسالت کے کرم
باجماعت سجدۂ طاعت میں پیغمبرؐ ہیں خم
پشت پر آ بیٹھے وہ۔ مُہرِ نبوت کی قسم
کربلا کے سجدۂ آخر کا ہے جن سے بھرم
یہ ہٹیں تو سر اٹھے اب مالکِ تقدیر کا
آج سجدہ بھی ہے تابع مرضیِ شبیرؑ کا

کیا بھلائے گا زمانہ یہ رسالت کے چلن
جلوہ گر دوشِ پیمبرؐ پر حسینِ گلبدن
اُن کے کاندھے پر قدم اِن کے مثالِ بت شکن
لطفِ منظر کا وہ میری گفتگو میں یہ سخن
کلمہ گو دیکھیں مرقع حیدری تنویر کا
باپ کے نقشِ قدم پر ہے قدم شبیرؑ کا

منزلِ قرآں محمدؐ، معنیِ قرآں حسین
مبدءِ ایماں محمدؐ، حاصلِ ایماں حسین
وہ ہیں شہ رگ، اور اس شہ رگ میں مثلِ جاں حسین
بادۂ عرفاں نبیؐ، کیفیتِ عرفاں حسین
وہ خدا کا زور، یہ زورِ خدادادِ علی
وہ حصارِ آیۃ الکرسی، تو یہ نادِ علی

صورتِ نادِ علی، یہ فتح و نصرت کا نشاں
کاٹ دی قرآں نے جیسے فصیحوں کی زباں
نور و ظلمت کی یہ پیہم کشمکش کے درمیاں
ہیں کلام اللہ کی گویا حیاتِ جاوداں
لاکھ فتنے ہوں انھیں مرعوب کر سکتے نہیں
اِن سے لڑ کر موت چیخ اٹھی۔ یہ مر سکتے نہیں

موت کے میداں کا تُو ہے فاتحِ اعظم حسین | زندگی ہے دو جہاں کی ایک تیرا دم حسین
رمزِ قرآنی کے عالم ۔ رہبرِ عالم حسین | نازشِ آدم یہی خواہِ بنی آدم حسین

طاق تھا ایثار میں ۔ غمخواریوں میں فرد تھا
تو سراپا عالمِ انسانیت کا درد تھا

تو بہادر، سورما، ساونت، محنت کش، دلیر | بھوکا، پیاسا، سیر چشم اتنا کہ جینے سے بھی سیر
ہر زبردست و قوی، تیری خود آگاہی سے زیر | ضیغمِ صحرائے عرفاں، بیشۂ وحدت کا شیر

محو تھا ایسا جمالِ ایزدِ غفار پر
سو گیا آرام سے تُو خنجروں کی دھار پر

فطرتِ انساں کی ہیں معراج تیرے خد و خال | لاجواب و فرد و یکتا بے نظیر و بے مثال
تیرے قدموں میں، تری آنکھوں میں ہنگامِ جدال | کوہِ فاراں کی صلابت، برقِ سینا کا جلال

گود میں بیٹی نے پیغمبرؐ کی پالا تھا تجھے
شیر نے سانچے میں پامردی کے ڈھالا تھا تجھے

اے حسین اے معنیِ قرآنِ صامت کے شباب | جب کبھی سر باطل اٹھائے تُو ہے روحِ انقلاب
آج یہ معمورۂ ہستی جو ہے دارُالخراب | آخرت سے پہلے انساں پر ہے دنیا کا عذاب

یک بیک ہاں تیرے ہیں طالب دین و ایماں المدد
المدد اے اسوۂ شاہِ شہیداں المدد

آج ہیں جو کار فرما مختلف فکری نظام | مادّیت کے یہ گونا گوں مظاہر ہیں تمام
کر رہا ہے جوشِ قومیت، وہ خونیں قتلِ عام | جس میں در پردہ، ملوکیت کا ہے سودائے خام

کچھ نہیں اس بادۂ بے کیف کی حاجت ہمیں
بزمِ ہستی میں ہے کافی اک حسینیت ہمیں

ہے حسینیت محمدؐ ساز اور خالق پسند | ہے حسینیت پیامِ انقلابِ بے گزند
ہے حسینیت قیودِ ملک و ملت سے بلند | ہے حسینیت ہر اک مظلوم دل کی درد مند

جو بھی ہیں فرزندِ آدم، بد ہیں وہ یا نیک ہیں
جب صفِ مظلومیت میں آگئے سب ایک ہیں

یہ صفِ مظلومیت جس میں ہے وحدت کا علَم | اس صفِ مظلومیت کا توڑ دینے کو بھرم
ہو رہی ہیں ٹھوس تنظیمیں مرتب بیش و کم | غم مناتے ہیں جو ہم سارے زمانے کو ہے غم

چرخ کو یہ ضد کہ اب مجلس کبھی ماتم کبھی نہیں
فیصلہ اپنا کہ یا غم بھی ہے یا ہم بھی نہیں

آج کیوں ہے ہاتھ میں دنیا کے تیغِ بے نیام | کس لیے آوازِ حق پر ہر جگہ ہے قتلِ عام
ہے تشدد کی طرف مائل جو دنیا کا نظام | کیا مشیت کر رہی ہے عصرِ نو کا اہتمام

کیا کوئی شاہد الٹ کر اب انقلاب آنے کو ہے
کیا وہی قرآن والا انقلاب آنے کو ہے

خون کی بارش ہے اور ظلم و تعدی کا نزول | زندگی ہے موت کی گستاخیوں سے دل ملول
اس کشاکش میں وہی زندہ ہے اے جانِ بتولؑ | جس نے بھی اپنا لیا تیری شہادت کا اصول

ہم عمل بھولے ترا کیا گردشِ ایام ہے
عصرِ نو پختہ ہوا اور فکرِ منبر خام ہے

وہ نزاعی چند بحثیں کٹ چکے جن پر گلے | دین و دنیا کے ہیں کچھ ان کے سوا بھی مسئلے
وہ اگر حل ہوں تو منزل سہل ہو مشکل ٹلے | غم نہیں گر دادِ مضموں کی نہ دیں کچھ منچلے

آپ سانچے میں ڈھلیں اُن کے۔ نہ یہ غم پالیے
اُن کو سانچے میں ائمہ کی روش کے ڈھالیے

جو محمدؐ کی سیاست کے علمبردار ہوں   ادھی باتوں پر قناعت کو وہ کیوں تیار ہوں
ہاں سیاسی تربیت چاہو تو پھر اخبار ہوں   مجلسیں لاکھوں ہوں پرچے بھی مگر دو چار ہوں

حملہ در عجم پہ ہیں سب فکرِ حفاظت کیجیے
یادِ قرطاس و قلم کی اب روایت کیجیے

ہاتھ آجاتا اگر بر وقت قرطاس و قلم   حق سے پھر محروم رہتے کیا نبیؐ کے بعد ہم
آج بھی بھولے جو اس نکتے کو اربابِ ہمم   خاک میں مل جائے گا تیرہ صدی کا سب بھرم

صرف اب جبہ نہ دستار و عمامہ چاہیے
قوم کے شایان شان اک روزنامہ چاہیے

وعظ ہوں یا مرثیے دم میں ہُوا ہیں یہ تمام   ہے عبث تبلیغِ وقتی جب نہ ہو ابلاغ عام
وقت کی آواز ہے قومی صحافت کا قیام   بے لبسی میں ہے یہی حق کی محافظ والسلام

کاغذی کشتی نہیں ہوتی ہے موجوں پر گراں
ہے یہ کاغذ کا سپاہی لاکھ فوجوں پر گراں

مقصدِ شبیرؑ میں شامل ہے یہ ابلاغ بھی   زینبِ کبریٰؑ نے جس کی قید میں تکمیل کی
یہ نہ پہنچاتیں جو اخبارِ حسین ابنِ علیؑ   پھر بغاوت بن کے رہ جاتی شہادت آپ کی

ہم نے مانا مقصدِ شبیریت رونا بھی ہے
جب زمیں تر ہو تو پھر تخمِ عمل بونا بھی ہے

مقصدِ شبیریت، شبیرؑ کے مسلک کا نام   مقصدِ شبیریت، ارکانِ ایماں کا قیام
ہے عزا داری میں استحقاقِ جنت لاکلام   شرط ہے لیکن روایت میں بھی عرفانِ امام

من بکیٰ علی الحسین او ابکیٰ   ہو عزا بھی اور عمل بھی دین کے ارکان پر
او تباکیٰ عارفاً بحقہٖ وجبت   ماتمِ شبیرؑ میں بھی ہو نظر قرآن پر   لہ الجنۃ۔

جب بھی عاشورا کے دن مقتل میں آتے تھے حسین　　دم بدم خطبات قرآنی سناتے تھے حسین
دشت میں تیر و سناں حسب رقت کھاتے تھے حسین　　شکر کی آیات پیہم پڑھتے جاتے تھے حسین
جب کسی کی لاش اٹھانے آئے تب قرآں پڑھا
اور ہمت بندھ گئی، مولا نے جب قرآں پڑھا

ہائے وہ نیزہ وہ اٹھارہ برس کا مہ جبین　　وہ جواں بیٹے کی میت اور وہ جلتی زمین
لاش اٹھانے کو جب آئے سرور دنیا و دین　　دم بہ دم ورد زباں تھا آیۂ الصابرین
بخش دی تھی جس نے یہ ہمت دل صد پاش کو
لے گئے ٹوٹی کمر پر نوجواں کی لاش کو

جب ملا تھا آپ نے رخ پر علی اصغر کا خون　　لے چلے تھے لاش خیمے کو بہ احوال زبون
ہر قدم ثابت قدم تھے صبر پر مثل ستون　　شکر دل میں۔ لب پہ تھا انا الیہ راجعون
ذہن کچھ بھی اس تصور کا نہ دیتا تھا جواب
ماں اگر بچے کو مانگے گی تو دوں کا کیا جواب

انا للہ کو تا آخر پڑھا جب سات بار　　ذہن میں آیا جواب اور قلب نے پایا قرار
جا کے ڈیوڑھی پر پکارے۔ اے رباب غمگسار　　تیرا بچہ ہو گیا نانا کی امت پر نثار
لے گئیں حوریں سوئے فردوس زیب و زین سے
گود میں دادی کی اصغر کھیلتے ہیں چین سے

اس قدر قرآں سے تھے پیوست امام محترم　　زیر خنجر بھی تلاوت کر رہے تھے دم بہ دم
ہے یہ قاتل کا بیاں کیونکر یقیں لائیں نہ ہم　　پڑھ رہے تھے سورۂ والعصر، جب توڑا ہے دم
ہو گئی منزل بھی گم آخر، دلیل رہ کے ساتھ
کٹ گئے الفاظ قرآں بھی گلوئے شہ کے ساتھ

اہلِ ایماں ربطِ قرآن و حسین ابنِ علی پوچھو اس بی بی سے جو خیمے کے در پر تھی کھڑی
جب تلک آیات قرآں کی صدا آتی رہی تھا یقیں زینب کو، زندہ ہے ابھی میرا اخی
رک گئی آواز یہ جس دم، تو گھبرائی بہن
ہائے بھائی کہہ کے ڈیوڑھی سے نکل آئی بہن

بین کرتی جا رہی تھی دم بہ دم بنتِ بتول حافظِ قرآنِ رب! اے راکبِ دوشِ رسول
پھونک دیجے پڑھ کے وہ آیت کوئی اے دل ملول جس سے ہو تسکینِ جاں کا قلبِ بسمل پر نزول
غم کے طوفاں سے لڑوں کیونکر، بتائے جائیے
پھر مجھے اک مرتبہ قرآں سناتے جائیے

گر پڑی غش کھا کے وہ بی بی تو کرتے بین ہو گئی پامال اُدھر لاشِ امامِ مشرقین
غل ہوا۔ قرآں ہے کی پارہ، تو صد پارہ حسین چڑھ گیا نوکِ سناں پر فاطمہ کا نورِ عین
کہف کا سورہ زباں پر، سر ہے نیزے پر بلند
ہے لبِ شبیر سے مر کر بھی قرآں سربلند

ہائے وہ نوکِ سناں پر خوں میں تر فرقِ حسین سر کھلے بلوے میں اولادِ شہِ بدر و حنین
وہ تماشائی سرِ بازارِ کوفہ جا نشین اور رسن بستہ وہ بی بی جو علی کی نورِ عین
مرد و عورت جمع ہیں سب قیدیوں کی دید کو
ایک میلہ سا لگا ہے آج جیسے عید کو

زینبِ مغموم نے سوچا یہ دل میں ناگہاں میں اسی کوفہ میں شہزادی تھی۔ بابا حکمراں
آتی تھیں میری زیارت کو یہاں کی بیبیاں اب ہوں میں قیدی، کھلے سر۔ بازوؤں میں ریسماں
آج ان حالوں سے کیا ان سب کو منہ دکھلاؤں گی
موت دے یارب کہ یوں بھی شرم سے مر جاؤں گی

سوچ کر یہ مضطرب تھیں غم سے بنتِ بوتراب   ہنس رہی تھیں ان کی غربت پر زنانِ بے حجاب
مڑ جب دوڑے کہ دیکھیں چل کے یہ حالِ خراب   شہ کا سر پڑھنے لگا قرآن ۔ آیا انقلاب

کوفیانِ شوم کے منھ فق ہوئے رنگ اڑ گئے
اس طرف سے سب کے رخ اُس سر کی جانب مڑ گئے

اٹھ گئیں زینب کی نظریں یک بیک سوئے حسین   رو رہا تھا خوں کہ نیزہ پر نبی کا نورِ عین
دور سے لے کر بلائیں یہ کیے خواہر نے بین   ہائے مر کر بھی نہیں بھیّا میسر تم کو چین

ہر طرح تسکین دیتے ہو دلِ صد پاش کو
بے کفن چھوڑ آئی ہیں لیکن تمھاری لاش کو

اے مرے معجز نما بھائی بہن تیرے نثار   میرا دل تڑپا تو اتنے ہو گئے تم بے قرار
دیکھو لو جھک کر ذرا بیمار کا بھی حالِ زار   بیڑیوں سے پنڈلیاں اور پشت دُرّوں سے فگار

بولا ہاتف غم نہ کھاؤ، یہ پیامِ وقت ہے
صبر کے جوہر دکھاتا ہے امامِ وقت ہے

رو کے بولیں ۔ اور سکینہ پر جو ہے ظلم و جفا   ایک ہی رسّی میں اُس کا اور میرا ہے گلا
اس لیے ہر وقت میں چلتی ہوں جھک کر راستا   گر کمر کرنے کو سیدھی سر اٹھاتی ہوں ذرا

جان ہے ننھی سی رسّی میں لٹک جاتی ہے وہ
جبکہ چھلتا ہے گلا روتی ہے چلّاتی ہے وہ

شمرِ ظالم غیظ میں آتا ہے بچّی کے قریں   پھول سے منھ پر طمانچے مارتا ہے وہ لعیں
رو کے میں کہتی ہوں ظالم کچھ قصور اس کا نہیں   ہے خطا میری مجھے دُرّے لگا او اہلِ کیں

خوں بہ جائے تو زینب اس کا غم کھاتی نہیں
وارثِ زہرا ہوں میں دُرّے سے گھبراتی نہیں

پھر کبھی دل کڑھتا ہے جب بچّی پہ ہوتی ہے جفا پیٹ کر کہتی ہے وہ منھ کر کے سوئے کربلا
کھاؤں میں کب تک طمانچے شمر کے آؤ چچا کان بھی زخمی ہیں میرے دیکھ تو جاؤ ذرا

گر نہ آئے اب بھی تم میری حمایت کے لیے
میں نجف جاؤں گی دادا سے شکایت کے لیے

اب جو بچّی سے کہوں وہ چل بسے اے نازنیں پیٹ کر مر جائے وہ اور یاں کفن ممکن نہیں
کون میت کو اٹھائے ہم فقیر اور سب لعیں ایک ہے سجّاد وہ مجبور و بیمار و حزیں

دیکھ کر رہ جائے گا حسرت سے تحت و فوق کو
وہ جنازے کو سنبھالے گا کہ بھاری طوق کو

ہل رہے تھے دو جہاں سن کر یہ زینب کے بَین تھے سناں پر محوِ قرآں کی تلاوت میں حسین
وقت کہتا تھا یہ رو کر اے علی کی نورِ عین جانشیں ہو تم اٹھے جب سے امامِ مشرقین

درمیاں بی بی قدم شاہِ مدینہ کا نہیں
امتحاں اب یہ تمھارا ہے سکینہ کا نہیں

مصطفیٰ کے باغ کی مرجھا چکی ہے ہر کلی تم ہو اب جانِ نبیؐ کے گھر کی وارث اور ولی
جس کے تھے شبیرؑ اُس گودی کی تم بھی ہو پلی تم حسین اس وقت ہو تم فاطمہ ہو تم علی

زور توڑا ہے تمھیں نے ظلم کے طوفان کا
تم سہارا آل کا تم آسرا قرآن کا

تم نے بچّوں کو سنبھالا جب لٹا زہرا کا گھر تم نے عابد کو بچایا آگ میں بھی کُود کر
منظرِ شامِ غریباں تھا بھیانک کس قدر تم پھریں عباسؑ کے بدلے تلایا رات بھر

پشت پر کھا کھا کے نوکیں نیزہ و شمشیر کی
تم نے بی بی لاج رکھ لی فاطمہ کے شیر کی

اِن خیالوں میں یہ گُم تھیں ناگہاں خُولی بڑھا دم بدم کھینچی رسن۔ اٹھے حرم۔ واحسرتا
جھک گئیں زینب کہ بچوں کا نہ گھٹ جائے گلا شمر نے دُرّے سے کی پشت مبارک پر جفا

فرطِ غم سے تازیانہ سر پٹک کر رہ گیا
خُون جو بہنے لگا کُرتا چپک کر رہ گیا

بالِ نسیم اب بزم میں دل ور ہے رقّت کا وفور یہ دعا کر اپنے مالک سے کہ اے ربِ غفور
دے تاسّی کی لگن اہلِ تولا کو ضرور ربط کا شبیر و قرآں کے یہ ہے بین السطور

دیکھتی ہے آج یہ احکامِ قرآں دور سے
ملّت مردہ کو زندہ کر عمل کے صور سے

نبیؐ کا دین ہے اک امتحانِ فکر و نظر | کتابِ حق کی زباں سے بیانِ فکر و نظر
درِ علوم کا در آستانِ فکر و نظر | زمیں پہ ختمِ رسُل آسمانِ فکر و نظر

نظر میں سب ہیں مناظر جو حمد و ذکر میں ہیں
نقوش لوح بھی محفوظ ان کی فکر میں ہیں

یہ فکر، فکرِ بشر سے ہے مختلف اک نور | ہیں اس نظر کے مناظر نگاہِ عام سے دور
ہماری فکر، ہماری نظر، قیاس و شعور | نبیؐ کی فکر، نبیؐ کی نظر، خدا کے امور

نبیؐ کی فکر و نظر غیب کی حقیقت ہے
یہ غیب، فکر و نظر کی بشر کو دعوت ہے

نبیؐ کی فکر لقب جس کا وحی اور الہام | ہر اک جگہ ۔ اَفَلَا تَعقِلُون ۔ کا پیغام
بہ قدرِ عقل ہے سب سے تخاطبِ اسلام | بہ حدِ علم ہر اک سے تعلّقِ احکام

غلط کہ تیغ کے جوہر سے دین پھیلا ہے
فقط علوم کے منبر سے دین پھیلا ہے

ہے اِن علوم کا مرکز، علوم کا عرفان | اسی کا نام شریعت میں، غیب پر ایمان
رسولؐ ایسے مفکر کہ فارق و فرقان | یہ فکر ہے، یہ نظر ہے، کہ ۔ عَلَّمَ القرآن

حدیث حاصلِ مقصد۔ تو وحی مقصد ہے
زبانِ خالقِ اکبر لبِ محمدؐ ہے

کلامِ غیب جو آیا وہ مصطفیٰؐ نے کہا
جو مصطفیٰؐ نے بتایا وہ مرتضیٰؑ نے کہا
جو مرتضیٰؑ نے سنایا وہ مجتبیٰؑ نے کہا
جو مجتبیٰؑ نے کہا شاہِ کربلا نے کہا

عجیب شان سے یہ معرفت کی شانیں ہیں
مآل ایک ہے بدلی ہوئی زبانیں ہیں

جو ان زبانوں پہ آیا وہ آیت و تفسیر
جو ان کی فکر سے باہر وہ خارِ دامنگیر
سخن میں ان کے ہے لطفِ کلامِ ربِ قدیر
جو بات ان کی "سلونی" تو پُر نمک تقریر

رہے زباں سے جو گلریز ہر زمانے میں
عمل کے پھول کھلے علم کے گھرانے میں

یہ بات کے تھے دھنی۔ ان کو تھی یہی اک دھن
کہ سن کے وہ بھی تو سمجھیں دماغ جن کے ہیں سُن
ہر ایک ان میں خطیبِ فرازِ منبرِ کُن
امامِ نطق۔ رسولِ بیاں۔ خدائے سخن

جو تلخیاں بھی ہوئیں، لذتِ بیاں نہ گئی
میانِ قید بھی آزادیِ زباں نہ گئی

حکومتوں نے اگر کی کبھی زباں بندی
ہجومِ غم میں زباں روک لی بخورسندی
مگر گھٹی نہ ہدایت کی آرزو مندی
معینِ کار ہوئی قدرتِ خداوندی

دعا کی شکل میں تبلیغ و رہنمائی کی
خدا کے ذکر میں بندوں کی ناخدائی کی

اسی عمل کا نمونہ ہے سیرتِ سجّاد
دعا میں رشد و ہدایت طریقتِ سجّاد
زبورِ آلِ محمدؐ فصاحتِ سجّاد
خلیلِ بتکدۂ شام حضرتِ سجّاد

ہزار قلب و جگر پر پڑے تھے تیشۂ غم
مگر دبا نہ کسی سے یہ شیر بیشۂ غم

نبیرۂ اسدِ کردگار ہیں سجّاد | جلالتِ شہِ دلدل سوار ہیں سجّاد
حشم ہیں ہاشمِ گردوں وقار ہیں سجّاد | یزیدیت کے لیے ذوالفقار ہیں سجّاد

قدم میں دم ہے شہِ دستگیر کی صورت
علی ہیں یہ بھی جنابِ امیر کی صورت

وہ تھا کھُلے ہوئے بازوئے دررہ طاقت | کہ جس کی شیر دلوں کے دلوں پہ تھی ہیبت
ہوئی نہ آنی کسی ماں کے لال کو جرأت | جوان سے بڑھ کے یہ کہتا کہ کیجیے بیعت

حسین اگرچہ اسی معرکے کو جھیلے تھے
مگر وہ پھر بھی بہتّر تھے یہ اکیلے تھے

یہ ہیں مجاہدِ راہِ خدا شجاعِ ازل | جو بل کرے کوئی موذی ابھی نکال دیں بل
لیے ہوئے سپرِ عزم خیر و تیغِ عمل | جہادِ حق میں رہے صبح و شام حسبِ محل

جہاں اصول کی بات آئی اس لڑائی میں
سمٹ کے خونِ علی آگیا کلائی میں

شجاع ایسے کہ جب تک ہوئے نہ تھے بیمار | صلاح لیتا تھا عباس سا علمبردار
کیے تھے رن میں دفاعی جو مورچے تیار | کہا تھا آکے انہی سے کہ وارثِ کرّار

کرو جو ردّ و بدل کچھ بہ آئنہ کر لو
محاذِ جنگ کا چل کر معائنہ کر لو

یہ بہرِ دید گئے، مشورہ دیا نہ دیا | وہ تھے چچا یہ بھتیجے، کسی کو دخل ہے کیا
یہ تھے امام تو وہ جانشینِ شیرِ خدا | ہر ایک خورد کے استاد تھے وہ ان کے سوا

جو تپ نہ ہوتی تو عشرے کو حشر ڈھا دیتے
ابو تراب کی صورت زمیں ہلا دیتے

مغالطے میں نہ ڈالے وہ گریۂ و زاری
کسی کا خوف بجز کبریا نہیں طاری
یہ جانشینِ نبیؐ ، یہ خلیفۂ باری
بڑھے جو حد سے کوئی آپ حد کریں جاری

کہے جو خو کہ پیمبرؐ مزاج ہیں سجّاد
پکارے خون۔ علی امتزاج ہیں سجّاد

سجودِ عشق میں ہر دم ہیں سیدِ سجّاد
جبھی تو آپ مجسم ہیں سیدِ سجّاد
عمل کی رو سے مکرم ہیں سیدِ سجّاد
بتا رہی ہے نظر ہم ہیں سیدِ سجّاد

جو داغِ سجدہ جبیں پر ہے بدر کی صورت
تو زلف مصحفِ رخ میں ہے قدر کی سورت

دمِ قیام، اقامت فدا ہے قامت پر
رکوع میں ہوں تو رکعت گلے ملے جھک کر
سجود اٹھ کے جبیں چوم لے جھکائیں جو سر
قعود بیٹھے دو زانو ادب سے پیشِ نظر

نماز میں جو قدم بوس یہ مصلّیٰ ہے
نہ کربلا ہے نہ عرش اور پھر معلّیٰ ہے

یہ رعب و داب کا عالم تھا گو چڑھا تھا بخار
جو آئے قتل کو لرزہ چڑھا انھیں ہر بار
تپ شدید سے غرق عرق تھا جسم نزار
عرق کی موج میں طوفانِ نوح تھا بیدار

جھلک تھی خونِ ید اللہ کی پسینے میں
رسولؐ کا تھا کلیجہ علی کے سینے میں

عمل میں علم میں حیدر ہیں سیدِ سجّاد
علی کا نقشِ مکرر ہیں سیدِ سجّاد
امینِ نسلِ پیمبرؐ ہیں سیدِ سجّاد
حسینؑ خلد ہیں، کوثر ہیں سیدِ سجّاد

وہ نوحِ کشتیٔ امت ہیں مصطفیٰؐ کی قسم
نبیؐ کی آل ہیں آدم ہیں یہ خدا کی قسم

جو کچھ نہ سمجھے وہ ان کو علی تو کہتے ہیں | کہیں نہ پھول تو کیا ہے، کلی تو کہتے ہیں
اگر امام نہیں تو ولی تو کہتے ہیں | خفی ہو جو بھی دلوں میں جلی تو کہتے ہیں

یہ صاف کہتے ہیں وہ، جو نہیں دو عملی ہیں
جو ہوتے آپ تو شامل بھی ہوتے کملی ہیں

جو ہر زہ گرد ہیں گردانتے ہیں وہ بھی انھیں | جو حق شناس نہیں، جانتے ہیں وہ بھی انھیں
جو کچھ نہ مانے کبھی، مانتے ہیں وہ بھی انھیں | جو ملتے نہیں پہچانتے ہیں وہ بھی انھیں

عبادتوں کے شرف جن کو اک معمّا ہیں
وہ معترف ہیں کہ یہ اسم با مسمّیٰ ہیں

دعائیں ان کی ہیں یا کارساز کی باتیں | میانِ عاشق و معشوق ناز کی باتیں
حقیقت ابدی سے مجاز کی باتیں | وہ بے نیاز سے راز و نیاز کی باتیں

سب ان کے وِردِ ائمہ کا بھی وظیفہ ہیں
نہیں رسول مگر صاحبِ صحیفہ ہیں

نبیؐ کی فکر ہے ان کا بیان صلِّ علیٰ | وہی دہن وہی لب اور زبان صلِّ علیٰ
حسن حسین کے دل اور جان صلِّ علیٰ | علی کی شان، محمدؐ کی آن صلِّ علیٰ

ولی بھی جس کے موالی ہیں وہ ولی دیکھو
نبیؐ کے چوتھے خلیفہ ہیں یہ علی دیکھو

درِ قبول ہے ان کا رِواق صلِّ علیٰ | درود و حمد سیاق و سباق صلِّ علیٰ
یہ زہد و کلفتِ مالا یُطاق صلِّ علیٰ | گلے میں طوق قیادت میں طاق صلِّ علیٰ

علی ہے نام بھی اور یوں بھی ہیں ولی سجّاد
ہر اک لحاظ سے ہیں دوسرے علی، سجّاد

وہ سر پہ بارِ امامت وہ پاؤں میں زنجیر | نحیف اور جلالت کی سر بسر تصویر
وہ صبر و شکر سے تبلیغِ دینِ عالم گیر | بشر کے بھیس میں گویا ہے سیرتِ شبیر

اسیرِ ظلم بھی ہیں سطوتِ حسنین بھی ہیں
یہ ایک وقت میں عابد بھی ہیں حسین بھی ہیں

علی تھے جیسے شہنشاہِ ذوالمنن کے بعد | حسن تھے جیسے امامِ صنم شکن کے بعد
حسین جیسے تھے نامِ خدا حسن کے بعد | ہر اک شرف میں یہ ایسے ہیں پنجتن کے بعد

ملی ہے حشر سے حد آپ کے عزائم کی
کہ منتظر ہے قیامت انہی کے قائم کی

علاے کہنہ میں زین العباد فخرِ عباد | مرید ان کے ملائک یہ دو جہاں کی مراد
جسد تھا قید، ضمیر و زبان و دل آزاد | جہاد ان کا عبادت، عبادت ان کی جہاد

جہاں بھی تھے یہ بہر حال راہِ عشق میں تھے
شریک معرکۂ کربلا دمشق میں تھے

وقوعِ معرکۂ کربلا کے بعد کا دور | وہ اک زمانۂ تاریخ ساز۔ سازشِ جور
وہ زر خریدِ خلیفہ بہر طریقہ و طور | زبان و قلب و ضمیر و نگاہ و جرأتِ غور

جو کہتے کچھ تو زباں قطع ایک دم ہوتی
جو لکھتے کچھ تو قلم کی زباں قلم ہوتی

دلوں میں تیرِ فضائل کے گھاؤ تھے گہرے | جو بندشیں تھیں زباں پر تو گوش پر پہرے
بھرے ہوئے تھے جو زہرِ نفاق سے زہرے | بنا دئے تھے وہ گونگے بنے ہوئے بہرے

بیاں کو لب نہ ہلانے کی وہ زباں دیتے
اذاں بھی کہتے تو کانوں میں انگلیاں دیتے

وفا کے حلق پہ چلتی تھی تیغِ جور و جفا　　نبیؐ کے دین کی صورت بدلتی تھی دنیا
گھرے تھے ایسی فضائیں علیِؑ زینِ عبا　　کہیں تو خود ہوں فنا چپ رہیں تو حق ہو فنا

ضرور تھا کہ اعادہ ہو روحِ خیبر کا
علومِ ختمِ رُسُلؐ کا شکوہِ حیدرؑ کا

نبیؐ کے عزم کی پھر وقت کو ضرورت تھی　　بجز مریض کسی میں کہاں یہ ہمت تھی
یہ قامتِ تپ و لرزہ میں استقامت تھی　　مرض نہ تھا وہ حیاتِ عمل کی صورت تھی

تصوّرات سے ذوقِ طلب زیادہ تھا
دلِ نحیف میں اللہ کا ارادہ تھا

نفاق و کفر بڑھے تھے پرے جمائے ہوئے　　جو دل سے دل تو قدم سے قدم ملائے ہوئے
یہ دبدبے سے ہر اک شور و شر دبائے ہوئے　　خدا کے دین کو چھاتی سے تھے لگائے ہوئے

عدم کی سَیل میں ڈوبے وہ طنطنے بہہ کر
علیؑ بڑھے جو ادھر سے علی علی کہہ کر

اٹھائی تیغ نہ پہنی زرہ نہ خون بہا　　مگر وغا سے جو ملتا . ملا بغیرِ وغا
خطاب و وعظ و خطابت کا جونکہ اذن نہ تھا　　دعا کی شکل میں بتلائی ہر مرض کی دوا

اندھیری رات میں لوگ ان سے ذکرِ رب سنتے
بلند ہوتی تھی آواز جس کو سب سنتے

حیاتِ قوم کے ضامن تھے جو امورِ عظیم　　دعائیں ان کی بھی ڈنکے کی چوٹ دی تعلیم
کفیلِ قوت و طاقت جو زر کی ہے تقسیم　　یہ چاہتی ہے معاشی و عسکری تنظیم

سہ علی ابن الحسین　　دعائیں کہہ گئے جو راہِ حق کا راہی ہو
فضول خرچ نہ ہو، شیر دل سپاہی ہو

اگرچہ سارے مقاتل میں ہے رقم یہ بات
جو مختلف ہیں بہ منشائے شاہ و فرقِ رُوات
یزیدیوں کی زبانی مگر ہیں تفصیلات
انھیں تو کام ہی تھا خلط ملط سے دن رات
رہے وہ شک میں عقائد ہی جس کے کچے ہیں
یہ دُر ملے تو ہیں جھوٹوں سے پھر بھی سچے ہیں

اگرچہ اصل خبر میں نہیں ہے جائے کلام
فضا کی لوح پہ محفوظ ہے کلامِ امام
مگر ہے غیر کے لفظوں میں واقعہ یہ تمام
بس اب تو گوشِ عقیدت ہے اور لبِ الہام
زراہِ فکر سوئے شام جا رہا ہوں میں
اساسِ صدق پہ اک گھر بنا رہا ہوں میں

مری زباں میں بیاناتِ اہلِ جور سنو
سخن کی طرز سنو، گفتگو کا طور سنو
رواتیوں کا جو ہے ماحصل، بغور سنو
بتول سننے کو تشریف لائیں، اور سنو
حضور آئیں تو رحمت کا بھی نزول ہوا
ہزار شکر مرا مرثیہ قبول ہوا

کھلی جو چشم تصور، زمیں ہوئی ہموار
نظر پڑا وہ یزید اور وہ بھرا دربار
ہٹے۔ جو ریب و گمان و شکوک کے تھے غبار
کہ جس میں سات سو کرسی نشیں اور اک بیمار
شراب و ساز، خلافت تبار محفل میں
یہ ذہنیت کے ہیں آئینہ دار محفل میں

وہ رعب و دبدبۂ سلطنت وہ جاہ و حشم
مہیب ان کی وہ شکلیں نفس بھی صاعقہ دم
وہ چوبدار سنائیں بلے قدم بہ قدم
کرے جو چوں بھی کوئی گُرز کھائے سر ہو قلم
لیے یزید سے وہ قتل کے نوشتے تھے
وہ جیسی روح تھی ویسے ہی یہ فرشتے تھے

بغیر نظمِ معیشت محال تھا جینا
تو اک دعا میں یہ کہہ کر دکھایا آئینہ
الٰہی مجھ کو عطا کر وہ دیدۂ بینا
کہ دخل و خرچ کا پہلے بناؤں تخمینہ

دکھائیے تو کوئی ایسی مثال پہلے کی
یہ فکرِ آل ہے چودہ سو سال پہلے کی

نہ قرض مانگے کبھی میری غیرتِ علوی
بقدرِ دخل رہے خرچ میں میانہ روی
کروں نہ صرف، نہ جب تک ہو احتیاج قوی
زبانِ حال ہیں جس طرح قافیے میں روی

یہ سب نکات دعائے ادائے قرض میں ہیں
فروغِ دین ہیں، فرضی نہیں ہیں فرض میں ہیں

پھر اک جگہ جو گھرے کافروں میں اہلِ ثغور
نہ تھا کوئی جو سکھاتا جہاد کے دستور
دعائیں زین عبا نے کہا کہ ربِ غفور
یہ شر ہو دور مسلماں کو دے وہ فہم و شعور

کریں خود اپنی مدد اور تجھے بھی یاد کریں
ضعیف گھر میں رہیں اور جواں جہاد کریں

سلاحِ جنگ کو یوں اور یوں کریں صیقل
رسد بھی چاہیے آغازِ جنگ سے اوّل
کھڑے ہوں مخبر و جاسوس ہر قدم ہر پل
شریکِ معرکہ ہوں مال و زر سے اہلِ دُوَل

محاذِ جنگ پہ دنیا بھی اور دین بھی ہو
کہ اتحاد بھی تنظیم بھی، یقین بھی ہو

یہ اتحاد، یہ تنظیم، یہ یقین جو آج
زمانے بھر میں ہے رائج، فقط بطورِ رواج
نہ شاعروں کی ہے جدّت نہ قائدوں کا مزاج
ہے اُس کی فکر جو تھا ابنِ صاحبِ معراج

جو آج اہلِ بصیرت کے ہاتھ آئے ہیں
یہ دُر ذخیرۂ درِ نجف سے پائے ہیں

دعا سے ان کی کوئی اب چلے کہ ہاتھ ملے
یہ باغِ علم و عمل کے تھے پھول پھولے پھلے
پسر تھے اُن کے جو زہرا کی گود کے تھے پلے
نبیؐ کے ذہن سے سوچا، چلن علی کے چلے

علی کا رعب بھی تھا خلقِ جدِ امجد بھی
یہ اپنے وقت کے حیدر بھی تھے محمدؐ بھی

نبی کے خُلق کے وارث، یہ خَلق کے مختار
حرم کے قافلے میں حق کے قافلہ سالار
زمینِ شام سے پوچھو جلال و جاہ و وقار
بندھے تھے ہاتھ مگر صدق کے علم بردار

یہ ترجمانِ فروع و اصول بن کے گئے
امامِ وقت تھے بالکل رسولؐ بن کے گئے

نبی کا سلسلۂ علم و سیرت و اقوال
بیانِ غیر تھا کچھ اور کچھ روایتِ آل
مگر شہید ہوئے جب حسینِ صدق مقال
اُنہی کے ساتھ ہوا دفن سب وہ ماضی و حال

اگر نہ حضرتِ عابد کی ذات رہ جاتی
تو ہر حدیث میں غیروں کی بات رہ جاتی

اگر نہ عابدِ ذی جاہ سے جری ہوتے
تو پھر نہ باقرِ علمِ پیمبری ہوتے
نہ فقہِ جعفرِ صادق نہ جعفری ہوتے
نہ شہرِ علم، نہ حیدر، نہ حیدری ہوتے

خدا کے دین کی تذلیل ہو کے رہ جاتی
کتابِ پاک بھی انجیل ہو کے رہ جاتی

یہ ایسے عقدہ کشا جب تھے بیڑیوں میں اسیر
تو آگئی تھی وہ منزل بھی اک بہ روئے امیر
ٹپک رہا تھا نظر سے جلالِ خیبر گیر
بھرے تھے غیظ میں یہ پانو پڑتی تھی زنجیر

جو منہ تھا سرخ تو رخسار تمتمائے ہوئے
یہ اک تو شیر تھے اور اس پہ چوٹ کھائے ہوئے

یہ حکم تھا کہ ابھرنے نہ دیں صدائے ضمیر | جو بات حق ہو وہ منہ سے نہ کہنے پائے ضمیر
نہ تیوریوں کی شکن سے کبھی ہو ادائے ضمیر | نفاق کے تھے معلّم وہ سب برائے ضمیر
بھرے جو تخت سے دنیا کھلی بری پھر جائے
گلے پہ جرأتِ اخلاق کے چھری پھر جائے

بہ این تجمّلِ شاہی نگاہِ حاکمِ شام | اٹھی بہ چشمِ خماریں سوئے امامِ انام
بہ صد غرورِ حکومت کیا شقی نے کلام | کہو خیال ہے کیا اے حسین کے گلفام
جو خیر خواہ بنے کچھ نہ کچھ صلا پایا
حسین نے مری بیعت نہ کی تو کیا پایا

یہ لفظ سنتے ہی بپھرا جو وارثِ کرّار | تو پہرے والوں کے ہاتھوں سے گر پڑے ہتھیار
لرز رہا تھا جو غصّے کی تھرتھری سے بخار | تو بیڑیوں کی گئی دور دور تک جھنکار
کہا ڈپٹ کے۔ طریقِ بیاں سنبھال شقی
حسین اور تری بیعت! زباں سنبھال شقی

ذلیل کیا کوئی ناچار مجھ کو سمجھا ہے | نحیف و عاجز و بیمار مجھ کو سمجھا ہے
کچھ اپنی طرح سے فرار مجھ کو سمجھا ہے | عمر سے پوچھ یہ سو بار مجھ کو سمجھا ہے
قیامت آئے جو غصّے میں آستیں الٹوں
انہی بندھے ہوئے ہاتھوں سے میں زمیں الٹوں

نہ لے حسین کا نام اپنے ساتھ بد تہذیب | حسین پیکرِ صدق و صفا ہیں تو کذیب
وہ اپنے جد کے توسّل سے کبریا کے حبیب | خدا کی خلق میں تیرے سلف خدا کے رقیب
سناں کی نوک سے کبھی اُن کے ساتھ ہیں قرآں
نفاق دل میں ترے اور ہاتھ میں قرآں

بھلا حسین کا اعزاز تو نے پایا ہے؟
ترے لیے بھی۔ بذبحٍ عظیم۔ آیا ہے؟
نبی کو تو نے کبھی ناقہ کبھی بنایا ہے؟
کسی ملک نے کبھی جھولا تجھے جھلایا ہے؟

ارے بتا، ترا نانا جہاں کا ہادی ہے؟
زباں سے بول تری ماں رسول زادی ہے؟

ترے گھرانے میں کوئی فلک جناب ہوا
کسی دلیر کا شیرِ خدا خطاب ہوا
جہاں میں کس کا پدر مالکُ الرقاب ہوا
کسی کا باپ زمیں پر ابوتراب ہوا

ہمارے جد کو تو بندے خدا سمجھتے ہیں
نبیؐ سے پوچھ۔ ترے جد کو کیا سمجھتے ہیں

علی نبیؐ کے برادر بھی، دل کا چین بھی تھے
درِ علوم بھی خیبر کی زیب و زین بھی تھے
فروغِ بدر بھی تھے فاتحِ حنین بھی تھے
اور ان کے بعد حسن بھی تھے، پھر حسین بھی تھے

وہی چلن تھے وہی طرزِ کارزار بھی تھی
علی کا زور بھی۔ قبضے میں ذوالفقار بھی تھی

دہم کو بھی شہِ مرداں کی شان سے وہ لڑے
دمِ دفاع بڑی آن بان سے وہ لڑے
جو خود اُدھر سے بڑھا اس جوان سے وہ لڑے
پہل نہ کی کبھی جس پہلوان سے وہ لڑے

امامِ وقت تھے خود امتحان لیتے تھے
کسی کو جرم سے پہلے سزا نہ دیتے تھے

مچا تھا شور کہ دیکھا نہ شہسوار ایسا
ملک بھی جس کے جلو میں ہیں اقتدار ایسا
فلک رکاب پہ جھک جائے ذی وقار ایسا
کسی کی تیغ نہ ایسی نہ راہوار ایسا

یہ مصطفیؐ کی نشانی، وہ یادگارِ علیؑ
یہ ذوالجناحِ پیمبرؐ، وہ ذوالفقارِ علیؑ

بھری وہ جس پہ جہاں سے وہ نابکار چلا | اسی نے وار دیا سر کو جس پہ وار چلا
پلک کے سائے گئی جس پر وہ سوئے نار چلا | سقر کو شوم۔ طویلے کو راہوار چلا

پکاری روح کوئی شے نہ میرے ساتھ چلی
میں جیسے آئی تھی ویسے ہی خالی ہاتھ چلی

جگر تپاں تھے ہر اک جاں الم سے تفتہ تھی | زباں کیا کہ صدا بھی گلوگرفتہ تھی
سقر کی سمت کو عمر رواں بھی رفتہ تھی | کبھی ہلال وہ تھی گہ مہ دو ہفتہ تھی

کوئی نظر نہ ٹھہرتی تھی ضو کا حال یہ تھا
چمک سے فوج کو کاہش ہوئی کمال یہ تھا

وہ یوں حریف سے لیتی تھی جان جیسے قرض | خم فلک میں اماں کو چھپا تھا خطۂ ارض
حلال رزق ملے کچھ۔ صیام کی تھی یہ عرض | نماز کہتی تھی مجھ پر ہے تیری طاعت فرض

جہاں ہو تو میں ترا احترام کرتی ہوں
چلائے جو تجھے اس کو سلام کرتی ہوں

پکارا صور کہ جھنکار ہو تو ایسی ہو | لہو کی نہر بہی دھار ہو تو ایسی ہو
خدا کے ہاتھ کی تلوار ہو تو ایسی ہو | جہاں یہ آئی ہے سرکار ہو تو ایسی ہو

خود اس کو مان گئے جبرئیل ایسی تھی
پروں کو اصل نہ سمجھی اصیل ایسی تھی

بشر تو کیا ہیں فرشتوں کو یاد تھی اس کی | جو تھا ارادۂ حق وہ مراد تھی اس کی
عجیب شان بہ وقت جہاد تھی اس کی | یہ قدر تھی کہ قضا خانہ زاد تھی اس کی

کبھی وغا میں اجل کا نہ کوئی داؤں چلا
اسی کے سائے میں پیک قضا بھی پاؤں چلا

حسامِ شاہ سے ناری غضب میں گر کے مرے
تری سپاہ سے آنکھوں کی طرح بھر کے مرے
سوار خون میں مچھلی کی طرح تر کے مرے
ہزار مر کے گرے، او دو ہزار گر کے مرے
اجل کی رَو میں ہزاروں کنارِ جو سے بہے
لہو نتھنوں سے بہا، اور تن لہو سے بہے

یہ رنگ دیکھتے ہی بیدلوں کے دل بھاگے
دغا کا نقش یہ بیٹھا کہ بد عمل بھاگے
جو چل سکے نہ قدم سے وہ سر کے بل بھاگے
نہیب شیر سے آہو کی طرح پل بھاگے
یہ تیغ پھینک کے جامہ سمیٹ کے بھاگا
وہ ہاتھ جھاڑ کے دامن لپیٹ کے بھاگا

پکارتا تھا یہ پیاسا نہ جاؤ تھم کے لڑو
جو دھوپ تیز ہو تو سائے میں علم کے لڑو
عرب نہیں ہو تو انداز سے عجم کے لڑو
پھر آؤ کھیت میں دو چار ہاتھ جم کے لڑو
ہمیں جگانے کہ خود جاگنے کو آئے تھے
دغا کو آئے تھے یا بھاگنے کو آئے تھے

مچا تھا شور کہ یہ حشر اٹھا کے دم لیں گے
بنائے شر کو جہاں سے مٹا کے دم لیں گے
پروں کو موج ہوا پر اڑا کے دم لیں گے
خدائی لوٹ پڑے تو بھگا کے دم لیں گے
وہ اک تو غیظ میں حیدر کے لالہ فام کی جنگ
وہ دوسرے پئے حق تیسرے امام کی جنگ

دکھا رہا تھا سلف کا جو خون اپنا اثر
فرارِ خیبر و بدر و احد کا تھا منظر
یہ سن کے غیظ میں جھلا گیا وہ بانیِ شر
دیا یہ حکم کہ اس خوش بیاں کا کاٹ لو سر
مخدرات یہ سنتے ہی جان کھونے لگیں
مریضِ خستہ جگر سے لپٹ کے رونے لگیں

بلک بلک کے جو روئے تمام اہلِ حرم | بنا یزید کا دربار مجلسِ ماتم
کلیجہ تھامے تھیں ہاتھوں سے زینبِ پُر غم | پکارتا تھا دلِ مضطرب کہ ہائے ستم

وہ چپکے چپکے طمانچوں کے ڈر سے روتا ہے
صغیر سن مرا باقر یتیم ہوتا ہے

عجب نہیں یہ کہا ہو کہ یا علیؑ فریاد | پھنسی ہے تازہ مصیبت میں آپ کی اولاد
مریض پر یہ ستم، ناتواں پہ یہ بیداد | تمام گھر تو لٹا رہ گیا ہے اک سجّاد

نہ ہو جو یہ بھی تو دیکھوں کا کون ہے بابا
نہ چھوٹا بھائی نہ اکبر نہ عون ہے بابا

خوشی میں محوِ طرب تھا جو حاکمِ گمراہ | کہا تو ہو گا یہ اس سے پھپی نے بھر کر آہ
ارے لعیں مرے بچے پہ رحم کر للہ | مرے اخی کی نشانی ہے اب یہ غیرتِ ماہ

اسی پہ کیا ہے ابھی دل جلوں پہ تیغ پھرا
یزید، پہلے ہمارے گلوں پہ تیغ پھرا

اٹھائے تیغ برہنہ جو آرہا تھا شقی | سکینہ سینہ سپر ہو گئی تھیں بھائی کی
نگاہِ قہر یہ درباریوں سے کہتی تھی | ارے خدا سے ڈرو میں علی کی ہوں پوتی

ابھی شقی کو ستم کا مزہ چکھاتی ہوں
رسن کھلے تو چچا کو بلا کے لاتی ہوں

بڑھا شقی سوئے عابد جو کھینچ کر تلوار | پکڑ کے بیڑیوں کو اٹھ کھڑا ہوا بیمار
عیاں تھے رخ سے وہ غیظ و جلال کے آثار | کہ جیسے قبرِ پیمبر پہ حیدرِ کرار

پکارتی تھی نظر۔ کچھ نہ کچھ سزا دیں گے
علی کے لال ہیں بجلی ابھی گرا دیں گے

یہ رنگ دیکھ کے وہ نابکار گھبرایا
لکھا ہے پنجۂ شیرِ خدا نظر آیا
جو یہ نہیں تو جلالت سے ان کی تھرایا
لرز کے چیخ کے گھگیا کے ڈر کے غش کھایا
بڑھی تھیں ہاتھ پکڑنے کو۔ رک گئیں زینب
سجودِ شکر میں خوش ہو کے جھک گئیں زینب

مصیبت آئی تھی جو ناگہاں، وہ دم میں ٹلی
خزاں سے پھول بچا کھل گئی دلوں کی کلی
تمام اہلِ حرم پڑھتے تھے خفی و جلی
دعائے ردِّ بلیات و وردِ نادِ علی
اثر دکھا گئی آخر ”سکینہؑ“ کی صدا
فضا میں گونج رہی تھی علی علی کی صدا

وفورِ خوف سے سب اٹھ کھڑے ہوئے اک بار
حرم کو لے گئے زندانِ غم میں ظلم شعار
یزیدِ نحس کو دہشت سے ہوش تھا نہ قرار
گیا جو گھر میں تو رو یا وہاں بھی زار و قطار
جو نیند آئی تو منہ کو دل و جگر آئے
رسولؐ، خواب میں روتے ہوئے نظر آئے

نبیؐ کی آہ سے ڈر کر اٹھا جو ظلم شعار
حرم کو قیدِ ستم سے رہا کیا ناچار
بلا سے چھوٹ کے سوئے کربلا چلا بیمار
وہاں پہنچ کے بنائے مسافروں کے مزار
لگا کے پار شریعت کے اس سفینے کو
دیارِ کرب و بلا سے گئے مدینے کو

مدینۂ نبوی میں مثالِ گوشہ نشیں
پدر کی یاد میں شام و سحر رہے غمگیں
نماز، روزہ، تلاوت، دعا بہ قلبِ حزیں
یہ زندگی کے مشاغل تھے اور امامِ مبیں
رہِ عمل میں نہ تھا کچھ نمود و نام سے کام
امامِ وقت تھے۔ رکھا خدا کے کام سے کام

کبھی یزید کا فتنہ خدا کے گھر دیکھا | کبھی نبیؐ کے مدینے میں شور و شر دیکھا
کبھی لہو کا تلاطم اِدھر اُدھر دیکھا | زوال و اوج خلافت کا عمر بھر دیکھا

ہر ایک حال میں غیروں سے بھی بھلائی کی
ہر ایک موڑ پہ امت کی رہنمائی کی

نہ طاقتوں سے یہ دب کر رہے نہ ٹکرائے | بہ اعتدال اٹھایا قدم جدھر آئے
مگر جو فرضِ امامت تھا، وہ بجا لائے | دعا کبھی مانگی تو قدرت کے راز بتلائے

جہالتوں کے گڑھے حکمتوں سے پاٹ دیے
اسی اصول پہ چالیس سال کاٹ دیے

خلافتِ اموی نے ہزار ظلم کیا | مگر حسین کا وارث بہ صبر و شکر جیا
ہوا نہ یہ بھی گوارا تو جل کے زہر دیا | مچا یہ شور - شقی نے نبیؐ کو لوٹ لیا

قتیلِ جور و جفائے ولید ہوتے ہیں
جنابِ عابدِ بیکس شہید ہوتے ہیں

ابل پڑا تھا جو ظلمِ شدید کا دھارا | مریضِ آلِ نبیؐ کو فریب سے مارا
تنِ حزیں متوّرم جو ہوگیا سارا | تو دل ہوا سمِ قاتل سے آہ صد پارہ

چھنے جو قلب و جگر شاہِ بے وطن کی طرح
کلیجہ کٹ کے نکلنے لگا حسن کی طرح

یہ ظلم ایسے خدا دوست پر روا ہے کہاں | جو گوشہ گیر - عبادت گزار - نافلہ خواں
نہ ملک سے جسے مطلب - نہ تن میں تاب و تواں | غمِ حسین میں چالیس سال سے گریاں

جو دیکھتا رہا ظلم و ستم کے رخ - سارے
جبھی تو گھل گئے تھے روتے روتے رخسارے

منا رہے ہیں خوشی ظلم و جور کے بانی | پڑا ہے غش میں حسینِ غریب کا جانی
دمِ نماز جو چونکا یہ حیدرِ ثانی | وضو کے واسطے اٹھ کر طلب کیا پانی
جو پانی آیا تو منھ آنسوؤں سے دھونے لگے
بھری نگاہوں میں بابا کی پیاس رونے لگے

تڑپ کے دل نے کہا ہائے سیدِ خوشخو | یہی تو ہے نہ ملا تین دن جو بہرِ وضو
اسی کی چاہ میں کوثر کو چل بسے مہرو | اسی کے واسطے عمّو کے کٹ گئے بازو
یہی تو وہ ہے جو بے شیر نے نہ پایا تھا
اسی کو مانگ کے گردن پہ تیر کھایا تھا

وضو سے ہو کے جو فارغ چلے مصلّے پر | جلو میں ساتھ تھے باقرؑ، کہا کہ نورِ نظر
بہت قریب ہے اس نیم جاں کا وقتِ سفر | نبیؐ کی شرع کے اب تم ہو ہادی و رہبر
غمِ حسین تو ہر دوستدار کو سونپا
یہ دین تم کو۔ تمھیں کردگار کو سونپا

اصولِ دین سے امت کو آشنا کرنا | فروعِ دین کی ترویج، جا بجا کرنا
مخالفوں سے رواداریاں سدا کرنا | مگر مجالسِ غم دھوم سے بپا کرنا
خوشی حبیبِ خدا کی غمِ حسین سے ہے
حیاتِ دینِ نبیؐ، ماتمِ حسین سے ہے

وہ سامنے مرا ناقہ جو ہے مرے دلدار | رہا رفیق یہ بائیس حج میں لیل و نہار
مجھے ہے اس سے محبت، تو اس کو مجھ سے ہے پیار | تم اس غریب کو کبھی نہ مارنا زنہار
اذیت اس کی مجھے ناگوار ہے بیٹا
کہ یہ بھی میری طرح جاندار ہے بیٹا

دلوں کو تھام لیں اب عاشقانِ زینِ عبا | یہیں اک اور سناؤں حدیثِ جور و جفا
دمِ وصیتِ آخر یہ تھی و ناقہ | اک آئنہ ہے صعوباتِ شام و کوفہ کا
بدل چکی تھی اگرچہ روش زمانے کی
مگر نہ بھولی تھی تکلیف تازیانے کی

غرضکہ آئے مصلّے پہ اور پڑھی وہ نماز | کہ جس کے بعد تھی حدِ وصالِ ناز و نیاز
ہر ایک ذکر طویل اور ہر اک سجود، دراز | پکارتی تھی یہ روحِ حسینِ سجدہ نواز
مجھے بھی ناز ہے جس پر یہی وہ طاعت ہے
یہ آخری مرے سجّاد کی عبادت ہے

ہوئی تمام جو آخر نمازِ جانِ رسولؐ | دعا و حمد کے لب چومتا تھا حسنِ قبول
دیا جو شکر کے سجدے کو حق کی یاد میں طول | تو ایک عصر کا یاد آیا سجدۂ مقبول
اٹھے جو روتے ہوئے کوچ کر گئے سجّاد
کہا حسین حسین اور مر گئے سجّاد

اٹھائی دوڑ کے باقرؑ نے لاش رو رو کر | تمام بی بیاں ماتم میں پیٹنے لگیں سر
محلّۂ نبی ہاشم میں غل مچا گھر گھر | اٹھا جہاں سے عزادارِ سبطِ پیغمبر
چھٹا وہ آل سے جو آسرا تھا غربت کا
بجھا چراغ شہِ کربلا کی تربت کا

عزا میں بال بکھیرے۔ بہ صد فورِ الم | تڑپ رہے ہیں نبیؐ و علیؑ کے اہلِ حرم
جو صبح و شام مناتا رہا حسین کا غم | اب اہلِ بیتِ پیمبر میں اُس کا ہے ماتم
جو نوحہ خواں تھا، اسے جب خموش پاتی ہیں
مجالسِ غمِ شبّیر خاک اڑاتی ہیں

نبیؐ و حیدر و زہرا کی روح ہے ناشاد | حسین کا ہے یہ نوحہ کہ ہائے اے سجاد
بتول کہتی ہیں رو کر کہ یا خدا فریاد | سہے گی دہر میں کیا کیا ستم مری اولاد
جفا سے قتل کیا۔ جبر و قہر سے مارا
مرے مریض کو ظالم نے زہر سے مارا

نبیؐ کی آل میں کچھ کم ہوا جو شورِ فغاں | کیا علیؑ کے محبوں نے غسل کا ساماں
بہ حدِ شرع تنِ پاک جب ہوا عریاں | تھے گہرے گھاو کے پشت و کمر پہ چند نشاں
تڑپ کے سب نے کہا۔ ہائے داغ دے کے چلے
یہ قیدِ شام کا تحفہ لحد میں لے کے چلے

کفن کے بعد ہوا جبکہ آخری دیدار | وفورِ گریہ میں حیراں ہوئے صغار و کبار
نظر پڑا رخِ روشن پہ یہ سماں اک بار | کھنچی ہیں جیسے لکیریں سی کچھ سرِ رخسار
کہا کسی نے۔ یہ اسرار ہو عیاں کیسے ؟
یہ چشمِ پاک سے تا ریش ہیں نشاں کیسے ؟

یہ بات سن کے سبھی نے دلوں پہ داغ سہے | مگر تڑپ کے یہ باقرؑ نے چند لفظ کہے
اُن اشکوں کے یہ نشاں ہیں جو ساری عمر بہے | یہ سن کے ہوش نہ شیروں کے برقرار رہے
چبا کے ہونٹوں کو تڑپے جنابِ زیدِ شہید
ان آنسوؤں کا ہیں لُبِّ لباب زیدِ شہید

اٹھا جنازۂ بیمارِ کربلا افسوس | سوئے بقیع مسافر رواں ہوا افسوس
ہر اک پسر نے عمامہ پٹک دیا افسوس | یہ سر کو پیٹ کے باقرؑ نے دی صدا افسوس
حرم کو چھوڑ کے جاتے تمہیں یوں کہیں بابا
یہ صبر و حلم میں سجاد تو نہیں بابا

وہ زخم پنڈلیوں کے پھر دکھایئے بابا | جراحتوں پہ تو مرہم لگایئے بابا
سنا کے شام کی خبریں رلایئے بابا | وہ پھر "اُقادمُ ذَلیلاً" سنایئے بابا

وہاں جو بنتِ علیؑ کو جلال آیا تھا
حضور نے انہیں کیا کہہ کے پھر منایا تھا

وہ قیدِ ظلم مجھے آج تک نہیں بھولی | وہ شام و کوفہ کے بازار اور آلِ نبیؐ
رسن میں لٹکے تھے جو ننھے ننھے دو قیدی | وہ ایک میں تھا اور اک میری نیم جاں بچی

نبیؐ سے خلد میں یہ غم تمام کہہ دینا
سکینہ بی بی کو میرا سلام کہہ دینا

بس اے نسیم کہ مجلس میں حشر ہے برپا | نہ کھائیں غش کہیں اب روتے روتے اہل عزا
دعا کا وقت ہے، منبر پہ کر خدا سے دعا | الٰہی حضرتِ سجادِ پاک کا صدقہ

سجودِ عشقِ حقیقی کا ذوق دے ہم کو
خلوص والی عبادت کا شوق دے ہم کو

نوٹ

اگر اس مرثیے میں حضرت امام زین العابدین کی شہادت کی بجائے دوسرے مصائب پڑھنا ہوں تو صفحہ ۲۷۴ کی حسب ذیل بیت کے بعد وہ بیس بند پڑھے جائیں جو اگلے صفحہ ۲۸۰ سے صفحہ ۲۸۴ تک درج ہیں۔

لگا کے پار شریعت کے اس سفینے کو
دیارِ کرب و بلا سے چلے مدینے کو

مصائب کا دوسرا جوڑ

لگا کے پار شریعت کے اس سفینے کو
دیارِ کرب و بلا سے چلے مدینے کو

عماریاں وہ سیہ پوش وہ نبیؐ کے حرم
مریضِ قافلہ سالار، دل شکستۂ غم
پھٹی ردائیں سروں پر، گواہِ ظلم و ستم
لیے تھا دوشِ مبارک پہ اک سیاہ علم

وہ بی بیوں کی فغاں، ہائے دل کے چین حسین
کبھی بکا، کبھی نوحہ، کبھی حسین حسین

فغان و مجلس و ماتم میں کاٹ کر وہ سفر
سلام اے مرے نانا کے بُقعۂ انور
وطن کے پاس پکاری یہ دخترِ حیدر
مدینۂ نبویؐ! اب مجھے قبول نہ کر

تمام اپنے عزیزوں کو کھو کے آئی ہوں
میں کربلا میں بھرے گھر کو رو کے آئی ہوں

دلا نہ یاد مجھے وہ سوئے سفر جانا
قنات روک کے عباس کا مجھے لانا
وہ محملوں کے قریں بھائی جان کا آنا
وہ ہاتھ تھام کے ناقے پہ آپ بٹھلانا

بکھری ہوں یوں کہ وہ سب اَقربا بھی سر پہ نہیں
یہ دن ہے آج کہ ثابت ردا بھی سر پہ نہیں

اُدھر نبیؐ کے مدینے میں عید گھر گھر ہے
خوشی میں کوئی جواں محوِ ذکرِ اکبر ہے
یہ شور ہے کہ وطن میں ورودِ سرور ہے
کسی کو شوقِ جمالِ نشانِ حیدر ہے

یہی ہے غل کہ شہِ مشرقین آتے ہیں
چلو مزارِ نبیؐ پر حسین آتے ہیں

محلۂ بنی ہاشم میں جب گئی یہ خبر | تو جمع ہوگئیں سب عورتیں بتول کے گھر
کسی نے ہنس کے کہا، شکرِ خالقِ اکبر | کوئی یہ فاطمہ صغرا سے بولی چلّا کر

مریض تیرے مسیحا پھرے مبارک ہو
شفا ہوئی ترے بابا پھرے مبارک ہو

سفر سے بنتِ علی شاد کام آتی ہیں | وطن میں خواہرِ شاہِ انام آتی ہیں
حرم میں ہو کے ذوی الاحترام آتی ہیں | تمہاری مادرِ عالی مقام آتی ہیں

ہر ایک شے کو ابھی دیکھ بھال لو صغرا
وہ ننھے بھائی کا جھولا نکال لو صغرا

کسی نے حضرت ام البنین سے ہنس کے کہا | مبارک آپ کو اے زوجۂ ولیِ خدا
سفر سے آپ کا عباس شہ کے ساتھ پھرا | دعائیں دے کے پکاری وہ ثانیِ سارا

خدا کا شکر کہ زہرا کا نونہال پھرا
بڑی خوشی تو یہ ہے فاطمہ کا لال پھرا

قریب آئی ادھر عترتِ جنابِ امیر | وہ گردِ راہ زنوں پر وہ غم سے حال تغیر
کبھی فغاں تو کبھی ذکرِ ظلمِ فوجِ شریر | قدم قدم پہ یہ پیہم پکارتا ہے بشیر

سفر میں فاطمہ کے نورِ عین قتل ہوئے
مدینے والو تمہارے حسین قتل ہوئے

قیامت آئی جدھر کو یہ بے دیار آئے | غمِ حسین میں بیتاب و بے قرار آئے
جنابِ عابدِ بیمار اشک بار آئے | مزارِ احمدؐ مرسل پہ سوگوار آئے

بُکا سے روضۂ عالی وقار ہلنے لگا
فغاں وہ کی کہ نبیؐ کا مزار ہلنے لگا

کوئی پکاری کہ نانا فلک ستائی ہوں | میں شرم سے یہاں آنے میں تھرتھرائی ہوں
یہ نذر آپ کے روضے پہ لے کے آئی ہوں | تمہارے ماہ لقا کی سنانی لائی ہوں

یہ لیجیے مرے بھائی کا سرخ جامہ ہے
لہو بھرا ہوا یہ آپ کا عمامہ ہے

کسی کا غل تھا کہ بازار میں گئی نانا | شتر پہ بلوۂ کفار میں گئی نانا
غضب ہے مجلسِ مے خوار میں گئی نانا | یزیدِ نحس کے دربار میں گئی نانا

شقی کی بزم میں کیا کیا نہ شور و شر دیکھا
ہزار ناریوں نے مجھ کو ننگے سر دیکھا

کسی نے فاطمہ صغرا سے بھی یہ جا کے کہا | نبیؐ کی قبر پہ اُتری ہے آلِ خیر الورا
یہ سن کے گھر سے چلی دخترِ امامِ ہدا | وہ شاد حضرتِ امُّ البنین وہ خوش صغرا

یہاں جو آئیں تو کچھ اور ہی سماں دیکھا
کہ چند بی بیوں کو مائلِ فغاں دیکھا

نبیؐ کی قبر پہ وہ بیقرار بیٹھی ہیں | الم میں خاک بسر دلفگار بیٹھی ہیں
فغاں میں سینہ و سر بار بار پیٹتی ہیں | سیہ لباس میں وہ سوگوار بیٹھی ہیں

الم میں دیکھنے والوں کی جان پھٹتی ہے
لحد پہ ایک ضعیفہ تو یوں تڑپتی ہے

یہ اس سے کہنے لگی فاطمہ جگر افگار | تمہارے حال پہ بی بی نہ صبر ہے نہ قرار
کہاں سے آئی ہو کیا نام ہے میں تم پہ نثار | خبر ہو کچھ تو کہو حالِ سیدِ ابرار

سنا تھا ہم نے کہ تشریف لا رہے ہیں حسین
کہیں ٹھہر گئے یا گھر کو آ رہے ہیں حسین

شناخت کر کے یہ بولیں بہ درد و رنج و تعب | ارے مجھے نہیں پہچانتی ہو تم بھی اب
رسولِ رب کی نواسی ہوں بنتِ ضیغمِ رب | میں واری فاطمہ تیری پھوپھی ہوں میں زینب

بدل گئی مری صورت وہ غم شدید ہوئے
میں قید میں گئی بابا ترے شہید ہوئے

سفر میں قاسمِ بے پر بھی مر گئے صغرا | پھوپی کے دونوں دلاور بھی مر گئے صغرا
مرے جوان علی اکبر بھی مر گئے صغرا | تمہارے ننھے برادر بھی مر گئے صغرا

سُنا انہوں نے جگر رکھ دیا جو برما کے
گری زمین پہ صغرا مریضِ غش کھا کے

لحد پہ شورِ فغاں سے بپا ہوا محشر | تڑپ کے رہ گئیں امّ البنین خستہ جگر
سنی خلافِ توقع جو کربلا کی خبر | عصا کو ٹیک کے اُٹھیں جلال میں بھر کر

کہا یہ دخترِ زہرا سے کیا نہ تھا عبّاس
یہ ظلم ہو گئے اور دیکھتا رہا عبّاس

شہید ہو گئے مقتل میں سب یہ ماہ لقا | سر اس نے کیوں نہ کٹایا بجائے شاہِ ہدا
مجھے پسر نے الٰہی کہیں کا بھی نہ رکھا | میں اب بتول کو کیا منہ دکھاؤں گی مولا

قسم خدا کی یہ تقصیر میں نہ بخشوں گی
جو یوں ہوا ہے تو پھر شیر میں نہ بخشوں گی

وہ رو کے بولیں کہ اماں یہ بات لب پہ نہ لاؤ | وہ میرے بھائی کے شیدا تھے ان پہ طیش نہ کھاؤ
مرے اخی کی محبت مجھے نہ یاد دلاؤ | یہ دیکھو بیٹھی ہیں بھابی انھیں گلے سے لگاؤ

وہ مرتے مرتے مطیعِ امام بن کے رہے
یہ لونڈی بن کے رہیں وہ غلام بن کے رہے

قدم پکڑنے کو روکر اٹھی وہ خستہ جگر | بہو کی سمت بڑھیں یہ جو ہاتھ پھیلا کر
مرے حسین پہ تو نے فدا کیا شوہر | گلے لگا کے یہ بولیں ۔ نثار میں تجھ پر

نبی کی قبر پہ زہرا ابھی جان کھوتی تھیں
نسیم ساس بہو یوں لپٹ کے روتی تھیں

علم ہے جانِ عمل۔ علم سے ہے شانِ عمل | علم ہی شانہ کشِ زلفِ پریشانِ عمل
دیدۂ عقل، جو پائے، کہیں پایانِ عمل | علم ہی علم ملے، تا حدِ امکانِ عمل

باعمل تھے، نہ عمل ہی نے جنم پایا تھا
عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ تو جب آیا تھا

بحثِ نی اِنّی رض خلیفہ کا یہ مضموں ہے اٹل | پست ہیں علم کی رفعت سے ملائک کے عمل
مفتخر تھے جو وہ تسبیح پہ اول اول | کہہ کے لَا عِلْمَ لَنَا خود یہ گرہ کردی حل

شاہد اس فیصلۂ غیب کا قرآن ہوا
جس نے کی علم کی تحقیر، وہ شیطان ہوا

علم کی نہر رواں قلزمِ قدرت سے بہی | اک نمی جس کی ہے، کونین کی بالغ نگہی
علم نے گوشِ خرد میں مرے یہ بات کہی | میں ہوں اک وصفِ اُلوہی، وہ مجازاً ہی سہی

عین ذات اس کا ہے علم اس سے جدا ہی کب ہے
یہ جدا ہو تو خودی ہے، وہ خدا ہی کب ہے

علم تخمیرِ چمن، علم شجر، علم ثمر | علم تقدیرِ زمن، علم قضا، علم قدر
علم نظارہ کشِ ناظر و منظور و نظر | علم ہی پردہ درِ غیب و حجابِ اکبر

قابَ قوسین بھی ہے، وحی کا ہمراز بھی ہے
علم محبوب کے محبوب کی آواز بھی ہے

علم مشاطۂ تخلیق کا ہے خمیازہ | علم آوازِ سرِ طور کا ہے آوازہ
علم اقدار کا اندازۂ بے اندازہ | علم روئے سحرِ کُن فیکوں کا غازہ

تا سلُونی یہ قدامت کا مزہ تازہ ہے
علم ہی شہر ہے، اور علم ہی دروازہ ہے

علم ہے کاشفِ اسرار کبھی اور راز بھی ہے | طائرِ عالمِ ہُو، کا پرِ پرواز بھی ہے
سر بہ سجدہ بھی ہے سجدے میں سرافراز بھی ہے | سوزِ دلسوز کبھی ہے، سازِ خدا ساز بھی ہے

جب ہو خاموش تو قرآنِ مبیں ہوتا ہے
بول اٹھے تو یہی روحِ امیں ہوتا ہے

منصبِ خضر پہ ہر راہ میں مامور ہے علم | دور ہے منزلِ مقصد بھی اگر دور ہے علم
جہل ہے سنگِ گراں۔ صاعقۂ طور ہے علم | چشمِ یعقوبِ بصیرت کے لیے نور ہے علم

ظلمتوں میں بھی وہ دیکھے گا جو ہو گا بینا
جلوہ گاہوں میں بھی پائے گا نہ کچھ نابینا

علم کے ہاتھ میں ہے توسنِ جودت کی لگام | خرد و عقل ہیں بے علم ہمیشہ ناکام
علم سے دور جو ہو۔ اس کا ابوجہل ہے نام | اور جو ہو علم میں راسخ، وہ نبی یا ہے امام

علم کا راز فقیری میں نہ شاہی میں ہے
بات سیدھی سی یہ ہے، علمِ الٰہی میں ہے

فیض سب علمِ الٰہی سے۔ نبیؐ نے پایا | جو ملا حق سے نبیؐ کو، وہ علی نے پایا
سنئے ہی پایا۔ بعینہٖ نہ کسی نے پایا | پھول کا رنگ جو پایا تو کلی نے پایا

حق نے بھیجا جو نبیؐ کے لیے حقّاً حقّا
نفس کو اپنے دیا آپ نے زقّاً زقّا

علمِ احمدؐ، جوشِ عقدہ کشا تک پہنچا | راست وہ سب، حسنِ سبز قبا تک پہنچا
سبطِ اصغر کو ملا، زینِ عبا تک پہنچا | شکلِ قرآں میں آیا تھا، دعا تک پہنچا
بعدِ اجمال کے تشریح کی باری آئی
گھر میں سجّاد کے باقر کی سواری آئی

وارثِ مسندِ احمدؐ ہیں جنابِ باقر | جانشینِ جدِ امجد ہیں جنابِ باقر
جعفری فقہ کے مُسند ہیں جنابِ باقر | باقرِ علمِ محمدؐ ہیں جنابِ باقر
بال کی کھال اتاری، رگ و ریشہ چیرا
نشترِ فکر سے ذرات کا سینہ چیرا

علم ہی علم ہے، آغاز بھی انجام بھی وہ | نور ہی نور ہے بس، صبح بھی وہ شام بھی وہ
جس کو خود کام بھی اچھا ہی کہیں، کام بھی وہ | جو محمدؐ کا لقب، نامِ خدا نام بھی وہ
دل میں محفوظ بھی ہیں، لوح میں مرقوم بھی ہیں
پانچویں ہادیِ دیں، ساتویں معصوم بھی ہیں

پارۂ مصحفِ اعجازِ شہِ بدر و حنین | سورۂ محکمِ تفسیرِ رسولُ الثقلین
آنکھیں آیات کی دیکھا کریں وہ نورِ عین | ان کی ماں بنتِ حسن، ان کے پدر جانِ حسین
کُل ائمہ میں یہی وہ دُرِ یکدانہ ہیں
اک امام آپ کے دادا ہیں تو اک نانا ہیں

ہر سخن، مدرسۂ فکرِ شہِ بدر و حنین | شکلِ انساں ہیں، احادیثِ رسولُ الثقلین
زندگی زہد، غذا علم، لبکا نصب العین | شاملِ کرب و بلا، یوسفِ یعقوبِ حسین
راہِ مولا میں جو بچپن سے کنویں جھانکے ہیں
جامۂ حق میں بصیرت کے گھر ٹانکے ہیں

دم سے ان کے حق و باطل کی رہی حد قائم | علم باقی ہے تو ہے علم کی مسند قائم
رہ گئے ان کے جد و کد سے اب و جد قائم | اک محمدؐ سے انھیں کے ہیں محمدؐ[1] قائم
جد علی، باب علی، دو گُلِ گلزارِ علی
اس محمدؐ کے گھرانے میں ہوئے چار علی

دے دیا ہے جو محمدؐ نے انھیں اپنا نام | سحر و شام انھیں، علمِ محمدؐ سے ہے کام
جب تو ہے چشمِ نبیؐ میں وہ بلند ان کا مقام | یا تو زہرا کو کیا آپ نے یا ان کو سلام
میری خاطر سے نہیں، دین کی خاطر پوچھو
جاؤ اصحاب میں ہوں گے کہیں جابرؓ[2] پوچھو

شکل ظاہر کے مرقع کی ہیں آیاتِ مبیں | قد میانہ، تو چمکتے ہوئے رخسار حسیں
بال بھورے کئی بل کھائے ہوئے نرم جبیں | حسنِ یوسف میں صباحت، تو یہ حسنِ نمکیں
رنگ پھیکا ہو نہ کیونکر مہ کنعانی کا
کچھ زمانے میں مزہ ہے تو نمک پانی کا

چشمۂ فیض سے تھے علم کے دریا جاری | جس کی ہر موج سے کونین کو تھی سرشاری
تشنگانِ مئے عرفاں، بہ صفِ میخواری | فیضِ باری سے عطا گیر تھے باری باری
یوں تو ہونے کو صد و بست[3] ہیں شاگردوں میں
بو حنیفہ سرِ فہرست ہیں شاگردوں میں

در پہ لٹتے تھے دُرِ علم جو ہر دم، بہم | مجتمع رہتے تھے ڈیوڑھی پہ طلبگار کرم
راوی و قاری و حُفّاظ عرب ہوں کہ عجم | بھیک سب لے کے چلے، کوئی زیادہ کوئی کم
اپنی اپنی تھی طلب، صَرف تھا اپنا اپنا
بخل دریا کا نہ تھا۔ ظرف تھا اپنا اپنا

[1] حضرت مہدی آخر الزماں جن کا نام محمدؐ ہے
[2] ایک صحابی کا نام
[3] یعنی سیکڑوں

آپ کے عہد میں بنتا تھا خلافت کا کفیل | حاکمِ شام، ہشام، اہلِ شعارِ قابیل
حج کو اک بار جو آیا کہیں وہ صاحبِ فیل | حرمِ پاک میں موجود تھے یہ فخرِ خلیل

آل تھے آپ تو قرآن لبِ گویا تھا
یہ نہ ہوتے تو پھر اللہ کے گھر میں کیا تھا

اک دن اک خطبے میں ارشاد بصد ناز کیا | شکر صد شکر خدا نے ہمیں ممتاز کیا
میرے نانا کو رسالت سے سرافراز کیا | وحی کی۔ علم دیا۔ صاحبِ اعجاز کیا

جس کی عادت ہے سعادت وہ ہمیں جانے گا
جو ہمیں جانے گا، اللہ کو پہچانے گا

مثلِ قرآن رسالت کا صحیفہ ہم ہیں | جد کی نسبت سے، عبادت کا وظیفہ ہم ہیں
منتخب، از رہِ آیاتِ شریفہ ہم ہیں | جب محمدؐ کے خلف ہیں تو خلیفہ ہم ہیں

اپنا پیرو جو ہے وہ جادۂ انصاف میں ہے
جو مخالف ہے، وہ شیطان کے اخلاف میں ہے

دشمنِ آلِ نبیؐ تھا جو خرد سے عاری | جل گیا، مالکِ جنت کے سخن سے ناری
مانعِ قتل حرم میں جو رہی ناچاری | منھ سے اف بھی نہ کیا، اف رے تری عیاری

گھر پہ جاتے ہی تُلا ان کو بلانے کے لیے
کربلا، شام کے خطے کو بنانے کے لیے

والیِ شہرِ مدینہ کو کیا خط تحریر | شام میں بھیج دے باقرؑ کو بہ حسنِ تدبیر
جب سرِ صفحہ یہ الفاظ ہوئے تھے تسطیر | غوطہ زن خون کے دریا میں تھا ظالم کا ضمیر

نیتِ قتل، کیے دل میں جو پنہاں لکھا
ہاتھ سے اپنے یہ اپنا خطِ عصیاں لکھا

باقرِ علمِ پیمبرؐ نے جو پائی یہ خبر | رخ کیا شام کی جانب صفتِ نورِ سحر
پیرہن علم، تو دانش کا عمامہ سر پر | راحلہ رحمتِ معبود، تو حق زادِ سفر

افقِ نور سے رہبر مع جعفرؑ نکلا
صبحِ صادق کو لیے مہرِ منور نکلا

جادہ پیما ہوے دونوں دل و جانِ اسلام | ایک بالقوۃ امام، ایک تھے بالفعل امام
ہر قدم اٹھ کے کیا گردنے رستے میں سلام | صبح اور شام چلے تب کہیں پہنچے سرِ شام

حق کی تبلیغ کو قرآن کے پارے اترے
شام میں منزلِ زہراؑ کے ستارے اترے

میہماں قصرِ ہشامی میں فروکش ہوے جب | تین دن تک نہ ملاان سے رعونت کے سبب
ہنس کے کہتا تھا خلافت کا گرامی منصب | ایسا کج خلق اور اپنا ے خلیفہ کا لقب

باقرِ علم جو تھے حلم میں نانا کی طرح
گھر میں فرعون کے ٹھہرے رہے موسیٰ کی طرح

تیسرے روز بعد سازش و حیلہ سازی | منعقد کی گئی دربار میں تیر اندازی
ہو گئے جمع اکھاڑے کی حدوں کے غازی | بازیاں لگ کے ہوئی خوب نشانہ بازی

ذوقِ شاہی سے بن آئی تھی کمانداروں کی
تیر تکوں پہ تھی گزران خطا کاروں کی

آئی بھرپور جوانی پہ جو وہ محفلِ عام | طلبی شہ کی ہوئی، آئے سرِ بزم امام
طنز کے لہجے میں بولا لبِ باطل سے ہشام | اے یداللہ کے دلبر، پسرِ خیرِ انام

اہلِ اعزاز بھی ہو، وارثِ اعجاز بھی ہو
تابعِ حکمِ قضا، تم قدر انداز بھی ہو

بولے باقر کہ ضعیفوں میں طاقت ہے کہاں | خود مری پشت ہے، ہونے کو کوئی دن میں کماں
عذر یہ سن کے بھی چھوڑی جو نہ اس شوم نے جاں | تب بڑھے کس کے کمر، لے کے کماں شاہِ زماں

اس ستم گار کے تارِ رگِ جاں کو کھینچا
یوں جگر گوشۂ حیدر نے کماں کو کھینچا

سر کیا تیر نشانے کی طرف سر سے چلا | قلبِ نقطہ میں در آیا صفتِ تیرِ قضا
دوسرا۔ پہلے کے سوفار میں جا کر بیٹھا | تیسرا۔ دوسرے پیکان کی چٹکی میں گڑا

کھو گئی عقل یہ فن دیکھ کے بے پیروں کی
شاخ در شاخ جو جھڑ بن گئی نو تیروں کی

نو فلک جھک کے پکارے کہ مہارت دیکھو | نو بہ نو طرز ہیں، نو تیروں کی صورت دیکھو
سب کے نتھنوں میں دیے تیر یہ جرأت دیکھو | تیر ہو جاؤ۔ نہ لے وجہ ندامت دیکھو

دل کا ارماں نہ دلِ شعلہ فشاں سے نکلا
وقت ہاتھوں سے گیا، تیر کماں سے نکلا

بادشہ تیرِ الم دل پہ جو کھائے ہوئے تھا | شرم سے دشمنِ دیں آنکھ چرائے ہوئے تھا
ہاتھ ماتھے پہ رکھے سر کو جھکائے ہوئے تھا | آستیں جانِ یداللہ چڑھائے ہوئے تھا

وقت کہتا تھا کہ دولت پہ زوال آیا ہے
آفتابِ شہِ مرداں کو جلال آیا ہے

مصلحت بیں تھا ہوا بڑھ کے لنگگیرِ شام | کس لجاجت سے یہ کی عرض کہ یا شاہِ انام
عبدِ ناچیز غلام آپ امام ابنِ امام | بیٹھیے چل کے اُدھر تخت پہ اے عرش مقام

تخت کا بخت پھرا سرورِ ذیشاں بیٹھے
صورتِ نقشِ نگیں فخرِ سلیماں بیٹھے

قدرداں بن کے تصنع سے خلیفہ نے کہا | کہیے حضرت یہ ہنر آپ نے کس سے سیکھا
بولے باقر کہ ہمیں سیکھنے کی حاجت کیا | کس نے جبریل کو پرواز بتائی یہ بتا

مور کو شعبۂ آواز سکھایا کس نے
شیر کو صید کا انداز سکھایا کس نے

لوگ سیکھیں گے یہ انداز، بھلا سیکھ تو لیں | طرزِ جبریل کو شہباز، بھلا سیکھ تو لیں
لال، داؤد کی آواز، بھلا سیکھ تو لیں | احمدِ پاک کا اعجاز بھلا سیکھ تو لیں

مکتبِ حق ہیں جو قرآں مع تفسیر پڑھے
نہ وہ لکھے نہ پڑھے اور خطِ تقدیر پڑھے

نی رحمت سے جسے چاہے خدا جوہر دے | ہو صدف پر جو نظر، موتیوں سے منھ بھر دے
رف ہی جس کا ہو ہلکا وہ اسے کیونکر دے | موت آجائے جو چیونٹی کو کہیں وہ، پر دے

ہم کو ہر وصف دیا، جوہرِ قابل ہم ہیں
فلکِ علم ہے گیتی، مہِ کامل ہم ہیں

عرض کی اس نے کوئی اس کی سند یا شہِ دیں | بولے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آیا کہ نہیں
نعمتیں ختم جو ہیں، وہ ہیں یہی علم و یقیں | یہ درِ علم کی میراث ہیں، وارث ہیں ہمیں

تم نے چھینے یہ شرف، اہلِ ہدا ہو نہ گئے
بت مسلط تھے حرم پر تو خدا ہو نہ گئے

بے جھجک صاف جو حق بات تھی جاری لب تک | دنگ تھا جرأتِ اخلاق پہ وہ بانیِ شر
آتشِ بغض و حسد سے جو بھڑکتا تھا جگر | دل سلگتا تھا سرِ بزم کہ جلتا تھا اگر

دیر تک سوزشِ جاں سب سے چھپائی اس نے
غیظ جس وقت گھٹا، بحث بڑھائی اس نے

ایک مُورت کے ہم اور آپ ہیں دونوں دلدار | پھر ہیں کیوں فاضل و مفضول یہ کیا ہے اسرار
ہنس کے مولانا نے کہا، حکمِ خدائے غفّار | دیکھ وہ شاخ ہیں ہیں پہلو بہ پہلو گل و خار

کیا بھلا ریت میں قطرے کا اثر ہوتا ہے
وہی قطرہ ہے صدف میں جو گہر ہوتا ہے

ان جواباتِ مدلّل سے وہ عاجز جو ہوا | عاجزی سے یہ کہا۔ اے شہِ اعجاز نما
کوئی حاجت ہو تو فرمائیں امام دوسرا | بولے کچھ ہم کو نہیں چاہیے، رخصت کے سوا

آن کی آن میں پوری جو یہ امید ہوئی
شام سے گھر کو چلے، رجعتِ خورشید ہوئی

رخ کیے تھے جو مدینے کی طرف علم کے در | پہلی منزل پہ نظر آئے ہزاروں اکفر
فکر جعفر کو ہوئی، خیر سے کیسا ہے یہ شر! | باقرِ علم نے دی علمِ امامت سے خبر

خلق اک پیر سے ملنے کو یہاں آئی ہے
کل کو جو کچھ بھی وہ ہو، آج تو عیسائی ہے

خیمہ انداز تھا جس کوہ پہ وہ مردِ خدا | آ گئے بڑھ کے اسی کوہ پہ فخرِ موسیٰ
پیر وہ اپنے مریدوں کا نحیف اتنا تھا | جیسے تشریح بدن میں کسی تن کا ڈھانچا

پہلے آنکھوں کی پہیلی نہ کسی نے بوجھی
پٹی باندھی گئی ابرو پہ تو پتلی سوجھی

کی نظر اس نے ابھر کر جو ادھر اور اُدھر | مردمِ غیر کو پہچان گیا اہلِ نظر
کر کے انگلی سے اشارہ یہ پکارا اٹھ کر | تم ہو کون آئے ہو کیوں کس لیے پھوڑے ہو سر

فرض ہے زندہ دلی، کس لیے مغموم سے ہو
قومِ عیسیٰ سے ہو یا امتِ مرحوم سے ہو

بولے ہم امتِ مرحوم سے ہیں، غم کیسا
عرض کی۔ عالمِ دیں ہو کہ شریکِ جہلا
بولے حضرت۔ جہلا سے نہیں یہ عبدِ خدا
اس نے پوچھا کہ پھر اس پیر سے کچھ پوچھیے گا

ہم کو سب علم ہے کاہے کہ تم سے پوچھیں
آپ بولے کہ نہیں۔ آپ ہی ہم سے پوچھیں

بولا وہ، لوگ یہ اللہ کی قدرت دیکھیں
سرِ محفل یہ مسلماں کی جسارت دیکھیں
مجھ سے عالم کی یہ تحقیر، یہ جرأت دیکھیں
اب میں کیا پوچھتا ہوں آپ سے حضرت دیکھیں

کون سا وقت وہ ہر روز کی ساعات میں ہے
ہے زمانے میں، مگر دن میں نہ وہ رات میں ہے

ہنس کے فرمایا کہ مابعدِ اذاں قبلِ طلوع
جبکہ پو پھٹنے کو ہو، چاند ہو مائل بہ رکوع
ظلمتیں بھاگتی ہوں، روشنی ہوتی ہو شروع
خود بخود آئے طبیعت میں صفا دل میں رجوع

روز، جنت میں کچھ ایسا ہی سویرا ہو گا
دھوپ ہو گی نہ وہاں اور نہ اندھیرا ہو گا

عرض کی اس نے کہ لاریب درست اور بجا
اب یہ فرمائیے اسلام کو ہے یہ دعویٰ
خلد میں کھائیں پئیں گے جو بشر آب و غذا
رفعِ حاجت کی نہ ہو گی کوئی حاجت اصلا

دل میں منکر کے بھی یہ بات بٹھا سکتے ہو
کوئی دنیا میں مثال اس کی بتا سکتے ہو

مسکراتے ہوئے بولے یہ شہِ نیک خصال
اس کی تمثیل جو پوچھے وہی خود اس کی مثال
عالمِ حمل میں جو خون ہے روزی حلال
اس کا فضلہ کہاں جاتا ہے کہو کیا ہے خیال

عرض کی تم نے کہا تھا علما سے میں نہیں
بولے لفظیں نہ بدل، ہاں جہلا سے میں نہیں

سن کے یہ غرقِ عرق ہوگئی راہب کی جبیں | عرض کی اور بھی اک بات کا مشکل ہے یقیں
میوۂ خلد عجب ہے، کبھی گھٹتا ہی نہیں | جتنا کھاتے رہو پھر اتنے کا اتنا ہے وہیں

لو سے بٹ جائے تجلی تو وہ کیا گھٹتی ہے
شمع سے شمع جلائیں تو ضیا گھٹتی ہے

اس نے جھلا کے کہا اب کی ہیں پوچھوں گا وہ بات | جس کے مطلب کو کبھی سمجھو گے تم تا بہ حیات
یہ تو بتلاؤ بھلا، کون تھے وہ دو خوش ذات | ساتھ پیدا ہوئے اور ساتھ مرے نیک صفات

مرگ و میلاد کا اک وقت تھا اور اک دن تھا
پھر بھی مرتے ہوئے اک پیر تھا اک کم سن تھا

ہنس کے فرمایا عزیزا اور عُزیرِ ذی جاہ | تو اَم آئے تھے، رہے تیس برس پھر ہمراہ
پھر عُزیر اڑ گئے اک بحث میں ایسی ناگاہ | سب کو جائز ہے، مگر حدِ نبوت میں گناہ

دی سزا موت کی، یہ مصلحتِ مولیٰ ہے
ترکِ اولیٰ کا ہو کیا ذکر کہ ترکِ اولیٰ ہے

سو برس بعد جلائے گئے وہ نیک صفات | تھی سن و سالِ دمِ مرگ پہ تازہ یہ حیات
ایک سو تیس برس کے تھے عزیزِ خوش ذات | اور فقط تیس برس کے، یہ رفیع الدرجات

موت ساتھ آئی تو یہ فرق عیاں تھا اُس دم
ایک بھائی تھا ضعیف ایک جواں تھا اُس دم

ان جوابات سے راہب کو پسینہ آیا | قوم سے اپنی مخاطب ہوا اور چلایا
میری تذلیل کو خود تم نے انھیں بلوایا | وائے اے قومِ نصاریٰ مجھے یوں ترسایا

اب کوئی شے نہ کسی دیر نشیں سے پوچھو
پوچھنا تم کو ہے جو کچھ وہ انھیں سے پوچھو

کہہ کے یہ پیر چلا سب ہوے تِتّر بِتّر | پردۂ شب میں پھر آیا سوے باقر چھپ کر
عرض کی۔ آپ کا کیا نام ہے اے نیک سیر! | بولے مولا کہ محمد ہے یہ عبدِ داور

عرض کی آپ کے مشتاق تو ہم بے حد تھے
کیا نبی آپ ہیں؟ فرمایا وہ میرے جد تھے

اس نے کی عرض کہ اے برجِ معارف کے قمر | ایلیا کے ہیں پسر آپ؟ علی کے دلبر؟
بولے ہاں، پوچھا کہ شبّیر ہو یا شبّر | ہوا ارشاد، نہ یہ اور نہ وہ۔ ان کا جگر

تشنۂ علم ہوں عرفان کا پیاسا ہوں میں
پوتا شبّیر کا شبّر کا نواسا ہوں میں

اس نے کی عرض کہ یہ علم و ہنر، فکر و نظر | وحی و الہام کا تحفہ ہے کہ ذاتی جوہر
بولے باقر کہ یہ ہے خاص عطائے داور | علم کے شہر محمد ہیں، علی علم کے در

ہیں وہ سب علمِ لدُنّی جو پیمبر کو ملے
شہر سے دَر کو ملے در سے بڑھے گھر کو ملے

سن کے یہ اپنے عمل پر وہ پشیمان ہوا | علم کی ضرب سے بیدار جو ایمان ہوا
باتوں باتوں میں یہ رحمت کا بھی سامان ہوا | دن میں تھا منکرِ حق، شب میں مسلمان ہوا

سنگریزہ تھا جسے تاب ملی دُر کی طرح
چند ساعات میں دن اُس کے پھرے حُر کی طرح

اڑ گئی مثلِ صبا شام میں راہب کی خبر | کی نصاریٰ نے خلیفہ سے شکایت جا کر
آل پر ظلم کی اک راہ جو یہ آئی نظر | قیدِ عابد کے اعادے پہ تُلا بانیِ شر

خوب روحِ اسد اللہ کو خورسند کیا
نورِ عینینِ محمد کو نظربند کیا

تن نظر بند ہوے اور لبِ حق گو آزاد | قید خانے میں کھلا مکتبِ درس و ارشاد
دن بدن بڑھنے لگی اہلِ ولا کی تعداد | ہل گیا سن کے خبر قصرِ خلافت بنیاد

پھر تشدّد کا نہ فرمان مکرّر بھیجا
مثلِ سجاد رہا کر کے انھیں گھر بھیجا

روحِ زینب نے کہا شکر ہے ربِّ اکبر | شام کی قید سے آیا، مرا باقر چھٹ کر
اس مسافر کے فدا لوٹ کے آیا جو نہ گھر | ہائے بھائی مرے مذبوحِ قفا تشنہ جگر

کشتیِ آل لٹی، حق کا سفینہ اجڑا
تم سدھارے جو سفر کو تو مدینہ اجڑا

ساتھ باقر کے جو تھا پھر کے وہ جعفر آیا | ماں ہوئی کوکھ سے ٹھنڈی کہ پسر گھر آیا
بھائی کے ساتھ کا کوئی نہ پلٹ کر آیا | طفلِ بے شیر نہ عباس نہ اکبر آیا

ایسے مقتل کو سدھارے کہ نہ پھر گھر پہنچے
خون میں ڈوب کے پیاسے لبِ کوثر پہنچے

کلفتیں جھیل کے باقر جو پھرے سوے وطن | پہلے روضے پہ گئے جد کے بہ صد رنج و محن
رکھ کے تربت پہ عمامہ، یہ کیا رو کے سخن | نانا جاں! دیکھ لیے آپ نے امت کے چلن

ایسی برگشتہ ہے عترت سے خدائی نانا
کلمہ پڑھ کے ستاتے ہیں، دوہائی نانا

آئی آواز کہ رو صبر مرے ماہ لقا | تم تو بچپن سے ہو اس قید کے عادی بیٹا
تا دمِ حشر نہ بھولے گی وہ اعدا کی جفا | ایک رسی میں بندھا بارہ اسیروں کا گلا

وہ رسن کھینچ کے ظالم مجھے تڑپاتے تھے
تم بھی اور بالی سکینہ بھی لٹک جاتے تھے

گود میں چڑھنے کے دن تھے کہ یہ محشر دیکھا | اپنے دادا کے گلے کو تہِ خنجر دیکھا
خیمے جلتے ہوئے اور لٹتے ہوئے گھر دیکھا | پھر حرم کو سرِ دربار کھلے سر دیکھا

یاد ہوں گی تمھیں بابا یہ جو تعزیریں تھیں
طوق گردن میں تھا اور پاؤں میں زنجیریں تھیں

بے کجاووں کے جو ناقوں پہ شقی لاتے تھے | تم بھی اور دوسرے معصوم بھی گر جاتے تھے
بھوک میں پیاس میں اکثر یہ غذا پاتے تھے | تازیانے کبھی کھاتے کبھی غش کھاتے تھے

اب کی یہ قید کچھ اُس قید سے بڑھ کر تو نہ تھی
نیزے پر باپ کا سر، قید میں مادر تو نہ تھی

کربلا یاد کرو دل کو سنبھالو بیٹا | اور کچھ دن کی ہے تکلیف اٹھا لو بیٹا
اپنے غم کو غمِ شبیر میں ٹالو بیٹا | ذکرِ اکبر کا کرو اشک بہا لو بیٹا

ہم بہت جلد ہیں اب پاس بلانے والے
رونے والے تجھے روئیں گے زمانے والے

دل کو تسکین ہوئی گھر کو پھرے شاہِ زمن | خدمتِ دیں میں بسر کرتے رہے سر و علن
تھی امامت کی طلبگار جو اولادِ حسن | مل گئے جا کے خلیفہ سے خدا کے دشمن

شام سے خوب یہ سوغات وہ پُرفن لائے
نذر کو زہر بھرے زین کا توسن لائے

جیسے ہی رخش پہ اسوار ہوئے شاہِ زمن | اثرِ زہر سے مرجھانے لگا گل سا بدن
بولی قسمت کہ نواسے کو ملی ارثِ حسن | دفعتہً کانپ گیا بنتِ نبیؐ کا مدفن

آئی آواز کہ پھر خستہ جگر کو لوٹا
چرخ نے پھر مرے شبیر کے گھر کو لوٹا

زین پر زہر سے اترے تو چڑھا تن پہ ورم | بولے جعفر سے کہ بچنے کے نہیں ہیں اب ہم
سن کے یہ گھر میں مچا حشر، ہوا وہ ماتم | صورتِ زینب و کلثوم تڑپتے تھے حرم

شور تھا خلق سے مولائے زمن جاتے ہیں
آج پھر فاطمہ کے گھر سے حسن جاتے ہیں

تیسرے دن جو کیا زہر نے حد رجہ نڈھال | بولے یہ جعفرِ صادق سے کہ اے وارثِ آل
عازمِ خلد ہے یہ عبدِ خدائے متعال | اب مرا جامۂ احرام نکالو مرے لال

اسی چادر کا کفن مجکو پنھانا بیٹا
پاس بابا کے مری قبر بنانا بیٹا

گھر میں کل آٹھ سو درہم ہیں مرے ماہ لقا | وہ بھی سب وقف کیے ہم نے پئے اہلِ عزا
دس برس تک ہو منا میں غمِ شبیر بپا | مشتہر حال ہو سب آل کی مظلومی کا

مثلِ تقریب نہ ہو، غم ہو غم و ہم کی طرح
روئیں ذی الحجہ میں محب ماہِ محرم کی طرح

دوستو حضرتِ باقر کی وصیت کو سنا | دے گئے زیست میں فرزند کو سامانِ عزا
وائے بر غربت و ناچاریِ شاہِ شہدا | کس سے فرمائیں کہ لاشے پہ مرے بھیجو بکا

دل کو معلوم ہیں جو ظلم ہیں ہونے والے
شام کو روتے چلے جائیں گے رونے والے

ہائے وہ نزع کا ہنگام وہ عابد کا پسر | سرِ بالیں وہ جگر بند۔ رکھے گود میں سر
دل شکستہ نے جو یٰسین پڑھی رو رو کر | بولے مولا میں فدا صبر کرو نورِ نظر

سونپ کر دین تمھیں جاتا ہے باقر، بیٹا
انا للہ! خدا حافظ و ناصر بیٹا

حشر برپا ہے مدینے میں قیامت ہے قریب   باقرِ علمِ نبی کا دمِ رحلت ہے قریب
فاطمہ پیٹتی ہیں سر کو وہ آفت ہے قریب   روحِ شبیر تڑپتی ہے شہادت ہے قریب
کُنبہ رونے کے لیے آل کے گھر آپہنچا
اثرِ زہرِ دغا تا بہ جگر آپہنچا

لو یہ کون آئے کہ رویت کو دم آنکھوں میں رکا   کس کی تسلیم کو یہ ہاتھ اٹھا باقر کا
کون یہ بی بی ہیں، کرتی ہوئی آئیں جو بکا   گھر میں سب رونے لگے آل میں کہرام مچا
شبر و حیدر و زہرا و نبیؐ روتے ہیں
اپنے پوتے کو حسین ابنِ علی روتے ہیں

غل مدینے میں ہوا ہائے سدھارے باقر   اٹھ گئے گلشنِ ہستی سے ہمارے باقر
بستۂ طوق و سلاسل کے دُلارے باقر   روحِ شبر کا ہے نوحہ کہ پیارے باقر
زہر کس چال سے غدار نے بھیجا افسوس
کٹ گیا میری طرح تیرا کلیجہ افسوس

مادرِ جعفرِ صادق تھیں بکھیرے ہوئے بال   بین کرتے تھے تڑپ کر حرمِ نیک خصال
بی بیاں دیتی تھیں پرسا جو دمِ رنج و ملال   روتے تھے وہ، جنھیں عاشور کا معلوم تھا حال
پرسا جو دیتے وہ مقتل میں پڑے سوتے تھے
طفل تک سیلیوں کے ڈر سے نہیں روتے تھے

ہائے وہ میتِ مسموم وہ جعفر کا محسن   ہاتھ سے باپ کو بیٹے نے دیا غسل و کفن
قبرِ اطہر کو ملا پہلوئے سجاد و حسن   جان، ذاکر کی ہو قربان شہِ تشنہ دہن
کون مقتل سے اٹھاتا تنِ صد پاش حسین
اربعیں تک رہی بے غسل و کفن لاش حسین

کون اُسے دفن کرے جس کا نہ بھائی نہ پسر | کون دے غسل اسے قید ہو جس کا سب گھر
کیا کفن دے وہ بہن چھن گئی جس کی چادر | ہائے وہ جلتی ہوئی ریت وہ جسمِ بے سر

سب لٹیرے تھے وہ سفاکِ زمن کیا دیتے
پیرہن لاش کا لوٹا تو کفن کیا دیتے

دفن کر کے جو بقیعے سے پھرے اہلِ عزا | مرقدِ حضرت باقرؑ سے اٹھا شورِ بکا
روئے یہ کہہ کے گلے مل کے شہِ کرب و بلا | میرے اصغرؑ کے بھتیجے تری گردن کے فدا

اثرِ ظلم گلے سے یہ عیاں ہے اب تک
رسنِ ظلم سے چھلنے کا نشاں ہے اب تک

میرے سجادؑ کے دلدار مرے مہ پارے | تم کو شاباش کہ بچپن میں نہ ہمت ہارے
یوں بھلائے شرف اعدا نے تمھارے سارے | حق تو صلوات پڑھے شمر طمانچے مارے

خلد میں جا کے جو نانا کی زیارت کرنا
یہ رہے دھیان نہ امت کی شکایت کرنا

حضرتِ جعفرِ مغموم نے مانیں منتا | مجلسیں دھوم سے کیں حسبِ وصیت برپا
حج کو جو آئے وہ سنتے رہے ذکرِ شہدا | قوم نے جامۂ احرام میں سر کو پیٹا

قید تھی ظلم کی تاریخ جو اب تک گھر میں
اب پہنچنے لگی مکے سے وہ دنیا بھر میں

کل زمانے کے بشر حج میں جو ہوتے تھے نزول | غایتِ ظلم سے وہ رکھے گئے تھے مجہول
تھا بھی کچھ علم تو یہ۔ مارے گئے ابنِ بتولؑ | یہ نہ معلوم تھا۔ کیا کیا ہوئی توہینِ رسولؐ

قید تجویز ہوئی۔ آلِ رسالت کے لیے
لاشیں کچلی گئیں۔ ہاشم کی اہانت کے لیے

ذاکروں نے جو کیے بیٹھ کے منبر پہ بیاں | یہ بھی تھا ان میں کہ مارے گئے جب شاہِ زماں
بی بیاں رہ گئیں اور ایک مریضِ بے جاں | اُن کے شانوں میں رسن ۔ اس کے لیے طوقِ گراں

شام میں زینبِ بیکس کی یہ توقیر ہوئی
بے ردا کوچہ و بازار میں تشہیر ہوئی

بس نسیم اب یہ دعا کر بہ زبانِ تقدیس | نوجواں مرثیہ گویوں کو ملے ذوقِ سلیس
میرا شاگرد ہلال[1] آج جو شاعر ہے نفیس | جو شیّت[2] جس سے ہوئی معترفِ طرزِ انیس

کبھی بے راہ روی کے نہ عزائم رکھے
یہی اندازِ سخن قائم و دائم رکھے

---

[1] ہلال نقوی جو اب پی ایچ ڈی ہیں۔ [2] رنگ جوش

علم، دانش و دانش کا فقط نام نہیں | علم، وہ روح ہے، جو شاملِ اجسام نہیں
علم، وہ دن ہے، سحر جس کی نہیں شام نہیں | علم، پیغام کا مقصود ہے پیغام نہیں

وہ نہیں علم۔ سما جاتا ہے جو حرفوں میں
بحر زخار کا کیا کام ہے کمظرفوں میں

علم ہے۔ شمعِ فروزانِ حریمِ اسرار | علم ہے۔ مطلعِ خورشیدِ رموز و افکار
علم ہے۔ قافلۂ عزم و عمل کا سالار | علم ہے۔ ولولۂ فکر و تخیل کا ابھار

علم ہے۔ فوقِ بشر عظمتِ آدم کی قسم
علم، اک اور ہی عالم ہے دو عالم کی قسم

علم، مامن کبھی ہے مومن کبھی ہے ایمان کبھی ہے | علم عارف کبھی ہے معروف کبھی، عرفان کبھی ہے
علم، اسلام کبھی، تسلیم کبھی، مسلمان کبھی ہے | علم، قاری ہے، قرات کبھی ہے، قرآن کبھی ہے

تھا کبھی پہلے سے موجود، تو منضم کبھی ہوا
جب سے ان سب میں تھی ان سب سے مقدم بھی ہوا

علم، کشافِ حجاباتِ وجوب و امکاں | علم، تفریق و تمیزِ حق و باطل کا نشاں
علم، مشاطۂ گیسوے شعورِ انساں | علم، غارتگرِ پیچیدگیِ وہم و گماں

علم، شیرازہ کشِ وحدتِ دینِ محکم
علم، تنظیمِ عمل، علم یقینِ محکم

کیا بتائے کوئی انسان بھلا علم ہے کیا | تھا اِس وقت بھی موجود جب انسان نہ تھا
قبلِ آدم تھے ملک۔ اُن سے بھی قبل اِس کی ضیا | جب تو اک بحث میں وہ کہہ گئے۔ لاعلم لنا

نہ ملک سے، نہ فلک سے، نہ زمیں سے پوچھو
کس کے شاگرد ہیں، جبریلِ امیں سے پوچھو

علم کو سمجھوں ازل سے، تو ازل ہے خدا | پھر یہ مابعدِ خدا، قبلِ ملک، چیز ہے کیا
یوں کہا جائے تو شاید ہو یہ مفہوم ادا | علم خود ہے، نہ خدا ہے، نہ خدا سے ہے جدا

ہاں مگر کہہ بھی دیا یوں تو پھر ابہام رہا
طائرِ ذہن تو ہر پھر کے تہِ دام رہا

علم، پہلے سے ہے، پھر مصحفِ رب آیا ہے | علم میں لوح بھی محفوظ ہے، یہ پایا ہے
علم ہی معرفتِ ذات کا سرمایا ہے | علم، اُس جسم کا سایہ ہے جو بے سایا ہے

سایا ہمراہ پیمبر کے جو ہر جنگ میں ہے
یہ وہی علم ہے اِس وقت جو اِس رنگ میں ہے

علم، توفیقِ ازل۔ علم عطائے قدرت | علم میثاقِ عمل، علم مذاقِ فطرت
علم مصداقِ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نعمت | علم، جو قبر میں بھی ساتھ ہے ایسی دولت

کیوں نگاہوں میں نہ یہ زر سے سوا چڑھ جائے
نہ کریں صرف گھٹے، صرف کریں بڑھ جائے

علم سے نورِ فلک، علم سے روشن ہے زمیں | یہی دنیا کی ہے مایا، یہی سرمایۂ دیں
علم تنویرِ چراغِ حرمِ شرعِ مبیں | علم سے لَو جو لگائیں تو جلے شمعِ یقیں

گر نہ ہو علم، تو عالم میں اجالا نہ رہے
سوچ بیکار ہے گر سوچنے والا نہ رہے

علم ہے، ثقلِ گراں قدرِ نظامِ اقدار | ظاہر اکچھ بھی ہو، باطن میں شعاعِ انوار
علم ہے، نقطۂ پرکارِ شعورِ بیدار | علم ہے، مرکزِ اصلاحِ مزاج و کردار

جہل انسان کو حیوان بنا دیتا ہے
علم حیوان کو انسان بنا دیتا ہے

جہل، تخریب کی تاسیس، تباہی بہ کنار | علم، تعمیر کی جڑ، حسنِ عمل کا مینار
جہل کے ہاتھ میں آ جائے کہیں گر تلوار | اس کو مارے اسے کاٹے اسے کر دے مسمار

وار دشمن پہ کبھی علم اگر کرتا ہے
سر سے پہلے وہ سوئے قلب نظر کرتا ہے

علم ہے، خضرِ رہِ منزلِ توفیقِ عمل | علم ہے، شمعِ خود افروزِ شبستانِ ازل
علم ہے، حلِ مسائل کا خدا ساز محل | علم ناپختہ عقائد کے تذبذب کا بدل

علم عالم میں نہیں شہرِ پیمبر میں ہے
شہر اس در میں ہے جو فاطمہ کے گھر میں ہے

علم ہے ایک شجر جس کے ہیں پتے یہ علوم | ادب و فلسفہ و منطق و تاریخ و نجوم
جڑ پیمبر ہیں، تو شاخیں وہ امامِ معصوم | جن کی عصمت کی، ولایت کی، امامت کی ہے دھوم

پھول قرآن کو اور فقہ کو پھل کہتے ہیں
پھول اور پھل کے مقطر کو عمل کہتے ہیں

ہر عمل فقہ کا پابند ہے اور فقہ وہ نور | جس سے اعمال کی حد میں حق و باطل کا شعور
فقہ ہے فکر و تفقہ میں تجلی کا ظہور | فقہ ہے کشف، بہ فحوائے کتابِ مسطور

فقہ ہے منطقِ حق مصحفِ ناطق کی قسم
فقہ ہے صدق میں جعفرِ صادق کی قسم

کون وہ جعفرِ صادق وہی جو نقشہ بہ کف | سب سے اوّل جنھیں تدوینِ شرائع کا شرف
تھے گہرِ فقہ کے پہلے بھی مگر دل تھے صدف | جن کا مخزن تھا فقط سلسلۂ دُرِّ نجف

کب ہوا ہنر میں اور کے گھر سے پیدا
صبحِ صادق ہوئی جعفر کی نظر سے پیدا

شمعِ قرآن یہ وَالشمس کی منزل کے قمر | شان ایسی ہے کہ حیرت سے جھکے چرخ کا سر
اک نظر دیکھ لیں دل آپ کا یعقوب اگر | اُن کی آنکھوں سے گرے حسنِ رخِ نورِ نظر

زہد و طاعت کا سبق ان سے فرشتہ پڑھ لے
کور منھ دیکھے تو قسمت کا نوشتہ پڑھ لے

مدحِ جعفر سے گنہگار بھی صادق ہو جائے | بات بھی، قول بھی، اقرار بھی صادق ہو جائے
عشقِ صادق سے سیہ کار بھی صادق ہو جائے | صورتِ صبح شبِ تار بھی صادق ہو جائے

یہ شرف خلق میں کس خاصۂ خالق کو ملے
صبحِ صادق کی ضیا عاشقِ صادق کو ملے

اخترِ شمسِ ضحیٰ سورۂ کوثر کے گہر | فقہِ اسلام و شریعت کے مسلّم دفتر
قرۃ العین علیینؑ[1] و ولیِ داور | اک محمدؐ کے چراغ ایک محمدؑ[2] کے قمر

گلشنِ شرع ہے کیا؟ اک چمنِ صادق ہے
خبرِ مخبرِ صادق، سخنِ صادق ہے

روزِ میلادِ ضیا بارِ نبیِؐ مرسل | اُن کی ہی نسل کے شجرے سے یہ پھوٹی کونپل
کیوں نہ لاثانی و یکتا ہو ربیع الاوّل | اس مہینے میں کھلا پھول۔ ملا پھول کو پھل

ابتدا فصلِ بہاری کی اسی چاند سے ہے
چاندنی رحمتِ باری کی اسی چاند سے ہے

[1] دو علی: ایک حضرت علیؑ، دوسرے علی بن الحسینؑ
[2] امام محمد باقرؑ

نائبِ ختمِ رُسل ہیں یہ امامِ اَزلی | جلوۂ انجمنِ حق کے لیے شمعِ جلی
خود ولی اور ولی عہد بھی کاظمِ سادلی | جدِّ امجد بھی علی، آپ کے پوتے بھی علی

عمل ان کا ہے دو عالم میں دوہائی اِن کی
دین اِن کا ہے، خدا اِن کا، خدائی اِن کی

آپ کے عہد میں ایمان نے شوکت پائی | حق کا اظہار ہوا شرع نے شہرت پائی
علمِ اللہ و پیمبرؐ نے فضیلت پائی | فرع کے پھول کھلے۔ اصل نے قوت پائی

ہر ورق شرع میں نکلا جو اسی بستے کا
جعفری نام پڑا فقہ کے گلدستے کا

متشابہ بھی ہوا ان کے بیاں سے محکم | رکھ لیا آپ نے تعلیمِ رسالت کا بھرم
کیا کہیں علم کی اب اُس کے اہمیت ہم | جس کے شاگرد بھی کہلائے امامِ اعظم

فرق یہ ہے انھیں امت سے یہ القاب ملا
اِن کو دربارِ رسالت سے یہ القاب ملا

اِن کے احکام، وہ موتی جو کھرے در صدفی | صاف و شفاف و مصفا، صفتِ قلبِ صفی
فقہ ماخوذ انھیں سے ہے، جلی ہو کہ خفی | جعفری وہ بھی ہیں جو گل ہیں چمن میں حنفی

قدر ظرف ان سے ملی کچھ تو بصیرت اُن کو
جب تو ہے پنجتنِ پاک سے الفت اُن کو

فقہ میں اُن کی بھی شامل ہے درود اور سلام | فاتحہ اُن کے بھی مسلک میں بدعت نہ حرام
محترم اُن کی بھی نظروں میں مزاراتِ کرام | ہیں ولی اُن کے بھی نزدیک امام اپنے تمام

فیضِ علمی کے کچھ آثار جلی ہو تو گئے
کم سے کم قائلِ تفضیلِ علی ہو تو گئے

اتحادی نظریات درہم فکر و نظر
آئے ہیں اُن کی بھی صف میں بہ طفیلِ جعفر
نذر بائیس رجب کی، جو ہے رائج گھر گھر
قولِ صادق کی تائید کا ہے دلکش منظر
رسمِ دینی میں مواسات کے پیغام بھی ہیں
آم کے آم بھی ہیں گٹھلیوں کے دام بھی ہیں

اک وہ دن تھا کہ جواں تھی یہ اُخوت کی فضا
پھر خلافت میں جو عباسیوں کا رنگ جما
وہ بچھے جال کہ بھائی ہوا بھائی سے جدا
نہ مروت رہی باقی نہ حمیت نہ وفا
یہ بتائے گا مؤرخ غلطی کس کی تھی
بحث یہ ہے کہ پڑی پھوٹ، خطا جس کی تھی

اجتہادی وہ خطا ہو کہ ارادی غلطی
یہ ہوا اس کا نتیجہ۔ ہوئی وحدت میں دوئی
جو ہوئی جس کی بھی مرضی وہ بنی شرعِ نبیؐ
دین کی اصل حقیقت طبقِ زر میں چھپی
کوئی حمّن نہ خمیسانہ لطافت ٹھہرا
اختلافات کا گڑھ قصرِ خلافت ٹھہرا

جب شرائع میں خلافت سے بھی ہونے لگی چوک
پھر تو مشہور ہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوک
جو شکم سیر تھے اُن کو بھی ہوئی مال کی بھوک
کتنے انسان تھے، عادت میں بنے جو سگ و خوک
وہ بھی غازی تھے جو دنیا کے لیے لڑتے تھے
استخوانِ زر و دولت پہ گرے پڑتے تھے

فسق سرسبز تھا - احکامِ شریعت پامال
یوں ہوئے مسخ مسائل، کہ نہیں جس کی مثال
خرچ ہوتا تھا انھیں کاموں میں بیت المال
تھا خلیفہ کی خوشامد کا لقب، اکلِ حلال
وہ چلاتا تھا جدھر۔ لوگ اُدھر چلتے تھے
مسئلے۔ ظرفِ سفالیں کی طرح ڈھلتے تھے

مبتلا دامِ کبائر میں تھی خلقت ساری   حد کبھی ہوتی تھی نہ اس بد عملی پر جاری
نہ ہوا قہر کبھی نازل جو بہ ایں بدکاری   لوگ کرنے لگے انکارِ وجودِ باری

دہریت پھیلی، جو اک ترکۂ سفیانی تھی
کیوں نہ ہو شرع، خلافت کی جو من مانی تھی

جُعد اس فرقۂ باطل کا تھا راسِ اعظم   ہوسِ مال میں کنیت بھی تھی ابنِ درہم
مدعی تھا کہ یہی دہر ہے خلاقِ اُمم   ہم بھی جب دہر کا ہیں جزو تو خالق بھی ہیں ہم

اپنی جدت پہ اکڑتا تھا کبھی تنتا تھا
بیخودی میں وہ خودی کار خدا بنتا تھا

صادقِ آل نے بلوا کے اسے اپنے یہاں   ہنس کے پوچھا کہ بھلا آپ ہیں خالق؟ کہا ہاں
دہر نے خلق کیا جو بھی جہاں میں ہے جہاں   اور میں دہر کا اک فردِ عیاں اچھا بیاں

دہر سے نطق مرا، دہر کی منطق میں ہوں
کُل مرا خالقِ کُل، جزو کا خالق میں ہوں

مسکرا کر کہا حضرت نے کہ اچھا، اچھا   اپنی تخلیق کا دکھلاؤ نمونہ تو ذرا
اس نے کیچڑ کا بھرا ظرف دکھا کر یہ کہا   اس میں کیڑے جو ہیں یہ میں نے کیے ہیں پیدا

جس کا جی چاہے یونہیں اور بنالے کوئی
میری تخلیق میں کیڑے نہ نکالے کوئی

بولے حضرت کہ یہ کتنے ہیں ذرا یہ تو بتاؤ   اِن کے خالق ہو تو پھر حکم بھی کچھ ان پہ چلاؤ
جو اُدھر جاتے ہیں، رخ اُن کا اِدھر کو تو پھراؤ   جو اِدھر آتے ہیں، اِن سے کہو اُس سمت کو جاؤ

لامکاں سے کہ کسی اور مکاں سے لائے
آب و گِل اِن کے بنانے کو کہاں سے لائے

ے شرعی سزا

آب اور گل کا کرشمہ ہیں یہ سارے حشرات | گل کی اور آب کی تخلیق ہیں ہے کس کی بات
وہ ہوا، دم سے ملیں جس کے یہ کیڑے کو صفات | اور مخصوص وہ گرمی، انھیں دی جس نے حیات

ان عناصر کے بھی ان کے لیے خالق تم ہو
پھر یہ اجزا تو کرو خلق جو صادق تم ہو

رینگتے کیوں ہیں سب ایک طرح وجہ ہے کیا | اور یہ ایک جو کیڑا ہے، ہوا کیوں مُردا
حق ہے خالق کو اگر چاہے تو کر دے وہ فنا | روح بے ہاتھ لگائے ہوئے کھینچو تو ذرا

کیا دیا کھانے کو اب تک انھیں اب کیا دوگے
ان کے خالق ہو تو رازق بھی تمھیں تو ہوگے

دست و پا ہو گئے یہ سنتے ہی بذاتِ سرد | منھ تھا فق، دل تھا حزیں، بند زباں چہرہ زرد
یوں خجالت کی پڑی گیسوے تخلیق پہ گرد | اپنی مخلوق وہیں چھوڑ کے بھاگا نامرد

دہر والوں نے نہ کچھ دہر نے غمخواری کی
دہریت ساری دھری رہ گئی فراری کی

اور زندیق تھا اک، علم میں جو ماہر تھا | شکر سے دور مگر نام ابوشاکر تھا
ایک دن خدمتِ اقدس میں کہیں حاضر تھا | دہریت کا مگر اس کی یہی دن آخر تھا

آنکھوں آنکھوں میں ہوا قائلِ اعجازِ امام
اک نظر آپ نے دیکھا جو بہ اندازِ امام

عرض کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اس نے کہ حضور | ایسی فرمایئے کچھ بات کہ دل ہو پُر نور
قلبِ تاریک، تجلّی سے جو اس وقت ہے دور | مرضِ ظلمتِ باطل کی یہ شب ہو کافور

طفل اک آ گیا ناگاہ مسیحا کی طرح
بیضۂ مرغ لیے تھا یدِ بیضا کی طرح

لے کے وہ اس سے شہِ دیں نے ہتھیلی پہ کہا | پھر مخاطب سے یہ بولے کہ ابو شاکر آ
دیکھ، یہ قلعہ مضبوط ہے محکم کتنا | کوئی ذرا اس میں نہ روزن جو کرے جذبِ ہوا
سخت پتھر کی طرح جلد ہے باہر کی طرف
نرم جھلّی کا غلاف اس میں ہے اندر کی طرف

ان حبابوں میں ہے زردی و سفیدی یکجا | مثلِ احباب بہم صورتِ اغیار جدا
اس کے باطن میں خیال اور تصور کے سوا | مادّی زور نہ ذہنی کوئی طاقت ہے رسا
جوف میں اس کے نہ مُصلح کوئی جا سکتا ہے
نہ مخرب کوئی باہر کبھی آ سکتا ہے

کس کو معلوم کہ اس میں کوئی مادہ ہے کہ نر | دفعۃً کوئی کُھٹکا ہے جو اندر اندر
دیکھتے دیکھتے آجاتا ہے طائر باہر | خوشنما صورتِ طاؤس و حریرِ پُرزر
عقل سے پوچھ تو کس طرح یہ سب ہوتا ہے
بے چھوئے کون یہاں تخمِ عمل بوتا ہے

کیا یہ کہہ سکتا ہے کوئی کہ یہ زندہ تصویر | خود بخود بے کسی صانع کے ہوئی شکل پذیر
اور صانع بھی وہ ذی قدر، جو قادر، جو قدیر | علم بھی جس کا محیط، امر بھی پتھر کی لکیر
سن کے تقریر وہ دہری جو پشیمان ہوا
کلمہ پڑھ کے مسلمان بہ ایقان ہوا

ایسی تعلیم کا الجھنے کو تانا بانا | اک خلافت کا بھی قائم تھا شریف خانا
بہرِ سائل وہاں دینار، یہاں جرمانا | پھر بھی تسبیحِ امامت سے نہ لوٹے دانا
جو رقم اُس طرف انعام میں لے لیتے تھے
اِدھر آکر وہی تاوان میں دے دیتے تھے

گو کہ تھا حد سے سوا جبر و تشدد اُن پر
مگر اک ذوق جو ہے طالبِ حق کا جوہر
بزمِ جعفر میں جو آتے تھے مسائل کے
اُس کی مستی کو دبا سکتے ہیں کب تیغ و تبر
خوفِ تعزیر اُدھر گھیر کے لے جاتا تھا
جذبِ حق یہ کھینچ کے پھر سب کو یہیں لاتا تھا

دل تھے قائل کہ ہے اُس قصر کی بانی یہ اساس
پی بھی لیں سونے کا پانی تو کہیں بجھتی ہے پیاس
تشنگی جس کی ہے، وہ آب نہیں اس کے پاس
ہے ادھر آبِ بقا۔ قاطعِ خلط و سواس
بات کرتے ہیں یہ کج بحث سے بھی حلم کے ساتھ
علم کے ساتھ عمل ہے تو عمل علم کے ساتھ

اِن کی تلقین سے پاتا ہے دلِ مضطر چین
ہیں یہ صادق کہ ملا صدقِ رسولِ ثقلین
کیوں نہ ہو بانیِ اسلام کے ہیں نورِ عین
ارث ہے علمِ علی، حلمِ حسن، صبرِ حسین
جانِ عابد ہیں جبیں سے یہ عیاں ہے گویا
دہنِ پاک میں باقر کی زباں ہے گویا

روئے انور میں ہے وہ رعب و جلالِ کرار
ایک دو بار نہیں کم سے بھی کم بارہ بار
کر سکا قتل نہ منصور۔ کیا عزم ہزار
بہرِ منکر ہے صواعق[1] کا سخن صاعقہ بار
شبلنجی، رزمِ قلم کا ہے مجاہد شاہد
ان مشاہد یہ ہے جامی کی شواہد شاہد

بیٹھ جاتا تھا پئے قتل بپھر کر منصور
آنکھ سے آنکھ لڑی۔ ہو گیا غصہ کافور
لائے جاتے تھے اسیروں کی طرح شاہِ غیور
رعب سے سہم کے رہ جاتا تھا وہ مستِ غرور
کبر و نخوت کے صنم ٹوٹ کے رہ جاتے تھے
بیتِ آزر میں یہ مانندِ خلیل آتے تھے

[1] ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ

کر کے اعزاز سے رخصت جو وہ ہوتا تنہا | پوچھتا تھا یہ ملازم کہ تماشا تھا یہ کیا
ڈر کے کہتا تھا۔ وہ اعجاز نما ہیں بخدا | اژدہا ساتھ تھا اُن کے جو یہ دیتا تھا ندا
توستائے انھیں ممکن یہ کسی طور نہیں
یہ جگر بند ہیں حیدر کے کوئی اور نہیں

یہ روایات ہیں اُن کی جنھیں حضرت سے ہے بَیر | آگیا تذکرہ قتل تو دوہرا دیں۔ خیر
ہاں مگر غیظ و غضب، آمد شہ، حالت غیر | یہ تغیر ہیں بحق۔ کیجیے تاریخ کی سیر
تھا یہ طینت کا اثر غالب بر غالب کی
خاندانی یہ جلالت تھی ابو طالب کی

اس جلالت کے سوا خُلق بھی اے نسلِ علیؑ | سر ہے وہ حسنِ سلوک اور نگہ لطف و عطا
صلۂ رحم۔ مُواسات، توکل بخدا | حد یہ نیکی کی ہے، نیکی سے بدی کا بدلا
ظلم پر نیک ہدایت کی دعا دیتے تھے
درد دیتا تھا زمانہ یہ دوا دیتے تھے

حمد، تسبیح خدا، ذکرِ نبیؐ، صوم، صلات | حج، زیارت، صدقہ، جود، سخا، خمس، زکات
شبِ تاریک کے پردے میں وہ مخفی خیرات | کچھ جو اس ہاتھ سے دیں کچھ نہ ہو واقف یہ ہات
عفو بھی، رحم بھی، ایثار بھی، غمخواری بھی
خاکساری بھی، ضرورت ہو تو خودداری بھی

ہیں ولی مثلِ علیؑ، عالمِ جاں کے والی | تنگدستی ہے نہ بالکل، نہ بہت خوشحالی
حسبِ ذوقِ کرم و طینت و ظرفِ عالی | کوئی سائل نہیں جاتا کبھی در سے خالی
یہ نہیں۔ پاس نہ ہو کچھ تو ہوا بتلا دی
پڑھ کے ہو جائے غنی، ایسی دعا بتلا دی

شکر ادا کرنے میں تعجیل کا ہے پاس اتنا
ہوں سواری پہ تو دیکھیں اُسے کرلیں سجدا
میزبانی کو سمجھتے ہیں یہ نعمت بخدا
رجعتِ خوانِ خلیل، اِن کا ہے خوانِ نعما

ہیں کھلاتے بہت اور آپ یہ کم کھاتے ہیں
جب نہ آئے کوئی مہمان تو غم کھاتے ہیں

سب سے بڑھ کر ہے امامِ دوجہاں کی یہ صفت
ہاتھ سے اپنے ہر اک کام مشقت، محنت
ابنِ جابر کو ہوئی دیکھ کے اک دن حیرت
ہل چلاتے ہیں خداوندِ جہازِ امت

منھ پسینے میں ہے تر، غرقِ عرق چھاتی ہے
مست ہو جائیں ملک بھی وہ مہک آتی ہے

اس خدادوست نے کی عرض کہ مولائے جہاں
اللہ اللہ یہ حضور اور یہ کارِ دہقاں
بولے مولا کہ ریاضت بھی ہے جزوِ ایماں
جو ہے محنت سے گریزاں وہ مسلماں کہاں

امرِ فطرت بھی ہے یہ شرع کا آئین بھی ہے
دستِ اسلام میں دنیا بھی ہے اور دین بھی ہے

جس پسینے کی تری، خاک کا دل کردے شق
خون سے بھی ہے گرانقدر، وہ دہقاں کا عرق
اس کی ہر بوند میں تصاں ہے، وہ نعمت کا طبق
جس کو ہم کہتے ہیں روزی، جو ہے انسان کا حق

کام اس کام سے بڑھ کر کوئی لاریب نہیں
کسبِ روزینہ روزانہ تو کچھ عیب نہیں

اپنے وہ مورثِ اعلیٰ جو تھے مطلبی
وہی تاجر، وہی مزدور، وہی حق کے نبی
پھر علی؟ کون علی؟ نفسِ رسولِ عربی
بیلچہ، کھیت، عرق، ہائے یاُمّی دابی

پھر رسالت کی یہ سب نسل ہے جس میں ہے
آ سیا گر دیکھیں اُس کے۔ وہ چکی پیسے

(۱) مظاہر سے ہے ظاہر کہ صغار اور کبار | کاروباری نہ بنیں گر تو ہے جینا بیکار
تھی نہ روزی کے کمانے میں انھیں بھی کچھ عار | ناقۂ رزقِ دو عالم کی جو تھامے تھے مہار

مردِ بیکار سے راضی کبھی اسلام نہیں
ہم سے کیا کام اگر کام سے کچھ کام نہیں

سرسری بات نہ تھی یہ شہِ دیں کی گفتار | تھی زباں حرف بہ حرف آئنہ دارِ کردار
گو کہ شاگرد تھے خدمت کو کم و بیش ہزار | اپنے کاموں کا مگر ان سے نہ تھا کچھ سروکار

شکرِ طاقت کا جو اعضا سے ادا کرتے تھے
کارِ ذاتی میں بھی یہ کارِ خدا کرتے تھے

کام سے کسبِ معیشت کے جو پاتے تھے فراغ | بزمِ تعلیم میں عرفاں کے جلاتے تھے چراغ
شرحِ قرآں میں۔ کھلتے تھے حدیثوں کے جو باغ | سلسلے میں ابھر آتے دلِ مجروح کے داغ

فرض ہے جس کی عزا اُس کی عزا ہوتی تھی
درس میں مجلسِ شبیر بپا ہوتی تھی

کبھی نوحہ، کبھی مظلوم کی غربت پہ بُکا | گریہ ہوتا جو گلوگیر تو کرتے یہ دعا
غم میں یارب مرے دادا کے اٹھے جن کی صدا | کوئی غم ان کو نہ دنیا میں ہو، اس غم کے سوا

ریش ہاتھوں پہ رکھے مار کے دھاڑیں روتے
ذکرِ اصغر پہ مگر کھا کے پچھاڑیں روتے

بزمِ شبیر بپا ہوتی تھی گھر میں اکثر | روتے تھے فاطمہ کے لال کو سب پیٹ کے سر
چاند جس وقت کہ آتا تھا محرم کا نظر | بعد ہر فرض کے مجلس تھی عشا ہو کہ سحر

دل لرز جاتے تھے وہ شورِ فغاں اٹھتا تھا
تا بہ عاشورہ نہ مطبخ سے دھواں اُٹھتا تھا

۱؎ یعنی فلاں راوی نے فلاں سے اور اس نے امام حسینؑ سے یہ بات نقل کی۔

حال ہوتا تھا شہادت کا مفصّل جو بیاں | سن کے اسباب؎، بہت روتے تھے شاہِ دوجہاں
وہ پیمبر کی وفات اور وہ زہرا کی فغاں | وہ شکایت کہ یہ ہر وقت کا نوحہ ہے گراں
جب یہ رونے کی مناہی کے بیاں آتے تھے
دل پکڑ لیتے تھے ہاتھوں سے تڑپ جاتے تھے

پھر جو ہوتا تھا بیاں بیتِ؎ حزن کا کونا | شہر سے دور بقیعے میں وہ شب بھر رونا
دن میں گھر آکے یہاں آنسوؤں سے منھ دھونا | پھر بہ صد ظلم وہ محسن کی شہادت ہونا
رو کے کہتے کہ نواسے کے فدائی نانا
کربلا کی ہوئی تمہید۔ دہائی نانا

اور یہ ذکر بڑھا اور بھی رقّت آئی | فاطمہ نے اسی تکلیف میں رحلت پائی
گردشِ چرخ مصیبت پہ مصیبت لائی | بعدِ کرار و حسن شہ پہ قیامت ڈھائی
فلکِ پیر جو اعدا کا ہوا خواہ ہوا
حیف ہے شہر بدر فاطمہ کا ماہ ہوا

ہائے وہ ہجرِ مدینہ وہ محمّد کا پسر | وہ کڑے کوس وہ صحرا وہ پہاڑوں کا سفر
وہ بیابان وہ لُو اور وہ علی کا گلِ تر | ننھے بچوں کا وہ ساتھ اور وہ حرم ناتواں پر
گھر چھٹا دوست چھٹے غم سحر و شام ملا
حق کے گھر میں بھی مسافر کو نہ آرام ملا

کعبۂ رب سے چلا آہوئے صحرائے بلا | اُس طرف رخ تھا، لیے جاتی تھی جس سمت قضا
اب جہاں جا کے بھی منزل ہو، توکّل بخدا | راہ میں عشرۂ ذی الحجہ کو ہوا حشر بپا
روزِ اول خبرِ رحلتِ ہانی آئی
عید کا دن تھا کہ مسلم کی سنانی آئی

؎ اسباب شہادت
؎ وہ جگہ جہاں بی بی رات کو بابا کے لیے روتی تھیں

سن کے یہ حالِ عزا چیخ کے روئے سرور
منہ کیا سوئے فرات اور کہا چلّا کر
ہائے عباسِ علی آپ کی دکھیا خواہر
میرا پُرسا ہو قبول اے بنی ہاشم کے قمر
دم بہ دم دل کو یہ آواز جو تڑپاتی تھی
گریۂ فاطمہ زہرا کی صدا آتی تھی

ختم مجلس ہوئی رخصت ہوئے اربابِ عزا
اک صحابی سے بہ حسرت شہِ دیں نے یہ کہا
آج پرسا مری دادی کو نہ کیوں تم نے دیا
جوڑ کر ہاتھ وہ بولے کہ ہیں صدقے مولا
دیکھیے آنسوؤں سے تر ہے یہ رومال اب تک
اتنا رویا ہوں کہ آنکھیں ہیں مری لال اب تک

میں تو پھر عاشقِ شبیر ہوں اے جانِ علی
غمِ سرور میں تو رو دیتے ہیں بیگانے بھی
کون روئے گا نہ پھر سن کے مصیبت اس کی
روتے جاتے تھے سنا کر جسے مقتل میں شقی
اور تو اور دمِ ذبح ستمگر رویا
شمر بھی پھیر کے منہ روک کے خنجر رویا

شمر کا نام سنا رونے لگے پھر مولا
بعد مجلس کے پھر اک ہو گئی مجلس برپا
آگیا یاد پھر اک بار نہ جانے کیا کیا
وہ زمیں گرم، وہ سجدہ، وہ چھری اور وہ قفا
وہ صدا غیب کی۔ دربار میں اب آؤ حسین
شمر خنجر لیے آتا ہے۔ سنبھل جاؤ حسین

کم ہوئے پھر جو یہ آنسو تو صحابی سے کہا
ہم بھی واقف ہیں کہ تم اہلِ عزا ہو بخدا
ایسے رونے کو تو لیکن نہیں کہتے پرسا
اس طرح روؤ کہ لاشوں پہ ہو جس طرح بکا
غیر سمجھے کہ بلک کر جو یہ جاں کھوتے ہیں
مر گیا ہے کوئی ان کا بھی جو یوں روتے ہیں

اس صحابی کا ہے اب یہ الم انگیز بیاں | جو کبھی پھر مجلسِ ماتم ہوئی بعد اس کے جہاں
یوں میں رویا کہ ہلے بام و در و سقف و مکاں | ایک دن مجھ سے یہ فرمانے لگے شاہِ زماں

رات، زہرا کسی مجلس سے چلی آئی تھیں
تیرا پرسا ہوا مقبول۔ یہ فرماتی تھیں

خلد اب تجھکو مبارک ہو عزادارِ حسین | جو بھی غم میں مرے دادا کے کرے شیون و شین
یا رُلانے کو پڑھے حالِ امامِ کونین | یا ہو صورت سے یہ ظاہر کہ دل ہے بے چین

اجرِ عرفانِ امامت یہ یقیں بخشیں گے
میرے نانا اسے فردوسِ بریں بخشیں گے

اس روایت کا محبوں میں ہوا جب چرچا | جابجا ہونے لگی مجلسِ شبیر بپا
اپنی کفشوں کو جہاں چھوڑتے تھے اہلِ عزا | بیٹھ جاتے تھے وہاں چپکے سے آکر مولا

بارہا دیکھے گئے۔ بزم میں غمخواروں کی
صاف کرتے ہوئے نعلین عزاداروں کی

ان مجالس کے جو منصور کو پہنچے اخبار | جذبۂ قتلِ شہ پاک ہوا پھر بیدار
جلوہ گر آپ تھے اک حجرے میں اور چند انصار | آگ لگوادی وہاں چاروں طرف سے اک بار

مچ گیا غل پسرِ صاحبِ معراج جلا
ہائے گھر فاطمہ کا تیسری بار آج جلا

ہنس کے کہتی تھی مشیت کہ ارے او جلاد | جد خلیل ان کے ہیں آتش کو نہیں ان سے عناد
آگ یوں ہوتی جو سوزندۂ اہلِ ارشاد | جلتے خیمے ہی میں رہ جاتے جھلس کر سجاد

خواہرش انھیں شعلوں میں گزر کر لائیں
اپنے بیمار بھتیجے کو کمر پر لائیں

جیسے عابد رہے محفوظ وہاں اور زینب | آنچ آئے گی اسی طرح نہ جعفر پہ کبھی اب
بجھ گئی آگ۔ مٹا رنج۔ ہوئی رحمتِ رب | بچ گئے حضرتِ سجاد کبھی اور اصحاب بھی سب

حادثے ایک سے ہیں فرق ہیں تقدیروں میں
یہ چُھٹے غم سے۔ وہ جکڑے گئے زنجیروں میں

آگ بجھ جانے کی حاکم نے خبر جبکہ سنی | مشتعل آتشِ بغض اور ہوئی۔ اور ہوئی
شہ کو انگورِ سم آلود کی ڈالی بھیجی | چند دانے جو کیے نوش۔ قیامت ٹوٹی

خون کے ساتھ رگوں میں صفتِ سیل گیا
کُل بدن میں اثرِ زہرِ دغا پھیل گیا

نبض کبھی ڈوب گئی سانس کبھی ہونے لگی بند | روحِ احمدؐ ہوئی غمگین۔ خلافت تو رہند
شور تھا۔ ہائے چلا کشتۂ غم کا فرزند | بستۂ طوق و سلاسل کے جگر کا دلبند

سبزیِ زہر رخِ پاک پہ جو چھائی ہے
جانِ شبیر نے میراثِ حسن پائی ہے

سب عزیزوں کو کیا بہر وصیت جو طلب | نزع کا وقت تھا منہ دیکھ کے رونے لگے سب
شہ نے فرمایا کہ ہم خلق سے جانے کو ہیں اب | تم کو ملحوظ رہے طاعتِ خالق کا ادب

بس یہی سب کی معاون سرِ محشر ہوگی
یہ قضا کی تو شفاعت نہ میسر ہوگی

دوسرے یہ کہ رہے یاد مرے جد کی عزا | غمِ شبیر میں جی کھول کے روتے رہنا
دیکھ کر موسیٔ کاظم کی طرف پھر یہ کہا | الفراق اے مرے دلدار۔ خدا کو سونپا

لو بتول آئیں رسول الثقلین آ پہنچے
وہ علی آئے وہ شبر وہ حسین آ پہنچے

السلام اے مرے نانا مرے دادا میں فدا | السلام اے مری دادی جگرِ خیر ورا
السلام اے ہدفِ غم حسنِ سبز قبا | السلام اے شہِ مظلوم غریب الغربا
کہہ کے یہ اٹھ گئے دنیا سے ہمارے جعفر
ہائے شبیر کہا اور سدھارے جعفر

فاطمہ رو کے پکاریں مرے پیارے بیٹا | بات بھی کرتے نہ پائے کہ سدھارے بیٹا
تھا مرے لال کا غم دم سے تمھارے بیٹا | مجلسیں غم کی ہوا کس کے سہارے بیٹا
لو غش آتا ہے سنبھالو مجھے سونے والے
الوداع اے مرے مظلوم کو رونے والے

گھر میں کہرام مچا لٹ گیا زہرا کا چمن | حضرتِ موسیٰ کاظم نے دیا غسل و کفن
روحِ جعفر نے کہا ہائے شہِ تشنہ دہن | دفن کا ذکر تو کیا رو نہ سکی تم کو بہن
تھوڑی مہلت بھی جو بازو کی رسن دے دیتی
بھیک ہی مانگ کے نادار کفن دے دیتی

حشر برپا غمِ جعفر میں ہے خاموش نسیم | اب عزاداروں کو مجلس میں نہیں ہوش نسیم
ہیں معانی جو مسلسل ہمہ تن گوش نسیم | یہ تاثر ہے کہ لفظیں ہیں سیہ پوش نسیم
سوزِ ماتم سے نفس شعلہ فشاں اٹھتا ہے
دلِ پُر درد سے رہ رہ کے دھواں اٹھتا ہے

مردِ مومن کے لیے قید بھی آزادی ہے | کرب میں بھی ہے مزہ، غم میں بھی اک شادی ہے
حریت، ذہن کی بڑھتی ہوئی آبادی ہے | نفس قبضے میں رہے، بات یہ بنیادی ہے

قلب جن کے غمِ قالب سے جدا ہوتے ہیں
ایسے پابندِ رسن عقدہ کشا ہوتے ہیں

جس گرفتار کا ہو نفس و نفس سب آزاد | دل، ضمیر، آنکھ، زباں، فکر، سخن، لب آزاد
جسم زنجیر میں، اور مسلک و مشرب آزاد | قید ایسی ہو تو قیدی کا ہے مطلب آزاد

آب شفاف و مقید ہے جو دُر ہوتا ہے
جو رہے قید میں آزاد، وہ حُر ہوتا ہے

حق پرستی کے اسیروں کی نرالی ہے ادا | تختِ شاہی کا ہے سرتاج مصلّیٰ ان کا
قید خانے میں جب آتے ہیں وہ راضی بہ رضا | اعتکافِ حرمِ پاک کا پاتے ہیں مزا

مضطرب دل سے تڑپنے کی قسم لیتے ہیں
اور جو تڑپیں تو قفس توڑ کے دم لیتے ہیں

صدق و حق ان ہی کے دم سے ہے جہاں میں یہ جہاں | سلسلہ جن کے سلاسل کا ہے تارِ رگِ جاں
طوق گردن کا، ہلالِ مہِ عیدِ رمضاں | روح تا عرش رسا، جسم اسیرِ زنداں

پاسِ آدابِ وفا ہو جو نہ دلگیروں کو
یا علی کہہ کے ابھی توڑ دیں زنجیروں کو

چشمِ تحقیر سے دیکھو نہ انھیں اہلِ جہاں | کہیں وجہِ سُبکی ہوتی ہے یہ قیدِ گراں
ان کی پنڈلی کو جو زنجیر نے چوما تھا وہاں | اس کی نسبت بھی یہاں، غم سے ہائی کا نشاں

پاؤں میں خلق کے مِنّت کی ہے بیڑی دیکھو
قدر بیڑی کی یہ ہے، اپنی تم ایڑی دیکھو

بندِ اخلاص ہے یہ، مکر نہیں کید نہیں | زد نہیں، رد نہیں، صیاد نہیں، صید نہیں
اس سے مخصوص کوئی عمرو نہیں، زید نہیں | قید ہو حق کے لیے، اور کوئی قید نہیں

وا، ہر اک صدقِ بیاں کے لیے یہ دادی ہے
کوئی بندہ ہو کہ سلطان ہو آزادی ہے

ان اسیرانِ رہِ حق کی جو ہمت ہے بلند | کر نہیں سکتی انھیں قیدِ مصائب کی کمند
ان کو شیروں سے بھی حلقے میں جو کر دے کوئی بند | نہ درندے کا انھیں ڈر، نہ گزندے سے گزند

وہ ڈرے شیر سے جس کے نہیں مولا حیدر
دم ہو موذی کا فنا یہ جو کہیں یا حیدر

کتنے قیدی ہیں دُرِ لعل سے جن کو ہے گریز | حق کے اعلان میں لیکن ہے دہن گوہر ریز
تازیانے کی سزا، ذوقِ بیاں کو مہمیز | اشہبِ فکر کو روکا تو چلا اور بھی تیز

سی دیے ہونٹ، تکلم رگِ جاں کرنے لگی
کی زباں قطع، نظر کارِ زباں کرنے لگی

لطف اندوز ہیں یوں غم سے جو اربابِ کرم | دم بدم بھرتی ہے عیسیٰ نفسی اُن کا دم
قید ہوں جرمِ قیادت میں جو پابندِ الم | حق تو یہ ہے ان کی اسیری بھی ہے ملت کا بھرم

قیدیوں کے لیے آئین یہ آفاقی ہے
صرف اس قید میں ذلت ہے جو اخلاقی ہے

[illegible] کی بجائے ۔

ایسے قیدی رہِ خالق میں ہوئے ہوں جو اسیر | حق کے آزاد کرانے میں ہو جن کی تشہیر
ان کو ملتی ہے دو عالم میں دوامی توقیر | سلسلہ عرش کا ہے پاؤں کی ان کے زنجیر

یہ جو قیدی ہیں، بہت جی کے کڑے قیدی ہیں
اُن میں کاظم بھی ہیں، جو سب سے بڑے قیدی ہیں

قیدیِ چاردہ سالہ ہیں جنابِ کاظم | طوق کے چاند کا ہالہ ہیں جنابِ کاظم
حریت کا جو قبالہ ہیں جنابِ کاظم | قید میں بھی شہِ والا ہیں جنابِ کاظم

غم نہیں، پاؤں سے بیڑی جو ہے مربوط، کڑی
خود یہ زنجیرِ امامت کی ہیں مضبوط کڑی

عابد و باقر و جعفر کے ہیں یہ نور العین | قمرِ فاطمہ و بدرِ شہِ بدر و حنین
پرتوِ حلمِ حسن، آئنۂ صبرِ حسین | وارثِ علمِ نبیؐ، عالمِ رازِ قوسین

شبِ اسریٰ کا اثر آج کے دن تک پہنچا
چرخِ ہفتم پہ جو چڑھا دین جواں تک پہنچا

ابنِ عمران جو وادی سے سرِ طور گئے | بہرِ دیدار لیے دیدۂ مخمور گئے
تشنۂ ذوقِ تجلی میں مگر چور گئے | تھا وہ شہ رگ سے قریب اور وہ بہت دور گئے

وہیں موسیٰ نے جو اک جلوۂ کامل دیکھا
حسنِ موسیِٔ زماں اس میں بھی شامل دیکھا

داخلِ مقصدِ بلّغ یہ سرِ وادیِ خُم | شاملِ تکملۂ معنیِ اکملتُ لکُم
عظمت وہ کہ تعارف میں ہوئیں عقلیں گم | ہادیِ ہفتم اسلام تو معصومِ نہم

خطۂ ارض میں زہرا کے جو مہ پارے ہیں
فلکِ علم کے یہ ساتویں سیارے ہیں

فکر پائی تھی محمدؐ کی مگر کیا کرتے | سر اٹھانے کا کبھی موقع نہ دیا اعدا نے
ابھی زنداں سے چھٹے تھے ابھی پھر قید ہوئے | اس تذبذب میں بھی جو کام کیے جم کے کیے

مر مٹے فتنۂ تحریف ابھرنے نہ دیا
کارنامہ ہے کہ اسلام کو مرنے نہ دیا

جانچنا ہو جو کسی کی عظمت کا معیار | اس کے علم و عمل و عزم کے ڈھونڈو آثار
کبھی اقوال کو پرکھو۔ کبھی جانچو کردار | راے اس کی بھی سنو، گل کو سمجھتا ہے جو خار

ریگِ صحرا میں جواہر بھی تو مل جاتے ہیں
کبھی کانٹوں میں بھی کچھ پھول نکل آتے ہیں

یہ نہیں ضد کہ جو ہم کہہ دیں حقیقت وہ ہے | جس کو ظالم بھی کہے عدل، عدالت وہ ہے
ہو مخالف جو گواہوں میں شہادت وہ ہے | جس کا اقرار ہو اعدا کو فضیلت وہ ہے

ہم تو اپنے ہیں، جو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
جو ہیں اغیار۔ انھیں دیکھیے کیا کہتے ہیں

وہ کرامت ہو کہ اعجاز نظر میں تولیں | بات منطق کی کسوٹی پہ کسیں، پھر بولیں
جو نہیں کہتے امام، ان کی کتابیں کھولیں | سبطِ جوزی کی جواہر سے بھی موتی رولیں

اک مورخ کو غرض صالح و طالح سے نہیں
عبدِ صالح، جو کہا ہے تو مصالح سے نہیں

صاف بے لاگ لکھا ہے کہ امامِ علام | تھے عباداتِ کثیرہ کے سبب عرش مقام
منحصر دائرہ دین میں تھی جہدِ تمام | ان کی طاعت سے منظم تھا اطاعت کا نظام

یہ مصلے پہ جو فی اللہ فنا رہتے تھے
خود تھے دنیا میں مگر پیشِ خدا رہتے تھے

ہ جواہر میں سبط ابن جوزی کا قول ہے۔

اتفاق آپ کے حالات میں یہ بھی ہے عجب | عبدِ صالح کا ملا صورتِ عباس لقب
اور بھی اک یہ تشابہ ہے دمِ غیظ و غضب | حکمِ سرور سے وہ جب، حکمِ الٰہی سے یہ اب

شربتِ تلخ بہ صد شکر پیے جاتے ہیں
غصّہ آتا ہے مگر ضبط کیے جاتے ہیں

کثرتِ غم سے نہ اُن کو ہے، نہ ان کو وسواس | نہ مصائب سے انھیں خوف، نہ ہے اِن کو ہراس
ایک ہی خو ہے، روش ایک، مشابہ بو باس | ایک ہی شجرے کے دو پھول ہیں یہ اور عباس

خون دونوں میں علی کا ہے، پیمبر کی قسم
دونوں ہیں "بابِ حوائج" درِ حیدر قسم

وارثِ علم ہیں یہ اہلِ ولا کے والی | گلشنِ شرعِ رسولؐ دوسرا کے مالی
نسبِ پاک بھی اعلیٰ ہے حسب بھی عالی | ماں حمیدہ سی ہیں اوصاف حمیدہ والی

قولِ صادقؑ ہے سند جن کی صداقت کے لیے
کفوِ جعفرؑ ہیں یہ کافی ہے شرافت کے لیے

عالمہ ایسی تھیں بی بی، بہ عطائے جعفرؑ | گتھیاں علم کی سلجھائیں دمِ فکر و نظر
مسئلے کرتے تھے حل ان کی مدد سے اکثر | علما شہرِ مدینہ کے جو ہے علم کا گھر

نذرِ حق کو یہ گہر ابن حجرؔ لائے ہیں
سنگ بھی پھینکتے تھے، پھول بھی برسائے ہیں

یہ بیاں بھی ہے انھیں کا کہ جنابِ موسیٰؑ | علم اور فضل میں جعفرؑ کی طرح تھے یکتا
لو وہ قائل ہے شرف کا جو ہے منکر ان کا | ہے یہ کردارِ امامت کی کرامت بخدا

دل پہ بجلی جو صواعق میں گرا دیتا ہے
موج آجائے تو شعلے بھی بجھا دیتا ہے

ؔ صواعق محرقہ کے مصنف

دورِ ہارون میں جب عیش و طرب کا تھا شباب | نشۂ مال تھا خواہاں کہ چلے دورِ شراب
بات اٹھائی گئی اس طرح کہ انگور کا آب | فعلِ شیطان بھی ہے رِجس بھی ازروے کتاب

نہی ہے لیکن بہ صراحت نہیں ثابت ہوتی
کار بد ہی سہی حرمت نہیں ثابت ہوتی

کلکِ زرّیں سے خلافت نے لکھا اک محضر | فقہا جتنے تھے بلوائے گئے شاہ کے گھر
دعوتیں سونے کے اوراق پر بھیجیں لکھ کر | منہ خزانوں کے کھلے، سیپ سے نکلے گوہر

بھاؤ فتووں کے بڑھے زر نے فضیلت پائی
علم دیں پڑھنے کی ملاؤں نے قیمت پائی

نامہ بر لے کے ضیافت کی نویدیں جو چلا | پیشگی خلعتِ زر دوز، ہوا اس کو عطا
گوشِ قاصد میں امارت نے یہ چپکے سے کہا | ہم نوازیں گے جو دربار میں آئیں علما

دستخط کر کے فقط مُہر لگا دینا ہے
مفت فتویٰ کسی مفتی سے نہیں لینا ہے

فقہِ اسلام کے اس وقت تھے جو ٹھیکیدار | سب ہوئے وقتِ مقرر پہ شریکِ دربار
مسئلہ سن کے جو حاکم سے ہوئیں آنکھیں چار | آنکھوں آنکھوں میں ہوا حرمتِ مے سے انکار

چشمِ شاہی نے جو خلعت کا قبالا لکھا
مل کے شوریٰ کیا اجماع سے فتویٰ لکھا

سب نے کی مُہر لگی مُہرِ خموشی لب پر | ٹک گئی بیل بھی سونے کی سرِ دامنِ تر
جان پر کھیل کے بولا یہ کوئی اہلِ نظر | وہ جو قیدی ہے اسے بھی تو دکھاؤ محضر

علم قرآں میں جواب اس کا نہیں آیا ہے
وہ بتائے گا اگر کوئی کہیں "آیا" ہے

سه ممانعت
عه ہارون رشید عباسی
سه یعنی آیت

بات معقول تھی، ممکن ہی نہیں تھا انکار
جلد لائے گئے زنداں سے امامِ ابرار
شیر، زنجیروں میں جکڑا ہوا آیا اک بار
بہرِ تعظیم کھڑے ہو گئے اہلِ دربار

علم نے بڑھ کے پکارا کہ علی آتے ہیں
بولا قرآن رسولِ عربی آتے ہیں

منبرِ بزمِ "سلونی" کے جو گویا تھے خطیب
یہ بٹھلائے گئے مسند پہ خلیفہ کے قریب
اس نے دکھلا کے وہ محضر، یہ کہی بات عجیب
دستخط کیجیے اس پر تو رہائی ہو نصیب

ہنس کے بولے، نہ لبھاؤ ہمیں دلجوئی سے
قید میں بند نہ ہوں گے کبھی حق گوئی سے

پی گئے ہیں جو بہت مفتی بدمست و خراب
اس جسارت کا ہے اعراف کے سورے میں جواب
"اِنّما حرّم ربّی" سے ہے آغاز خطاب
آ گئے "وَالْاِثم" ہے اور اِثم کا مطلب ہے شراب

ع۱ یہ حاشیہ اگلے صفحے پر دیکھیے

رازِ قرآں نہ کسی مفتیِ دیں سے پوچھو
گھر میں آیا ہے ہمارے تو ہمیں سے پوچھو

کر دیا چاک یہ فرما کے وہ فرمانِ ضلال
رہ گیا گر کے خلافت کی قبا کا ہر تار
یہ نہ ہوتے اگر اس وقت تو کیا ہوتا حال
غضب کی طرح مئے ناب بھی ہو جاتی حلال

دورِ قرآن کا اک دورِ نیا آجاتا
پی کے اور جھوم کے پڑھتے تو مزا آجاتا

بوحنیفہ کا یہ ارشاد ہے کتنا دلدوز
حاضرِ خدمتِ جعفر میں ہوا جب اک روز
گھر میں مشغولِ وظائف تھے امام آج ہنوز
موسیٔ وقت تھے بابا کی جگہ جلوہ فروز

پانچ چھ سال کا اس طفلِ حسیں کا سن تھا
علم و تعلیم سے مخصوص وہ بدھ کا دن تھا

سے قول حضرت علیؑ سلونی قبل ان تفقدونی (مجھ سے پوچھ لو) قبل اس کے کہ تم مجھے کھو دو، مجھ سے جو چاہو پوچھ لو)

(حاشیہ صفحہ ۳۲۷)

عہ آٹھواں پارہ ۔ سورۂ اعراف ۔ آیت ۳۳
قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ الخ

(ترجمہ) کہہ دے (اے رسول) میرے پالنے والے نے فحش باتیں حرام کر دی ہیں — جو اُن میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں — اور شراب اور ناحق زیادتی کو (بھی حرام کر دیا ہے)
آیت میں اَلْاِثْمُ سے پہلے فحش باتوں کا اور اَلْاِثْم کے بعد ناحق زیادتی کے حرام ہونے کا ذکر ہے، اور یہ دونوں گناہ ہیں ۔ اس لیے بیچ میں بھی کسی ایسی چیز کا ذکر ضروری ہے جو حرام اور گناہ ہو ۔
اِثْمُ کا لفظ بمعنی شراب عربی زبان میں عام طور پر رائج ہے (دیکھیے المنجد)، نیز عرب کے سب سے بڑے فصیح "امرؤ القیس" نے جس کا قصیدہ بطور معجزۂ فصاحت کعبۃ اللہ میں (قبل نزول اِنَّا اعطینا) لٹکا ہوا تھا اور جسے حضرت علی نے بھی "ملک الشعراء" فرمایا ہے] حسب ذیل شعر میں اِثْمُ بمعنی شراب استعمال کیا ہے ۔

شَرِبْتُ الاثم حتی ضاع عقلی ۔۔۔ کَذَاکَ الاثمُ یذھبُ بالعقول

(ترجمہ) میں نے شراب پی تو میری عقل جاتی رہی، شراب اسی طرح عقلوں کو زائل کر دیتی ہے ۔

نسیم امروہوی

شہ سے اک مسئلہ کرنا تھا جو حل پیچیدہ | منتظر سوچ میں بیٹھا تھا میں کچھ رنجیدہ
گفتگو چھیڑ دی اس طفل نے وہ سنجیدہ | دل و جاں چند ہی لمحوں میں ہوئے گرویدہ

یوں میں کھویا ہوا اب اس کے ہر اک قول میں تھا
علم کے شہر میں تھا، علم کے ماحول میں تھا

عرض کی میں نے کہ اے شاہِ سلونی کہئے بسر | بات اک دل میں کھٹکتی ہے بہت شام و سحر
کام جو کرتا ہے انسان وہ ہو خیر کہ شر | کون اس فعل کا فاعل ہے؟ خدا، یا کہ بشر

ہو وضاحت، جو فقط حدِ تقدّس میں نہ ہو
کلمۂ گو کے لیے جائے کلام اُس میں نہ ہو

سن کے یہ بیٹھ گئے جم کے دو زانو مولیٰ | خطبۂ تسمیہ و حمد و ثنا پڑھ کے کہا
تین حالات سے خالی نہیں اے مردِ خدا | یا تو ہر فعل کا فاعل ہے خدا یا بشرا

یا ہر اک کام بجا لاتے ہیں دونوں مل کے
کام دیں جیسے کہ ایک، اَبرہ و آستر سل کے

اب جو ہر فعل کا انساں کے خدا ہے فاعل | یا ہر اک فعل میں دونوں کا اثر ہے شامل
پھر بھی انساں ہو جو ماخوذِ حسابِ کامل | اس کے معنی ہیں کہ اللہ نہیں ہے عادل

پھر وہ ظالم ہے، تو ظالم کی عبادت کیسی
حشر بے فائدہ، اور دوزخ و جنّت کیسی

فعل میں اس کی جو شرکت ہو تو وحدت نہ رہے | شرک ثابت ہو۔ ہدایت کی ضرورت نہ رہے
بے ضرورت ہو ہدایت، تو رسالت نہ رہے | جب رسالت بھی ہو رخصت تو قیامت نہ رہے

نہ جزا ہو نہ سزا، دین عبث ہو جائے
خلقتِ عالمِ تکوین عبث ہو جائے

اب رہی ایک ہی شکل دہم فکر و نظر | اپنے فعلوں کا ہے خود فاعلِ مختار بشر
اگر اچھا ہے تو مل جائے گا فردوس میں گھر | ہم کو کیا، جلے جہنم میں، برا ہے وہ اگر

خیر و شر کُل ہیں مِن اللہ یہ آئین غلط
شر جس اللہ میں ہو اُس کا تو ہے دین غلط

بو حنیفہ کا بیاں ہے کہ میں سن کر یہ بیاں | شکل تکنے لگا معصوم کی، ہو کر حیراں
اللہ اللہ یہ سِن اور یہ علم و عرفاں | حق کا فیضان، صلاحیّتِ ذہنی کا نشاں

عام بندوں میں یہ اوصاف کہاں طفلی میں
علم میں پیر ہیں ۔ ہمّت ہے جواں طفلی میں

اب عقیدت کے مقامات سنو غیروں سے | وجد آجائے وہ حالات سنو غیروں سے
دل میں جو بات ہے وہ بات سنو غیروں سے | کرم و جود و کرامات سنو غیروں سے

حالِ بخشش کا کسی مردِ سخی سے پوچھو
شافعیؔ بولے شقیقِ بلخی سے پوچھو

وہ یہ کہتے ہیں کہ مابینِ رہِ جادۂ حج | کھب گئی آنکھوں میں اک مردِ جواں کی سج دھج
گندمی رنگ جبیں، ماہ جبیں، ابرو کج | ناتواں جسم اور آواز میں طوفاں کی گرج

ایک مجمع میں اسے انجمن آرا دیکھا
چاند کا تاروں کے جھرمٹ میں نظارا دیکھا

کچھ یہ کہنے نہیں پائے تھے کہ وہ مہر لقا | جسدِ پاک لپیٹے ہوئے کملی میں اٹھا
ہٹ کے انبوہ سے کچھ دور جو وہ بیٹھ گیا | بلخی سمجھے کہ شاید ہے طلبگارِ عطا

(سہ امام شافعیؒ)

کیوں پئے زادِ سفر طرزِ گدائی سے کہے
کوئی صوفی ہے تو پھر کھل کے صفائی سے کہے

سوچ کر ایسی غلط بات بغیر تحقیق | بہرِ تنبیہ بڑھے، گو کہ بظاہر تھے حلیق
وہ جواں سر کو اٹھا کر یہ پکارا کہ شفیق | بدگمانی سے بچو یہ ہے منافق کی رفیق

یہ کہا اور اٹھا، پاؤں بڑھایا، وہ گیا
ایک جھونکا تھا ہوا کا کہ یہ آیا، وہ گیا

سن کے یہ ہو گئے بےخود ز تلخی سے دانا | فرطِ حیرت میں بھلا بیٹھے سب آنا جانا
نام میرا ہے شفیق، اس نے یہ کیسے جانا | دل میں جو بات تھی کیونکر یہ اسے پہچانا

گفتگو ملہمِ غیبی کا بیاں ہے گویا
یہ جواں علمِ لدنی کی زباں ہے گویا

ان خیالات میں غرق اس کے تعاقب میں چلا | تیز اتنا کہ قدم برق کے سانچے میں ڈھلا
تھا چراغ اس کے تصور کا جو آنکھوں میں جلا | دل سے آتی تھی صدا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

روحِ مضطر کہ پھر اک بار زیارت ہو جائے
قرب حاصل ہو تو اللہ سے قربت ہو جائے

چلتے چلتے جو ہوا وادیٔ فضہ میں گزر | اک مصلے پہ عبادت میں پھر آیا وہ نظر
لب پہ تھا ذکرِ خدا آنسوؤں سے آنکھیں تر | بید کی طرح بدن کانپ رہا تھا تھر تھر

بہہ کے رخساروں سے تا رشتہ جو اشک آتے تھے
ابرِ تن بن کے گریباں پہ برس جاتے تھے

دیر تک جب وہ جواں محوِ عبادت ہی رہا | تھک کے میں بیٹھ گیا، بیٹھ کر اٹھا، ٹہلا
تھی یہ نیت کہ یہ طاعت سے جو فارغ ہو ذرا | صاف کہہ دوں کہ گنہگار ہوں میں حضرت کا

بدگمانی ہے بڑا جرم، معافی چاہوں
اشک دوں نذر میں، عصیاں کی تلافی چاہوں

میری طرف سے، خدائے تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے
و ظلم جو میں نے بر راہ راست عطا کیا۔

میں جھکائے ہوئے اس فکر میں تھا فرقِ نیاز | ہوئی اِتمام بڑی دیر میں ناگاہ نماز
اس نے پھر لے کے مرا نام، مجھے دی آواز | یہ کہے لفظ، جو الہام، کرامت، اعجاز

"فکر پھر کیا اسے جو نیک ارادہ کر لے
بخش دیتا ہے خدا اس کو جو توبہ کر لے"

یہ سخن سن کے تو حیرت کی کوئی حد نہ رہی | یا الٰہی یہ نبیؐ ہے کوئی تیرا کہ ولی
اس نے توبہ کو کہا، جان لی نیت میری | اس کے دل میں مرے دل سے یہ خلش کیسے گئی

دیر ہو جائے گی گر اور کسی سے پوچھوں
کون ہے؟ کیا ہے؟ یہ بات اب میں اسی سے پوچھوں

ایک لمحے میں یہ سب سوچ کے آگے جو بڑھا | اب جو دیکھا تو مصلّیٰ تھا نہ وہ مردِ خدا
میں چپ و راست تجسس میں بہت کچھ دوڑا | نہ ملا وہ کہیں، اور نقشِ قدم بھی نہ ملا

نہ ہوئی منزلِ مقصد پہ رسائی میری
خضر بھی کر نہ سکے راہ نمائی میری

روز و شب دشت و بیاباں میں پھرا خاک بسر | صبح آیا نہ کہیں شام کو آیا وہ نظر
چاند نکلا مگر اس چاند کی لایا نہ خبر | مہر چمکا مری تقدیر نہ چمکی دن بھر

یاد سے اس کی تھا آباد جو تن من میرا
گردِ رہ چومتی تھی دوڑ کے دامن میرا

اک کنوئیں پر مجھے یوسف کا ہوا پھر دیدار | میں جو اس وقت بہت بھوک سے تھا زار و نزار
عرض کی اب مجھے کھانے کو ملے کچھ سرکار | بولا وہ ڈال کے کوزے میں مرے مشتِ غبار

گھول کر آب میں پی، روح مزہ پائے گی
خاک چھانے گا تو یہ ریت نہ ہاتھ آئے گی

دیکھ کر کوزے کو اب میں نے اٹھائی جو نظر | پھر تھا غائب وہ جواں صورت لیے گل تر
تھا یقیں اس کی کرامت پہ جو مجھکو یکسر | معجزہ ریت نے پانی میں دکھایا مل کر
رو کھے پھیکے نہیں پُر لذّت و خوشبو نکلے۔
جب وہ لت پت ہوئے خوش ذائقہ ستّو نکلے

ایک ان ستّوؤں کا اور بھی دیکھو یہ مزا | جتنے دن حج میں رہا پھر کبھی بھوکا نہ ہوا
تھی مگر دھن وہ جواں کون ہے، یہ کچھ نہ کھلا | فکرِ دوزخ کی رہی بھوک میں، جنّت بھولا
چند ہفتے تو نگاہوں میں وہ تصویر پھری
پھر کے آیا جو طواف، اب مری تقدیر پھری

ایک حلقے میں مچی شام کو تکبیر کی دھوم | موجزن حاجیوں کے بیچ میں تھا بحرِ علوم
بدرِ ذی قدر کے اطراف میں بکھرے تھے نجوم | گردِ طاعت کیے ہو جس طرح ثوابوں کا ہجوم
میں وہیں جلد لیے عشق کی مشعل پہنچا
دلِ بیتاب مرا مجھ سے بھی اوّل پہنچا

جا سکا کثرتِ مردم سے نہ میں پیشِ نظر | پوچھا اک شخص سے، یہ کون ہے کس کا ہے پسر
بولا حیرت سے مجھے دیکھ کے وہ نیک سِیَر | یہ ہیں زہرا کے قمر، جعفرِ صادق کے گہر
نظمِ دینی کے حدِ شرع میں ناظم یہ ہیں
وارثِ ختمِ رسل، موسیٰ کاظم یہ ہیں

اک تو ہیں آلِ نبی، دوسرے ائمّہ کے امام | تیسرے عبد وہ صالح کہ ہے غیروں میں بھی نام
چوتھے یہ بابِ حوائج، پئے حاجاتِ عوام | پانچویں غیظ میں ابرو پہ شکن تک ہے حرام
یہ چھٹا وصف، سدا محوِ وظیفہ یہ ہیں
ساتویں احمدِ مرسل کے خلیفہ یہ ہیں

شافعی کہتے ہیں یہ سن کے پڑھا اس نے درود | ہاتھ پھیلا کے کہا۔ شکر ہے تیرا معبود

اس کا دیدار ہوا آج، جو ہے جانِ وجود | جس کے جلووں سے یہ ثابت ہے کہ تو ہے موجود

معجزے ایسے ہیں کب عام زمانے کے لیے

یہ شرف ہیں تو محمدؐ کے گھرانے کے لیے

ابنِ حنبل کی زباں سے ہے کتب میں یہ رقم | یہ ہیں تعویذِ شفا، شافیِ مطلق کی قسم

سلسلہ ان کی روایات کا اتنا ہے اہم | دم میں ذی ہوش ہو وہ کر دیں جو مجنوں پہ دم

جو مخالف ہیں امامت میں ہمہ دم اِن کے

وہ بھی نقارے بجاتے ہیں دمادم اِن کے

تبصرے اُن کے ہیں یہ دیکھ کے شانِ مولا | فقہِ ظاہر کے ائمہ جو ہیں جعفر کے سوا

اب رہے ہم تو ہمارا تو ہے مسلک ہی جدا | صرف اعجاز کجا! موسیٰ جانباز کجا

ناظرِ علم و کرامات، ولی کہتے ہیں

واقعات، اپنے زمانے کا علی کہتے ہیں

بعدِ احمدؐ جو مسائل تھے علی کو درپیش | تھے، گھرے ویسے ہی حالات میں بھی کم و بیش

تھا ابھی عالمِ طفلی میں وہاں مذہب و کیش | تیغ اٹھاتے اسد اللہ جو ہو کر دلریش

دینِ محبوبِ خدا نذرِ انا ہو جاتا

خانہ جنگی میں سب اسلام فنا ہو جاتا

اور یہاں فقہ کا جعفر نے بنایا تھا حصار | پختگی کے لیے کچھ وقت تھا جس کو درکار

کہیں ہو جاتے جو یہ خون خرابے دوچار | دھم سے گر پڑتی شرائع کے فہم کی دیوار

خود مسلسل جو یہ پڑتے رہے افتادوں میں — یہ حکایت المعوت ہے

ان کی تعمیر بھی ہے فقہ کی بنیادوں میں — اسلئے ایسا نہیں۔

ایک بھی اس کا مخالف نہ خفی ہے نہ جلی
زندگی ان کی تھی سانچے میں عبادت کے ڈھلی
چمن کے صادق کے گلستاں کی یہ ایک ایک کلی
پیش کرتے رہے ہر گل کا نمونہ عملی
فقہ اک موج تھی جاری جسے تھمنے نہ دیا
رنگ عبّاسیوں کا دین میں جمنے نہ دیا

تھی یہی وجہ خلیفہ تھے جو حضرت کے خلاف
قتل کرنا ہے انھیں۔ کہتے تھے خلوت میں یہ صاف
فکر یہ تھی کہ اگر چھوڑ کے راہِ انصاف
خوں بہائیں گے تو امت نہیں کرنے کی معاف
کربلا کے بھی نتائج پہ نظر کرتے تھے
اور پھر فاطمہ کی آہ سے بھی ڈرتے تھے

آپ کے عہد میں جتنے بھی خلیفہ گزرے
قتل کا عزمِ مصمّم تو کیا اُن سب نے
سر قلم کرنے کے احکام بھی لکھ کے دیے
مگر اُن کے یہ ارادے کبھی پورے نہ ہوئے
خواب میں خاک بسر عقدہ کشا کو دیکھا
کبھی روتے ہوئے محبوبِ خدا کو دیکھا

نیمخوابی میں محمدؐ کی سنی یہ فریاد
کیا یہی میری رسالت کا صلہ ہے جلّاد
ہو چکا ظلم سے امت کے مرا گھر برباد
کب تک آخر یہ ستم جھیلے گی میری اولاد
راحتیں سارے زمانے کی زمانے کے لیے
رہ گئی آل مری ٹھوکریں کھانے کے لیے

ظلم کیا کیا مری زہرا پہ ہوا، صبر کیا
سر پہ حیدر کے چلی تیغِ جفا، صبر کیا
میرے شبّر کو دیا زہرِ دغا، صبر کیا
میرے شبّیر کا سر کاٹ لیا، صبر کیا
کیا اسی اجر کے قابل تھی ہدایت میری
سر بازار پھرائی گئی عترت میری

میرے عابد کو کیا قید، میں خاموش رہا
سیلیاں کھائیں سکینہ نے مگر کچھ نہ کہا
دُر بھی چھینے گئے اور خون بھی کانوں سے بہا
تازیانوں کا ستم میری نواسی نے سہا
کٹ گئی عمر مری آل کی زندانوں میں
رسیاں باندھی گئیں بی بیوں کے شانوں میں

مضطرب ایک صدی سے ہے مری نور العین
سو برس سے مری زہرا ہے لحد میں بےچین
خلد میں بھی تھا قیامت کا بپا شیون و شین
روئے جب باقر و جعفر کو حسن اور حسین
ضبط کب تک غمِ اولاد کرے گی زہرا
عرش کانپے گا جو فریاد کرے گی زہرا

کہتے ہیں شبلی و جامیِ تاریخ نواز
سن کے فریادِ نبی، آئے شقی قتل سے باز
پھر بھی کرتے رہے کاظم پہ ستم کینہ ساز
ہائے وہ بے وطنی، فاقہ کشی، قیدِ دراز
بھوک اور پیاس میں اکثر نہ غذا پاتے تھے
تازیانے کبھی کھاتے کبھی غم کھاتے تھے

تنگ و تاریک وہ حجرہ وہ محمدؐ کا قمر
روشنی کا نہ جہاں دخل، ہوا کا نہ گزر
کبھی ہوتی تھی نہ شام اور نہ آتی تھی سحر
کلفتیں شام کے زندانِ جفا سے بڑھ کر
واں ستم چند گرفتاروں پہ بٹ جاتے تھے
یہاں سب ایک ہی قیدی پہ ستم ڈھاتے تھے

گھل گیا سارا بدن اور ہوئے اتنے لاغر
دمِ سجدہ جسدِ پاک نہ آتا تھا نظر
قید خانے میں جو آتا کوئی تازہ افسر
ہو کے حیران یہ کہتا کہ وہ قیدی ہے کدھر
آدمی یاں کوئی بچہ نہ بڑا ہے دیکھو
پارچہ تو وہ مصلے پہ پڑا ہے دیکھو

عمر بھر چھائی رہی سر پہ اسیری کی گھٹا
قید خانے میں جوانی کٹی بڑھاپا بھی کٹا
مرتے مرتے غم و اندوہ کا بادل نہ چھٹا
بیڑیاں پاؤں سے اور طوق گلے سے نہ ہٹا
قید ہی میں غمِ ہستی سے یہ آزاد ہوئے
اس شرف میں شرفِ سیدِ سجّاد ہوئے

سال بھر میں وہ ہوئے شام کے زنداں سے رہا
چودھویں سال چھٹا آپ سے زندانِ بلا
قید سے چھوٹ کے جب یوسفِ شبیر چلا
پہلے زنجیر کٹی، طوق گلے سے اترا
زیست میں اِن کی مگر عقدہ کشائی نہ ہوئی
طوق و زنجیر سے مر کر بھی رہائی نہ ہوئی

بیکسی ان کی رقم کرتے ہیں یوں ابنِ حجر
زہرِ بیداد سے مارا گیا جانِ شبیر
تین دن فرش پہ تڑپا یہ محمدؐ کا جگر
بیڑیاں پہنے ہوئے قید سے نکلا مر کر
کلمہ گو بیٹھے رہے۔ دفن کو حمّال آئے
پلِ بغداد پہ لاشے کو یونہیں ڈال آئے

اور بھی حکمِ ستمگار سے ڈھایا یہ غضب
ایک تختے پہ رکھا لاشۂ سلطانِ عرب
کھینچتے پھرتے رہے کوچہ بہ کوچہ اسے جب
فاطمہ رو کے پکاریں یہ بصد رنج و تعب
ہائے تاریک ہے اب سارا جہاں نظروں میں
پھر گیا لاشۂ مسلمؑ کا سماں نظروں میں

شور و غل سن کے سلیمان محل سے نکلا
حال تب موسیِٰ کاظم کی شہادت کا سنا
اپنے بیٹوں کو ندا دی کہ ارے تکتے ہو کیا
چھین لو لاشۂ مولا ہے غریبُ الغربا
جان پر کھیل کے تب اس کے جگر بندوں نے
لے لیا کاندھوں پہ تابوت کو فرزندوں نے

شیر جو ٹوٹ پڑے بھاگ گئے دشمنِ رب | کی سلیماں نے منادی کہ غیورانِ عرب
ہائے مارا گیا وہ شاہ، بہ صد رنج و تعب | جس کے نانا ہیں نبیؐ، موسیٰ کاظم ہے لقب
سن کے یہ آہوں کے نعرے جگروں سے نکلے
سر کھلے شہ کے عزادار گھروں سے نکلے

غسلِ میت کو جو تختے پہ اتارے گئے شاہؑ | زیرِ ملبوس تھی زنداں کی نشانی ہمراہ
ہائے وہ طوقِ گراں اور وہ زنجیر ہیں آہ | جسمِ مردہ کے یہ زیور ہیں شقاوت کے گواہ
لوگ کہتے تھے مسلماں وہ شقی کیسا ہے
جس نے زنجیروں میں لاشے کو جکڑ رکھا ہے

قبر کھودی گئی کفنائے گئے شاہِ حجاز | سب محبوں نے پڑھی شہ کے جنازے کی نماز
اک جوانِ مدنی جس کے تھا لہجے میں گداز | وضع میں، قطع میں، اولادِ نبیؐ کے انداز
سب نے دیکھا کہ وہ منھ آنسوؤں سے دھوتا ہے
دم بدم وا ابتا کہتا ہے اور روتا ہے

قبر میں ان کو اتارا تو بہ صد شیون و شین | کسی بی بی نے کہا۔ ہائے مرے نور العین
اس کو دیکھا نہ کسی نے بھی، سنے سب نے یہ بین | اے مرے کاظمِ مظلوم، عزادارِ حسین
یہ خبر سن کے بقیعے میں جو گھبرائی ہے
تیری دادی تجھے رونے کے لیے آئی ہے

بس نسیمِ چمن عترتِ محبوبِ قدیر | فرض گریے کا ادا کر چکے مولا کے فقیر
مطمئن کیوں نہ ہوں مداح کے اب قلب و ضمیر | مرثیے سات اماموں کے ہوئے شکل پذیر
ماہِ تاباں ہیں نہ خورشید، نہ مہ پارہ ہیں
فلکِ نظم کے یہ سبعۂ سیارہ ہیں

ورثۂ صاحبِ ہجرت ہے غریب الوطنی | جو صفی سے ہے وہ صفوت ہے غریب الوطنی
بدلِ گلشنِ جنّت ہے غریب الوطنی | ابتدائے وطنیّت ہے غریب الوطنی

گو کہ محرومیِ تقدیر سے برہم نکلے
بستیاں بس گئیں جب خلد سے آدم نکلے

جادۂ منزلِ عظمت ہے غریب الوطنی | چشمۂ زمزمِ خُلّت ہے غریب الوطنی
ہاجرہ کے لیے رحمت ہے غریب الوطنی | نسل کے حق میں امامت ہے غریب الوطنی

عرش سے بہرِ خلیل اک یہی جامہ آیا
شام سے نکلے تو لِلنّاسِ اِمَامًا آیا

یوسفِ مصرِ نبوّت ہے غریب الوطنی | مکّۂ شوق کی عظمت ہے غریب الوطنی
مدنیّت کی علامت ہے غریب الوطنی | خود مدینے کی سکونت ہے غریب الوطنی

لطفِ تبلیغ، حیاتِ مدنی میں آیا
اوج پر دین، غریب الوطنی میں آیا

نوحِ طوفانِ مصیبت ہے غریب الوطنی | جُودیِ کشتیِ رحمت ہے غریب الوطنی
موسیٰ وادیِ غربت ہے غریب الوطنی | غرقِ فرعون کی حکمت ہے غریب الوطنی

گل بہ کف سے روشِ گلبدنی سیکھی ہے
ہم نے قرآں سے غریب الوطنی سیکھی ہے

سه طور پر سکون پڑھیے نظم میں تسکین متحرک درست ہے۔

عه وہ پہاڑ جس کی چوٹی پر سفینۂ نوح ٹھہرا تھا۔

کُل عناصر جو ہیں گردش میں مثالِ دوراں
آگ، خاک، آب، ہوا، گاہ یہاں گاہ وہاں
اسی گردش کے سبب روحِ عمل ہے رقصاں
مہر و مہ کیا ہیں غریب الوطنِ دورِ زماں

رات اِس وقت جہاں ہم ہیں یہاں ہوتی ہے
چند ساعت ہیں جہاں دن ہے وہاں ہوتی ہے

اسی قانون سے ہے باغِ جہاں کی تنظیم
عطرِ گلشن جو لیے پھرتی ہے عالم میں شمیم
آمد و رفت بہاروں کی ہے اک رسمِ قدیم
نکہتِ گل ہے مسافر بہ سرِ دوشِ نسیم

شام ہے ایک جگہ، اس کی سحر ایک جگہ
باغ لٹ جائیں یہ رک جائے اگر ایک جگہ

واہ کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے
صدمۂ ہجر سے گو جاں پہ بنی ہوتی ہے
ایسے ہی عزم سے خیبر شکنی ہوتی ہے
روح لیکن انھیں زخموں سے غنی ہوتی ہے

شوق میں پھولتی ہے سانس، نہ دم چڑھتا ہے
جتنے بڑھتے ہیں قدم، اتنا ہی دم بڑھتا ہے

دل جو زندہ ہیں تو پیہم یہ سفر جاری ہے
کاروانِ ابدی شام و سحر جاری ہے
سلسلہ دید کا تا حدِّ نظر جاری ہے
وقت کا قافلۂ فتح و ظفر جاری ہے

پائی یوسف نے حکومت جو وطن سے نکلے
جڑ گئے تاج میں موتی جو عدن سے نکلے

عہدِ تہذیب کی تاریخِ ترقی ہے گواہ
کنجِ عزلت نہیں انساں کے لیے جائے پناہ
کہ غریب الوطنی نصرتِ کامل کی ہے راہ
گھر سے نکلے تو کشادہ ہو درِ عظمت و جاہ

ذوقِ اقدام ہو رخصت جو قدم رک جائے
عزمِ پرواز ہو محکم تو فلک جھک جائے

سفرِ شوق کا ارماں ہے غریب الوطنی | طلبِ خیر کا ساماں ہے غریب الوطنی
وطنِ مردِ مسلماں ہے غریب الوطنی | خضر و الیاس کا ایماں ہے غریب الوطنی

یہ جو تا حشر ہیں خشکی و تری کے مالک
رہ نوردی سے ہوئے راہبری کے مالک

راہِ غربت میں جو اٹھتا ہے مسافر کا قدم | فاصلے ہوتے ہیں طے، کون و مکاں کے اک دم
اس سفر میں جو کہیں پشت کبھی پیری سے ہو خم | عزم و ہمت کی جوانی ہے۔ زلیخا کی قسم

کوئی دو ایک نہیں لاکھ مسافر ہیں گواہ
دور کیوں جاؤ حبیب ابنِ مظاہر ہیں گواہ

تخم بندیِ گُل مقصد ہے غریب الوطنی | مُلکِ تبلیغ کی سرحد ہے غریب الوطنی
ہم کو میراثِ اب و جد ہے غریب الوطنی | سنّتِ دینِ محمدؐ ہے غریب الوطنی

اس کا فوری تو اثر خیرِ وریٰ سے پوچھو
دوررس ہیں جو نتائج وہ رضاؑ سے پوچھو

آج ڈالے کوئی ایران کے مسلک پہ نظر | کس کی تبلیغ کا راسخ ہے عقائد میں اثر
اک غریب الوطن آیا تھا بہ نامِ حیدر | نصب صدیوں سے ہے اب تک علم اس کا گھر گھر

حربِ یلغار سے تن فتح کیے دنیا نے
علم و اخلاق سے دل جیت لیے مولا نے

زیبِ تن صدق کا جامہ ہے تو پیرایۂ حق | شمعِ دیں، مہرِ ہدیٰ، نورِ خدا، سایۂ حق
سر پھرے چاہے نہ مانیں انھیں سرمایۂ حق | میں تو قرآن اٹھا لوں کہ یہی ہیں آیۂ حق

چپ رہیں جب تو سراپائے رضا ہیں گویا
بول اٹھیں تو رسولِ دوسرا ہیں گویا

نور ہی نور ہے، ظاہر ہو کہ ان کا باطن | ان پہ چولائے نہ ایمان وہ کب ہے مومن
یہ بہ تائیدِ خدا، خلقِ خدا کے محسن | ہر مسافر کی حفاظت کو امامِ ضامن

اس کا آسیب ہے ردِ ستمِ بلا، جادو بند
مل گیا ان کی ضمانت کا جسے بازو بند

شاملِ آل، بہر حال، یہ ہمنامِ خدا | بھیجتے سب ہیں درود ان پہ دمِ صلِّ علیٰ
مستحب جن پہ سلام، ایسے غریبُ الغربا | عونِ خالق سے معینِ ضُعفا و فقرا

مالکِ روزِ جزا خلق کے مختار بھی ہیں
جب تو فریاد رسِ شیعہ و زُوّار بھی ہیں

ان کے مشہد کی فضائیں ہیں کچھ ایسی مانوس | آستانِ رضوی گھر ہے یہ ہوگا محسوس
کیوں نہ ہو روشنیِ دیدہ و دل ان کا طوس | ان کے نانا ہیں جو والشمس تو یہ شمسِ شموس

کتنے سورج ہیں کہ ضَو ریز ہیں ان کے گھر پر
ایک خود، صلب میں چار، آٹھ کا سایہ سر پر

ان کے مشہد کی زمیں زیرِ فلک عرش بریں | رحمتِ حق کا احاطہ - حرمِ قبلۂ دیں
یوں ہے اس برج میں یہ بدرِ شبِ قدر مکیں | جس طرح سینۂ جبریل میں قرآنِ مبیں

تربتِ پاک ہے اس نور کے گنجینے میں
جلوہ اللہ کا توحید کے آئینے میں

خط جہاں کھینچ دیا تھا وہیں پائی ہے لحد | قبر بھی ان کی بنی، علمِ لَدُنّی کی سند
معرفت جس کی ہے شرطِ کلمہ، تا بہ ابد | وہ تشہد کا ضمیمہ ہے یہ ان کا مشہد

یہ شرف خود سے نہیں عرش کی سرکار سے ہے
علم سے، عزم سے، اخلاق سے، ایثار سے ہے

۔ یعنی ایک رسول اور سات ائمہ

پاسباں علم نبی کے یہ امامِ ازلی
شمعِ تاویل کی ضَو، سرِّ خفی، نورِ جلی
خود ولی ابنِ ولی ابن ولی
جدِّ اعلیٰ بھی علی، جد بھی علی، خود بھی علی
زندگی کی ہے بسر خلق کی غمخواری میں
آٹھویں پشت ہے اسلام کی سالاری میں

سیر تھیں سات اماموں کی جو ہیں پیشِ نظر
تجربہ ہے کہ بچیں وقت کی زد سے کیونکر
یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا ہے عدو سرتاسر
یہ بھی ہے علم۔ ہمیں علم کے در کی ہیں سپر
وہ بھی معلوم ہے مرضی جو حکومت کی ہے
داؤں ہے حق کے خلاف، آڑ خلافت کی ہے

کانٹے مخلوط ہیں پھولوں میں تو کانٹوں میں ہیں پھول
سارا ماحول ہے لاحول ولا نامعقول
ان مناظر کے بیاں کو جو دیا جائے طول
شہر آشوب بنے مرثیۂ آلِ رسول
کام مدّاح کو کیا ملّتِ خودکام سے ہے
بحث اسلام سے ہے، حافظِ اسلام سے ہے

خانہ جنگی سے جو ابتر تھا خلافت کا نظام
بعد کاظم کے رہے قید سے محفوظ امام
محو تھے جنگ میں ہارون کے اخلافِ کرام
آگیا کام لڑائی میں امینِ ناکام
اب ہوا امن کہ مامون نے فرصت پائی
بھائی کو مار کے بھائی نے خلافت پائی

رخ پھرا فطرتِ بیداد کا مولا کی طرف
خدمتِ پاک میں آئے سُفرا اکبر بہ کف
لائے پیغام کہ اے لختِ دلِ شاہِ نجف
ہے خلیفہ کو وہ تسلیم جو شہ کا ہے شرف
حق کی توفیق سے حقدار کا حق یاد آیا
جس کو بھولی تھی خلافت وہ سبق یاد آیا

ہو اجازت تو یہ اعلان کریں جا کر ہم
اب ولیعہد ہیں مامون کے مولائے امم
منھ کو تکنے لگے یہ سن کے امام اکرم
ہنس کے کہتی تھی حقیقت کہ ارے یہ دم خم!
خاکِ پا بھی وہ نہیں جس کے ولیعہد بنیں
جو خدا کے ہیں ولی، کس کے ولیعہد بنیں

کر کے کچھ دیر سکوت آپ نے ارشاد کیا
تخت اور تاج کجا، آلِ شہِ پاک کجا
یہ خلافت اگر اللہ نے کی اس کو عطا
بخش دے پھر وہ کسی اور کو حق ہے اسے کیا
منتقل حق کی خلافت ہو یہ دستور نہیں
گر ہے خود ساز تو سازش ہمیں منظور نہیں

یہ جواب آپ سے پا کر ہوئے واپس سُفَرا
پڑ گیا فکر میں سن کر جسے مامون ذرا
دل میں پھر فوجِ خیالات نے باندھا جو پرا
سازشی ذہن تھا، انکار سے حضرت کے ڈرا
کر لیا عزم کہ اب صاف بتا دینا ہے
خوف کے آئنے میں قید دکھا دینا ہے

یہ بھی کہنا ہے کہ اب آپ نہ آئیں گے اگر
ہم بہ اعلان کہیں گے یہ حقیقت گھر گھر
التجا ہم نے تو خود کی تھی کہ آئیں سرور
حاکمِ شرع ہیں حضرت، صفتِ پیغمبرؐ
دین کے نہج پہ تنظیم خلافت کیجے
وقت آیا ہے، ادا فرضِ امامت کیجے

وجہ جو کچھ بھی ہو، تشریف نہ لائے جو حضور
قوم کا جرم، نہ کچھ اس میں ہمارا ہے قصور
یہ ہے تسلیم کہ غافل رہے اسلاف ضرور
ہاں مگر اب تو ہے بیدار خلافت کا شعور
حق ہے اس کو نگہِ عفو سے دیکھا جائے
صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آ جائے

لے کے آئے جو یہ پیغام مکرر سفرا | سن کے بولے یہ رضا خیر جو خالق کی رضا
شہ کو معلوم تھا انجام مگر سوچ یہ تھا | جائیں تو خود ہوں فنا، ٹھہریں تو اسلام فنا

کر لیا فیصلہ، ملبوسِ قضا پہنیں گے
موت کے ہاتھوں سے اب تاجِ بقا پہنیں گے

ہو کے دل شاد، گئے دارِ خلافہ کو سفیر | یاں رضا دیکھ چکے تھے جو بہ امرِ تقدیر
لوحِ الہام پہ اس مکر کی پوری تصویر | بھر کے اک آہ اٹھے ہو کے ملول و دلگیر

وقت کہتا تھا کہ امت کی بھلائی ہو گی
دل تڑپتا تھا کہ نانا سے جدائی ہو گی

مضطر و مضطرب الحال و پریشان و حزیں | جد کے روضے پہ گئے زار و نزار و غمگیں
اشک آنکھوں میں بھرے خاک بہ سر چیں بجبیں | لب پہ نوحہ کہ مدد کیجیے اے سرورِ دیں

دشمنِ جاں ہوئی بے وجہ خدائی نانا
قبرِ اطہر سے بچھڑتا ہوں دوہائی نانا

ہاتھ پھیلا کے سوئے قبرِ رسول الثقلین | یوں بڑھے، آخری رخصت کے لیے جیسے حسین
گر پڑے روضۂ پر نور پہ ہو کر بے چین | جیسے آئی یہ صدا، ہائے مرے نور العین

میرے مظلوم پسر، میرے مسافر بیٹا
صبر، بس صبر، خدا حافظ و ناصر بیٹا

جانِ شبیر ہو تم بھی تو مرے لختِ جگر | کربلا یاد کرو۔ دل کو سنبھالو دلبر
ساتھ ناموس، نہ بچے کہ ہو لٹ جانے کا ڈر | بے ردائی کا نہ کھٹکا، نہ اسیری کا خطر

بن کے قیدی تو نہ دربار میں جانا ہو گا
نہ تمہیں راہ میں دُرّہ کوئی کھانا ہو گا

ان حوادث کا تصور جو نگاہوں میں پھرا
اُس طرف بزمِ خلافت میں جو پہنچے سُفَرا
روکے، رخصت ہوئے روضے سے پیمبر کے رضا
پیشوائی کا امامت کی سرانجام ہوا

شاہراہیں صفتِ نخلِ چمن سجنے لگیں
وردیاں چار طرف، دم ہمہ دم، بجنے لگیں

شہ مدینے سے بڑھے سوے خراسان چلے
بہ طُمانینتِ کامل جو بہ صد شان چلے
یوں چلے۔ جیسے نبیؐ کا کوئی فرمان چلے
بن کے ایران کی تقدیر کا عنوان چلے

راہِ خالق میں جو اُڑتا ہوا رہوار چلا
ہر قدم۔ شہپرِ جبریل کی رفتار چلا

تا کرِ عزم کو راکب کے سفر سے پہلے
جا کے منزل پہ رُکا، تیرِ نظر سے پہلے
خود بخود پانو اٹھا، جنبشِ سر سے پہلے
علمِ باری میں گیا، دل کی خبر سے پہلے

جس نے رہوارِ حسینؑ کو سرِ جادہ دیکھا
شکلِ توسن میں مشیت کا ارادہ دیکھا

راہِ بصرہ سے سفر میں تھی جو کچھ مجبوری
شرع کا رخ تھا، سوے شارعِ نیشاپوری
شہر کی حدِ ترخُّص سے ابھی تھی دوری
بھر گئی تھیں مگر اصحاب سے راہیں پوری

دھوم تھی آمدِ شہ کی جو ہوا خواہوں میں
فرش بچھتے تھے نگاہوں کے گزرگاہوں میں

دل میں یہ بس گئے تھے، گو ابھی بستی سے تھے دور
کم وہ آنکھیں تھیں یہاں جن میں امامت کا تھا نور
جس طرح روح میں ہے شاہدِ غیبی کا ظہور
پاک تھا نیشِ عقارب سے مگر نیشاپور

کلمہ گویوں میں تھے غل۔ لطف و عطا سے آئے
حضرتِ احمدِ مرسلؐ کے نواسے آئے

۱ بعض لوگ طمانیت بولتے ہیں جو غلط ہے اور اہلِ علم کا روزمرہ نہیں
۲ مستعار لہ امام رضاؑ
۳ یعنی امام ماننے والے کم تھے

معنیِ مصحفِ رب، مقصدِ آل آتے ہیں | دی فلک نے یہ ندا، ماہِ کمال آتے ہیں
بولا سورج کہ بہ صد جاہ و جلال آتے ہیں | علم کہتا تھا، درِ علم کے لال آتے ہیں

کہہ کے قرآن کبھی یہ، راہ گزر میں آیا
لو وہ آتا ہے میں جس شخص کے گھر میں آیا

زاہد و متقی و حبر و فقیہہ و ابرار | آجر و تاجر و صناع و ادیب و فنکار
آسماں جاہ و فلک قدر و شریکِ دربار | عاشقِ یوسفِ کنعان رسولِ مختار

لاکھ مردانِ حُر آئے تھے غلامی کے لیے
شورِ تکبیر کی نوبت تھی سلامی کے لیے

تھی جو یہ دھوم کہ آتے ہیں نبیؐ کے پیارے | حق کے بندے نکل آئے تھے گھروں سے سارے
مجتمع اس قدر اسلام کے ننھے مہ پارے | اپنی قلت سے خجل ہو کے چھپے تھے تارے

جمگھٹا وہ مئے توحید کے متانوں کا
اک سمندر تھا ابلتا ہوا انسانوں کا

ایک بڑھتا تھا جو رستے میں تو اک اڑتا تھا | ایک پر ایک سرِ راہ گرا پڑتا تھا
اٹھنے پاتا تھا نہ پھر، پاؤں جہاں گڑتا تھا | آگے کی ایڑی سے، پیچھے کا قدم لڑتا تھا

یا نبیؐ کہتے تھے جب پانو نہ اٹھ پاتے تھے
یا علی کہتے تھے اور بڑھتے چلے جاتے تھے

وہ گروہِ علما، علم و فضیلت بہ کنار | شکلِ انساں میں شریعت کے رموز و اسرار
حافظوں اور فقیہوں کے سوا وقتِ شمار | صرف راوی تھے احادیث کے سہ ہزار

تھے جو اس فن کے امام، ایسے نمازی آئے
ان سے راضی ہو خدا حضرتِ رازی آئے

تھا یہ جذبہ کہ احادیثِ رسولِ خوش ذات | جن کے ابلاغ کا اُس وقت ذریعہ تھے رُوات
اُن روایات کے اصلی و حقیقی کلمات | اس کے منھ سے بھی سُنیں جس کے ہے نانا کی یہ بات

منعِ قرطاس کے حالات جو سن پائے تھے
گھر سے ہمراہ وہ قرطاس و قلم لائے تھے

جانبِ شہرِ مدینہ سے جو آتی تھی سڑک | لے چلی سب کو اُدھر، دردِ محبت کی کسک
راہبر، ولولۂ شوق و تمنا کی للک | ہر قدم تیز رواں، عطر کی جس طرح مہک

اک قدم شاق تھا رکنا جو طلبگاروں پر
پھول کی سمت تھے رخ اور قدم خاروں پر

دل میں آمد کا تصور کبھی کر کے دیکھا | جام آنکھوں کے مئے شوق سے بھر کے دیکھا
کبھی پنجوں پہ کھڑے ہو کے ابھر کے دیکھا | ہاتھ سایے کے لیے آنکھوں پہ دھر کے دیکھا

جو قد آور تھے، وہ بڑھ بڑھ کے نظر کرنے لگے
پستہ قد، گھوڑوں پہ چڑھ چڑھ کے نظر کرنے لگے

دور تک شہر کے باہر تھا جو صحرا میں ہجوم | کُل مضافات کے قریوں میں مچی تھی اک دھوم
خیر مقدم کے سرِ دست مہیا تھے رسوم | در بنائے تھے پئے داخلۂ بابِ علوم

صاف ظاہر تھا یہ رجحان کے اندازے سے
شہر میں جاتے ہیں ہوتے ہوئے دروازے سے

کتنے مشتاق تھے اور کیوں وہ بھی اہلِ نیاز | اس کو اللہ ہی جانے، یہ ہیں اللہ کے راز
پہلے میں دیکھوں، یہ کہتے تھے ہر اک کے انداز | سبقت کرنے کی خاطر ہوئے سایے بھی دراز

اب جو پرچھائیاں اٹھ کر سرِ دیوار بڑھیں
بیلیں اشجار کے اوپر پئے دیدار چڑھیں

شور ناگاہ نقیبوں نے مچایا اک بار | با ادب اے نگہِ شوق! عزیز و ہشیار!
لو حضور آتے ہیں وہ قاطرِ اشہب پہ سوار | بو تراب آگئے اٹھو اٹھ کے پکارا یہ غبار

غل ہوا بخت پھرے فصلِ بہاری آئی
پسرِ مالکِ رف رف کی سواری آئی

یہ صدا گونج کے تا چرخِ بریں جانے لگی | تھی جو مقبولِ خدا عرش سے ٹکرانے لگی
خلقت آئی ہوئی سب پھول جو برسانے لگی | گلِ زہرا کے پسینے کی مہک آنے لگی

مچ گیا شور۔ امام دوسرا آ پہنچے
بڑھ کے تسلیم بجالاؤ، رضا آ پہنچے

دیدۂ شوق نے دیکھا یہ دل افروز سماں | ہر قدم راہ میں ہے مہرِ مبیں ضو افشاں
نقرئی چتر ہے، بالائے سرِ شاہِ زماں | دھوپ ہے رعب سے انوارِ جلالت میں نہاں

ہیں سواری پہ نظر سوز ہمکو کے پردے
اُن سے بڑھ کر رخِ پُر نور کی ضو کے پردے

پشت پر تھا پسرِ صاحبِ دلدل جو سوار | ناز سے پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر رہوار
تھا صفیں چیر کے مرکب کا جو بڑھنا دشوار | بن گیا کوکبِ ثابت، جو ابھی تھا سیار

جرأتِ علم نے کی جلوہ طرازی پہلے
بنی مرضی سے بڑھے حضرتِ رازی پہلے

پاس پہنچے جو سواری کے بہ صد شوق جناب | آگئے بڑھ کے کئی اور محدث اصحاب
چوم کر تھام لیا باگ کو یحییٰ نے شتاب | پائی رفعت ابنِ رافع نے کہ ہاتھ آئی رکاب

روئے انور تھا حجابوں میں جو مستور ابھی
یہ قریب آگئے پھر بھی تھے بہت دور ابھی

بڑھ کے طوسیؔ نے یہ کی عرض کہ مولائے انام | سارے سرداروں کے سردار اماموں کے امام
مرکزِ عصمت و پاکیزگیِ آلِ کرام | وارثِ جلوہ گہِ طور۔ علیِؑ علام

طالبِ دید ہیں سب، دلبرِ عمراں اَرِنی
اَرِنی اے پسرِ موسیِٰ دوراں اَرِنی

طینتِ پاک میں شامل جو نہ تھا ردِ سوال | عرض مقبول ہوئی اٹھ گئے پردے فی الحال
برق سی کوند گئی آنکھوں میں اللہ رے جمال | دور سے دیکھ کے رخ، ہر ہوا دربہ زوال

دو محاسن تھے بہم حرفِ مشدد کی طرح
رعب حیدر کی طرح حسن محمدؐ کی طرح

وہی آنکھیں۔ وہی پلکیں، وہی ہالا تھا وہی | ہو بہو ویسے ہی ابرو، وہی دلکش منظر
بیچ میں گیسوئے مشکیں کے وہ روئے انور | شبِ معراج کی گودی میں مدینے کا قمر

دل پکارا کہ عجب چاند سی صورت پائی
اسی صورت پہ تو احمدؐ نے نبوت پائی

دیکھ کر اپنے پیمبرؐ کے نواسے کا جمال | سب مسلمانوں کے دل ہو گئے بیتاب کمال
کلمہ پڑھ پڑھ کے اچھلنے لگے مثلِ اطفال | وجد میں جھوم گئے چند ہوا ایسا حال

کس عقیدت سے حجابوں کی طنابیں چومیں
مَس کیا زین سے آنکھوں کو۔ رکابیں چومیں

بعض کرنے لگے حضرت کی سواری کا طواف | پانو چھونے لگے رہوار کے، اکثر اشراف
کچھ تھے ایسے بھی کہ با وصفِ کمالِ اوصاف | خاک پر لوٹ گئے۔ دل جو کدورت سے تھے صاف

موج میں آئے جو کچھ دجلۂ و جیحوں کی طرح
چاک داماں و گریباں کیے مجنوں کی طرح

دل میں تھا ان کے جو از بسکہ بپا شہر علوم | ٹوٹے پڑتے تھے سواری پہ زیارت کو ہجوم
کبھی تکبیر کے نعرے کبھی صلوات کی دھوم | کلکِ تاریخ یہ کرتا تھا فضا میں مرقوم

یہ تو اپنے نہیں۔ مجمع ہے یہ بیگانوں کا
دیکھ لو آل پہ اجماع مسلمانوں کا

شور جب حد سے بڑھا۔ بڑھ کے پکارے علما | دوستو! ویسے تو ممدوح ہے یہ جوشِ ولا
مگر اس وقت کہ جب پیشِ نظر ہیں مولا | پاسِ آداب یہی ہے کہ ہو خاموش ذرا

شہ سے کچھ عرض کرو۔ آپ کی کچھ بات سنو
اس روایت، کو نہ سمجھو کہ روایات سنو

سن کے یہ چھٹ گئی مجمع کی گھٹا شور گھٹا | دائیں اور بائیں سواری کے وہ انبوہ بٹا
بیٹھے آ آ کے محدّث وہ، ہجوم اب جو ہٹا | کھولے اوراق، لکھے قلموں پہ قط، وقت کٹا

روشنائی کا جما رنگ۔ قلمدان کھلے
شانِ اخلاص بڑھی سینوں کے قرآن کھلے

اب مخاطب ہوئے حضرت سے جنابِ آزری | میرے لفظوں میں یہ کی عرض کہ فرزندِ نبیؐ
اپنے نانا کی ہو ارشاد حدیث ایک کوئی | ہم ورق پر کبھی جسے ثبت کریں، دل پر بھی

قلزمِ علم سے اک بوند عطا ہو مولا
ہم فقیرِ درِ حیدر رہیں۔ بھلا ہو مولا

جائے اس در سے یہ اب جمِ غفیر اور کہاں | مستند ایسی خبر۔ ایسے خبیر، اور کہاں
اس قدر راویِ صادق کبھی کثیر اور کہاں | آئی آواز بجز خمِ غدیر اور کہاں

بولے شہ لکھیں رُوات اور جو ہیں حفاظ سنیں
میرے لب پر مرے نانا کے ہیں الفاظ سنیں

مجھ سے کاظم نے کہا، آپ سے جعفر نے کہا | اُن سے یہ باقرِ اسرارِ پیمبر نے کہا
ان سے ہمنامِ علی عابدِ مضطر نے کہا | ان سے شبیر نے شبیر سے حیدر نے کہا

لفظ حیدر سے یہ سب مخبرِ صادق نے کہے
ان سے جبریل نے جبریل سے خالق نے کہے

کلمہ دین کا جو لا سے ہے تا الا اللہ | یہ مرا قلعہ ہے مضبوط و قوی، خاطر خواہ
جو بھی اس قلعے میں آجائے بہ قلبِ آگاہ | وہ مرے سائے میں آگیا۔ ایسے ہی ہیں مرے پناہ

مرے ہمسائے کو تکلیف ہو کیا ممکن ہے؟
حق کی سرحد میں عذاب آئے، یہ ناممکن ہے

کہہ کے یہ، آپ نے کھنچوا دیے پردے اک دم | ابرِ رحمت کا برستے ہی بڑھا چند قدم
پھر فرس روک کے فرمایا کہ اے اہلِ قلم | اس میں شرطیں ہیں کئی جن میں سے اک شرط ہے یہ

کلمہ گو حق سے جو امیدِ حفاظت رکھے
دم محمدؐ کا بھرے۔ ہم سے مودّت رکھے

پھر یہ فرما کے سخن۔ باگ جو لی کہہ کر ہاں | ابر رہوار ہوا۔ پھولوں کی بارش میں رواں
وہ رواں اور عقب میں کلمہ گو تھے دواں | زینتِ طاعتِ حق جیسے ہو مابعدِ اذاں

جب وہ نظروں سے چھپے۔ جاتے تھے جن کے پیچھے
بڑھ گیا سیلِ رواں، رہ گئے تنکے پیچھے

کھو گئے ڈوب کے ماضی میں کچھ اصحابِ کرام | تھے تصور میں محمدؐ تو نظر سوئے امام
دل تھا کوچوں میں مدینے کے، زباں پہ یہ کلام | یا نبیِ عربی تجھ پہ ہزاروں ہوں سلام

کھل گیا، کتنی عقیدت کی کہاں پہنچی تھی
یا علی ورد تھا نعروں سے فضا گونجی تھی

نوٹ

—— اگر مجلس یہیں کچھ مصائب پڑھ کر ختم کرنا ہو تو اس صفحے اور اگلے صفحے کے بند پڑھ کر باقی مرثیہ کسی اور مجلس میں پڑھا جائے۔

اگر باقی مرثیہ بھی ابھی پڑھنا ہو تو اس صفحے اور اگلے صفحے کے بند چھوڑ کر ان بندوں سے جوڑ ملا دیں جو ان دو صفحوں کے بعد ہیں اور جن کا پہلا مصرع یہ ہے۔

غل عجم میں ہے رضا آج یہاں آتے ہیں

تجھ پہ ہر دم مری تسلیم ہو اے خاکِ عجم | رکھ لیا تو نے محمدؐ کی قرابت کا بھرم
یاد آیا یہ سماں دیکھ کے اک منظرِ غم | کربلا۔ سبطِ نبی۔ فوجِ شقی۔ ظلم و ستم
ایک قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہ دیا
دودھ پیتے ہوئے بچے کو بھی پانی نہ دیا

کلمہ گو یہ بھی تھے اور وہ بھی مسلماں تھے۔ مگر | اِن کے پہلو میں تھے دل۔ اُن کے کلیجے پتھر
یہ مسافر کے قدم لینے کو آئے تھے۔ وہ سر | پھول برسے تھے یہاں اور وہاں تیغ و تبر
خانۂ دل میں یہ عترت کو بسانے والے
اور وہ گھر لوٹ کے خیموں کو جلانے والے

یہ تھے خواہاں کہ سنیں ان سے محمدؐ کا کلام | بھیجتے تھے جسے سن سن کے درود اور سلام
خود سناتے تھے انھیں جد کی احادیث امام | تیر برساتے تھے سن سن کے مگر وہ خود کام
یہ سواری کے قدم چومتے اور روتے تھے
اُن کے رہوار کو وہ مار کے خوش ہوتے تھے

اِن کے سینے میں تھا یہ جذبۂ غیرفانی | یہ محمدؐ کے نواسے ہیں۔ بکر و ہمانی
اُن سے خود کہتا تھا ور و کے نبیؐ کا جانی | میں محمدؐ کا نواسا ہوں پلادو پانی

یہ بہ صد شوق سر آنکھوں پہ بٹھانے آئے
مار کر نیزہ وہ گھوڑے سے گرانے آئے

یہ عجم تھے تو کچھ اس کا بھی لحاظ ان کو تھا | شہربانو کے بھی پوتے ہیں یہ زہرا کے سوا
وہ عرب تھے انھیں اس کا بھی نہ کچھ پاس ہوا | یہ رسولِ عربی کے ہیں جگر کا ٹکڑا

سختیاں جھیل کے نانا نے انھیں پالا تھا
چکیاں پیس کے زہرا نے انھیں پالا تھا

یہ تھے مشتاق کہ ہیں جانِ رسولِ عربیؐ | اِن کو دیکھا تو محمدؐ کی زیارت کر لی
سامنے اُن کے مگر آئے جو ہمشکلِ نبیؐ | ان کی چھاتی پہ لعینوں نے لگائی برچھی

تھے جو ماں باپ کے ارمان، انھیں خاک کیا
دخترِ فاطمہ زہرا کا جگر چاک کیا

باقی مرثیے کے لیے
دیکھیے اگلا صفحہ

نوٹ : حسبِ ذیل بند صفحہ ۳۵۲ کے آخری بند کی اس بیت سے مربوط ہے۔

کھل گیا کتنی عقیدت کی کہاں پونجی تھی
یا علی ورد تھا۔ نعروں سے فضا گونجی تھی

غل عجم میں ہے رضا آج یہاں آتے ہیں | صورتِ دبدبۂ شورِ اذاں آتے ہیں
سر ابھارے ہوئے ماضی کے نشاں آتے ہیں | ان کی دادی کا یہ میکا ہے جہاں آتے ہیں

نہ امارت نہ ریاست نہ سیاست آئے
ہاں قدم لینے کو کسرا کی عدالت آئے

کر چکے طے شہِ ذیشاں سفرِ نیشاپور | علم کے موتیوں سے بھر دیے دامن، بھرپور
کس کے؟ اُن کے، جو ہیں تا حال محدث مشہور | اہلِ فکر۔ اہلِ نظر۔ اہلِ خبر۔ اہلِ شعور

تابعی رشک کریں، علم پہ حادی ایسے
موجِ کوثر کا تسلسل ہیں وہ راوی ایسے

دل لیے اُن کے۔ دیا علم کا فیضان چلے | سفر آسان تھا اب، سوئے خراسان چلے
دین و ایمان سواری میں بصد شان چلے | طوس سے گزرے۔ سناتے ہوئے قرآن چلے

وحدت آموز نظر جس طرف اٹھ جاتی تھی
در و دیوار سے کلمے کی صدا آتی تھی

مثلِ شبیر کفِ دست پہ سر لے کے چلے | صبر زہرا کا، تو شبر کا جگر لے کے چلے
نطق میں، شاہِ سلونی کا اثر لے کے چلے | صدفِ دل میں، رسالت کے گہر لے کے چلے

صدق کا سینۂ بے کینہ لیے جاتے تھے
لوحِ محفوظ کا آئینہ لیے جاتے تھے

زُہد کی تیغ، تو عصمت کی سپر لے کے چلے | علم کی آنکھ۔ ہدایت کی نظر لے کے چلے
جہل کی شام میں، دانش کی سحر لے کے چلے | بے پروں کے لیے جبریل کے پر لے کے چلے

ہر قدم نقشِ قدم غالبِ ہر غالب کا
وحی کی فکر و نظر۔ عزم ابوطالب کا

احمد و حیدر و زہرا کے کمالات لیے | حضرتِ شبّر و شبیّر کے حالات لیے
عابد و باقرِ ذیشاں کے خیالات لیے | جعفر و موسیٰ کاظم کے مقالات لیے

خاندانی شرف، اور علم و قیافہ ذاتی
اس اضافی میں امامت کا اضافہ ذاتی

صولت و ہیبتِ موسیٰ زماں لے کے چلے | منھ میں ہارونِ محمدؐ کی زباں لے کے چلے
رخِ روشن میں جلالت کے نشاں لے کے چلے | تنِ تنہا تھے مگر ایک سماں لے کے چلے

مشہدِ پاک سناعہ آباد کو آباد کیا
علم نے جس کی خبر دی تھی، وہ دن یاد کیا

ایک خط کھینچ دیا قبۂ ہارون کے پاس | "میرا مدفن ہے یہی" ہنس کے کہا بے وسواس
ہر مورخ نے لکھی یہ خبرِ صدق اساس | اب امامت کو کہے کوئی "نہیں غیب شناس"

جان کب اور کہاں جاتی ہے یہ جانتے ہیں
بوتراب ان کے ہیں جد۔ خاک کو پہچانتے ہیں

اب وہ منزل بھی قریب آگئی جو تھی مقصود | وادیِ شرق میں وہ مہرِ امامت کی نمود
مژدہ میں سرِ گلستانِ رسالت کا ورود | نوبتِ صلِّ علیٰ۔ نعرۂ تکبیر و درود

فرش کے بخت پھرے۔ عرش مقام آ پہنچے
ہل گیا قصرِ خلافت کہ امام آ پہنچے

عہ اس مقام کا نام جہاں روضۂ اقدس ہے۔

اُمّتی خوش تھے کہ بخشش کا سہارا آیا | آٹھواں مصحفِ تخلیف کا پارہ آیا
کوثرِ علم کا بہتا ہوا دھارا آیا | فرش آنکھوں کے بچھے۔ عرش کا تارہ آیا

اے عجم! آج سے تو مصر کا ہمشان ہوا
ابنِ موسیٰ ترے فرعون کا مہمان ہوا

چند دن میں جو ہوئیں دور صعوباتِ سفر | خدمتِ پاک میں مامون گیا وقتِ سحر
نذر کو پیشکشِ تختِ خلافت لے کر | تھی سیاست کہ خلوص، اب یہ خدا کو ہے خبر

شعر منطق نہیں اس بحث سے بالاتر ہے
پیش منظر کی سند بات کا پس منظر ہے

تھا یہ وہ دور کہ مامون کی تھی ہمت پست | علمِ ظاہر کے وہ نشّے میں پڑا تھا بدمست
انتظامات تھے، دستِ وُزرا میں یکدست | فصل کا نظم و نسق۔ اس کی خودی کی تھی شکست

عجمی ماں کا یہ بیٹا تھا۔ عرب جلتے تھے
آستینوں کے یہ سانپ اس کے ہی گھر پلتے تھے

تھا بڑا بھائی امین اک عربی ماں کا پسر | چھین لی کاٹ کے سر، اس کی خلافت یکسر
پھر تو عبّاسیوں نے پھیر لی کھل کر جو نظر | پھوٹ آپس میں پڑی۔ پھوٹ پڑے فتنہ و شر

بھرم اٹھا تو ہر اک سمت سے باغی اٹھے
چند حقدار بھی لینے کو چراغی اٹھے

اُمڈ آئے جو خروج اور بغاوت کے علم | کھائیں افواجِ خلافت نے شکستیں پیہم
وٹولوں کا علویوں کے یہ کچھ تھا عالم | بڑھتی ہی جاتی تھی اولادِ حسن دم بہ دم

تیغیں چلتی تھیں جو موجوں کی روانی کی طرح
خون عبّاسیوں کے بہتے تھے پانی کی طرح

اب کشاکش میں تھا ضدّین کی مامون کا دین | تھی قبا دوش پہ اور ہاتھ لہو میں رنگین
اس کے خنجر سے جو گیتی پہ بہا خونِ امین | "یہ خلیفہ نہیں جلّاد ہے"، چلّائی زمین

اہل ہی اب تو خلافت کا یہ زنہار نہیں
جز بنی فاطمہ اس کا کوئی حقدار نہیں

لے کے اقصائے خراسان سے تا قلبِ عراق | ہر جگہ لشکرِ مامون کی تھی طاقت طاق
تھے خلافت کے محل اب علویوں کے رِواق | غالب آیا تھا سپاہوں پہ جنودِ اخلاق

شور تھا غضب کی تعزیر تمھارا حق ہے
چھوڑ دو تختِ خلافت۔ یہ ہمارا حق ہے

کلمہ گو تھے جہاں جتنے، بجز آلِ رسولؐ | عزلِ مامون کے مقصد میں سبھی کا تھا شمول
گو امام اس سے بہت دور تھے حسبِ معمول | تھا مگر علم و عمل حکم خدا سے مقبول

دل پہ غیروں کے یہ تھا شاہِ ہدا کا سکّہ
بے رضا چل گیا کوفے میں رضاؑ کا سکّہ

تھا یہ صد فکر و نظر اہلِ سیاست کا خیال | ہے دریں حال سکونِ دلِ مامون محال
دستِ برداریِ والی کا جو اٹھا ہے سوال | اب خلافت نہیں چلنے کی بلا شرکتِ آل

ایسے حالات میں بلوائے گئے ہیں مولا
خود نہیں آئے رضاؑ، لائے گئے ہیں مولا

دے رہا ہے جو خلافت کی یہ دعوت انھیں اب | کیوں نہ ملحوظ تھا اب تک، یہ امامت کا ادب
وہ نہ ہے وحی کا حامل، نہ پیمبر ہے نہ رب | منتقل کرنے کا منصب کے اسے کیا منصب

حق نما، از روِ آیاتِ شریفہ یہ ہیں
جب محمدؐ کے خلف ہیں تو خلیفہ یہ ہیں

وارثِ علمِ پیمبرؐ ہیں، بہ منشائے غدیر | اس لئے مامون بھی واقف ہے۔ یہ مجرم ضمیر
تھی یہ درخواست کہ بن جائیے امت کے امیر | ہم رضامند نہیں۔ تھی یہ رضا کی تقریر
وقت کہتا تھا۔ یہ ہدیہ بہ غرض مندی ہے
شکل کہتی تھی کہ دعوت یہ سمرقندی ہے

وہ تو خواہاں تھا اسی کا کہ یہ کر دیں انکار | بولا فوراً کہ ولیعہد ہوں میرے سرکار
عذر پر کرتے رہے عذر، امامِ ابرار | اس کا بڑھتا رہا اصرار، مسلسل اصرار
گفتگو میں جو بہ صد غیظ وہ بل کھاتا تھا
موت سے زندۂ جاوید کو دھمکاتا تھا

موت نعمت تھی انہیں موت سے کیا تھا انہیں ڈر | کربلا کے مگر آثار نہ تھے پیشِ نظر
بات بیعت کی نہ تھی، یہ جو کٹا دیتے سر | تھا یہاں موت کا انجام فقط فتنہ و شر
جنگ جاری تھی۔ جب اسباب سوا ہو جاتے
خانہ جنگی میں مسلمان فنا ہو جاتے

رکھ کے اک شرط قبول آپ نے کر لی دعوت | جس نے حیدر کے شرائط کی بڑھا دی عظمت
جس نے شبر کے بھی الفاظ کی رکھ لی عزت | صاف لکھوا لی، وہی شرط کتاب و سنت
اس ولیعہدی پہ یوں ہی یہ ولی تھے مجبور
جس طرح چوتھی خلافت پہ علی تھے مجبور

منعقد جبکہ ہوا جشن ولیعہدی کا | وہیں بلوا کے رفیقوں کو یہ حضرت نے کہا
اس جگہ۔ تم نہ جگہ دل میں خوشی کو دینا | ہم ہیں راضی بہ رضا، تم بھی ہو راضی بہ رضا
ہیں وہ بائیس کتب جن میں یہی لکھا ہے
بیس انتیس کا کچھ فرق بھی ہو سکتا ہے

یہ بھی فرمانے لگے پھر متبسم ہو کر | دخل کیوں دیتا ہے خالق کی مشیت میں بشر
نامزد آج کیا ہے ہمیں جس منصب پر | اس کا وقت آنے سے پہلے ہی ہمارا ہے سفر
کوچ کر جائیں گے جب کام ادھورا ہوگا
ہم ولیعہد ہوں۔ یہ عہد نہ پورا ہوگا

یہ بھی ارشاد ہوا جشن سے جب گھر کو چلے | آج عترت کے وہ حق مان لیے غاصب نے
پیش رو راہِ خلافت کے تھے منکر جن کے | اس لیے کچھ ہمیں تسکین ہے اس منصب سے
کب کسی والیِ خودسر کے ولیعہد ہیں ہم
ہاں ولیعہدِ پیمبر کے ولیعہد ہیں ہم

حق نے بخشے تھے انھیں حق اشاعت کے جو حق | منصبِ نو سے کمی ان میں نہ آئی مطلق
سحر و شام دیے علم و عمل کے وہ سبق | جن سے اصحاب کے دل بن گئے قرآں کے ورق
وہی اندازِ نبیؐ کے، وہی تفسیر کا رنگ
آٹھویں چھاپ میں، بدلا نہیں تصویر کا رنگ

خدمتِ خلق ہے آدابِ امامت کی طرح | خاص بندوں پہ نظر شاہِ رسالت کی طرح
کرمِ عام بھی، اللہ کی رحمت کی طرح | امتیازات نہیں، بزمِ خلافت کی طرح
کوئی اپنا نہ پرایا ہے، مسلمان ہیں سب
انس ہے سب سے بدیں وجہ کہ انسان ہیں سب

جانتے ہیں کہ جو اصلاح یہاں ہے درپیش | اس کی مہلت ہے ہمیں، ایک برس سے کچھ بیش
اتنے کم وقت میں تبدیلیِ بیگانہ و خویش | وہ بھی پھر ان کی، جو بوجہل سے بدتر بدکیش
کور باطن ہیں۔ دلائل سے نہ قائل ہوں گے
کچھ جو ہوں گے بھی تو اعجاز سے مائل ہوں گے

ذکرِ اعجاز میں اک بات بطورِ ایجاز | مجھکو کہنا ہے، کھلے دل سے بہ صد عجز و نیاز
معجزہ جزوِ رسالت ہے۔ نہ ہو گر خود ساز | فرض ہے جس کی حقیقت پہ یقیں مثلِ نماز

کوئی مانے کہ نہ مانے یہیں سواس کا مجھے
کمتری کا نہیں اس ذکر میں احساس مجھے

جتنی قومیں ہیں زمانے میں مہذّب مشہور | جن کی ہے فکرِ خلا میں کو ستاروں کا شعور
معجزہ، ان کے عقائد میں بھی شامل ہے ضرور | گو کہ سائنس کی منطق سے ہے یہ کوسوں دور

اک انہیں کا تو سلف لحن سے یوں گاتا تھا
لوہے کو شعلۂ آواز سے پگھلاتا تھا

تخت کو کوئی ہواؤں میں اڑا دیتا تھا | کوئی قُم کہتا تھا، مُردے کو جِلا دیتا تھا
کوئی لاٹھی کو کبھی سانپ بنا دیتا تھا | سنگ پر مار کے چشمے کبھی بہا دیتا تھا

کھیلتا تھا کبھی بچپن میں جو انگارے سے
نور برساتا تھا پھر چھالے کے فوّارے سے

اونٹ پتھر سے نکالا تھا کسی نے بہ حشم | کر دیا نار کو گلنار کسی نے اک دم
ایڑیاں پیاس میں رگڑیں جو کسی نے پیہم | کوہ کا چیر کے دل سنگ سے پھوٹا زمزم

ان کی مانی ہوئی ماضی کی یہ کچھ یادیں ہیں
جن پہ اس وقت بھی تہذیب کی بنیادیں ہیں

شبِ معراج نبوّت کا ہے گویا اعجاز | شق ہوا چاند، یہ حضرت کا ہے گویا اعجاز
رجعتِ شمس، وِلایت کا ہے گویا اعجاز | ہم ہیں زندہ، یہ امامت کا ہے گویا اعجاز

ہیں رضا بھی تو امامت کے گھرانے والے | ے اختصار
اُن کے پوتے۔ جو نصیری کو جلانے والے

ان کا اعجاز ۔ وہ ذی قدر و جلیل و محکم | لکھ گیا ہے جسے تاریخ میں ہر اہلِ قلم
خوش ہوں درویش کریں سونے کے پانی سے رقم | منحرف ہوں جو عرب ، بول اٹھیں اہلِ عجم

اس کو جمہور بھی تسلیم کریں شاہی بھی
علم بھی ہاتھ میں ان کے ہے یدُاللّٰہی بھی

مانا ہے دستِ کرم سے یدِ بیضا کی ضیا | خود وہ روشن تھا ۔ کسی اور کو روشن نہ کیا
شہ نے دعبل کو قصیدے کا جو انعام دیا | پارچہ اس میں تھا اک دستِ مبارک کا سیا

کور دیکھے تو اب ۔ اس جلوہ گہِ سینا کو
تار بھی تارِ نظر ہو گئے نابینا کو

تھی جو دعبل کی زنِ پاک نظر نیک شعار | قوتِ دید سے محروم ۔ نصیبہ بیدار
حوریں دیکھا کریں وہ نرگسِ شہلا کی بہار | پتلیاں شکل میں آیات ۔ کہ بینش بہ کنار

دل تو پر نور ہے ۔ کیا عیب جو عینین نہیں
دیکھ لو سورۂ اخلاص میں بھی عین نہیں

محو تھا جوشِ عقیدت میں جو وہ مدح طراز | بات وہ دور کی سوجھی کہ اٹھا پردۂ راز
پارچے سے نگہِ کور کو بخشا اعزاز | شب کو آنکھوں پہ بندھا ۔ صبح دکھایا اعجاز

بے بصر آنکھیں جو تھیں ۔ جلوہ گہِ طور ہوئیں
پتلیاں رقص میں دو قمقمۂ نور ہوئیں

یہ تو تخصیص تھی عنایاتِ امامِ دو جہاں | کرمِ عام ہوا قحط کی بارش سے عیاں
ذکرِ اعجاز میں خامہ جو ہے اب سحر بیاں | ابرِ مضموں بھی ہے گھنگھور ، طبیعت بھی رواں

نہ قول ہو اختراعی نہیں — بات یہ محض عقیدت نہیں تاریخی ہے
ع کہیں نہیں ہے — کس قدر پیاس سے مخلوقِ خدا چیخی ہے

اے تصور کی فضا! رحمتِ باری دکھلا
اے تخیل کی گھٹا! ابرِ بہاری دکھلا
راکبِ رخشِ امامت کی سواری دکھلا
عہدِ مامون پہ، حد ظلم کی جاری دکھلا
اُس نے جب دین کے والی کو ولیعہد کیا
ابرِ باراں نے خراسان میں بس عہد کیا

جان ہونٹوں پہ ہے، ذی روح عطش سے ہیں دوچار
سب نباتات ہیں سوزاں صفتِ نخلِ چنار
ندیاں خشک ہیں، دریاؤں میں اڑتا ہے غبار
غضبِ حق کا نشاں۔ قہرِ خدا کے آثار
اے عجم! تجھ پہ عذاب آنے کا ساماں ہے یہ
خاکِ ایراں نہیں خطۂ ویراں ہے یہ

شہر میں، دشت میں، وادی میں، جبل میں کسی جا
کہیں پانی کی نہ بن گن ہے، نہ چشمے کا پتا
قطرۂ آب۔ سمندر میں بہ مشکل جو ملا
اس کو موتی نے گرہ دے کے صراحی میں رکھا
زاہدوں کو تھا یہ غم۔ آبِ وضو گم کر کے
ملتے تھے خاکِ عزا منھ پہ تیمم کر کے

ڈر گیا دیکھ کے مامون یہ محشر کا سماں
عرض کی خدمتِ اقدس میں کہ مولائے جہاں
تشنگی پانی نے چھپائی تو مچا ہے طوفاں
ناخدائی کا یہی وقت ہے اے نوحِ زماں
لبِ جاں بخش سے بارش کی دعا بہتر ہے
قلزمِ رحمتِ باری نے کہا۔ بہتر ہے

حکم ابھی دے گئے ہیں خواب میں ہم کو نانا
پیر کو جائیں گے صحرا میں۔ پئے استسقا[1]
ملک میں کر دے یہ اعلان کہ اے خلقِ خدا
رت بدل جائے گی، دو دن میں بہ فضلِ مولا
دل میں ارماں جو کسی کے ہو نکل جائے وہ
پرسوں ہم جائیں گے۔ دعویٰ ہو تو کل جائے وہ

[1] طلب باراں کی نماز

گرگئی گشت جو ہر کوچہ و برزن میں خبر | دھاک سی بیٹھ گئی بیر کی، بے پیروں پر
جان میں جان پڑی، شاد ہوئے اہلِ نظر | ناگہاں، صلِّ علیٰ، آئی دوشنبے کی سحر

شوقِ منظر میں اُدھر مہر کی طلعت نکلی
اور اِدھر شانِ رسالت سے امامت نکلی

رخ تھا صحرا کی طرف، تھے رفقا بھی ہمراہ | سر جھکائے ہوئے تسلیم و رضا بھی ہمراہ
گردشِ ارض بھی۔ تقویمِ سما بھی ہمراہ | تھے علی ساتھ۔ نبی ساتھ۔ خدا بھی ہمراہ

اپنے لشکر کو مشیّت جو لیے جاتی تھی
عرش سے فرش سے آوازِ درود آتی تھی

یہ دعا کو چلے۔ آمین کو اسلام چلا | صاحبِ وحی کی تائید سے الہام چلا
راکبِ دوشِ محمدؐ کا جو گلفام چلا | مثلِ جبریلِ امیں، رخشِ سبک گام چلا

لامکاں تک جو فلک سیر کا چرچا پہنچا
ٹاپ ماری تو وہیں بابِ قبول آ پہنچا

خضر نے بڑھ کے جو سبزے کا مصلّیٰ کھولا | دستِ رحمت نے درِ عرشِ معلّیٰ کھولا
کھل کے قرآن نے ذکرِ "فتجلّی"ؔ کھولا | قدرتِ رب نے حجابِ فتدلّیٰؔ کھولا

قابَ قوسین کو طاعت کا اِدھر پیک چلا
رعد اُس سمت سے کہتا ہوا لبیک چلا

اٹھی کعبے سے گھٹا جھوم کے آئے بادل | بھر کے زمزم سے یمِ رحمتِ حق کی چھاگل
تیرگی کا جو لگا چشمِ فضا میں کاجل | دوڑ کر ابر نے بجلی کی جلا دی مشعل

غل اٹھا عدلِ امامت کا یہ منظر دیکھو
برق کی شمع ہے پانی میں منوّر دیکھو

ے فتجلّی لہ ربہ، یعنی موسیٰ کو اللہ نے اپنا جلوہ دکھایا۔

عہ جب حضور عرش کے قریب پہنچے تو جھکے

پہنچ گیا غل کہ خراسان کے اے دیدہ ورو!
بھیگنے کا ہے سماں، بھاگنے کی فکر کرو
ہنس کے بولے شہِ ذی جود کہ اے کم نظرو
یہ گھٹائیں نہیں برسیں گی تم ان سے نہ ڈرو

رعد کے ڈھول جو ساتھ ان کے ہیں بجتے آئے
یہ تو کم ظرف ہیں بادل جو گرجتے آئے

بسکہ دس بار، وہ بادل یونہیں آ کے ٹلے
ٹھنڈی ٹھنڈی جو ہوا آئی تو حُسّاد جلے
بھاگنے کی جنھیں عادت تھی ڈرے۔ بھاگ چلے
ہیبتِ برق سے بعضوں کے تو منکے بھی ڈھلے

آپ کہتے رہے ٹھہرو یہ نہ اب برسیں گے
جب رضا گھر میں پہنچ جائے گا تب برسیں گے"

درِ دولت کے جو پاس آئے امیرِ زمزم
اک پھوار آئی۔ برسنے لگے بادل کم کم
دل پکار اٹھے سبھی کے کہ یہ برسیں جم جم
پھر تو برسات ہوئی خوب جھما جھم جھم جھم

یوں دکھانے لگا کوثر کی روانی پانی
دشمنِ آل ہوئے شرم سے پانی پانی

کھل اٹھی خلق کہ اندازِ رسالت یہ ہے
حق کی تائید، محمدؐ کی عنایت یہ ہے
کیوں نہ ہو، کیا کوئی خودساز خلافت یہ ہے
اب تو مانو کہ من اللہ امامت یہ ہے

نہ چلی ایک کسی شاہ و گدا کی مرضی
جو بھی مرضی ہے رضا کی وہ خدا کی مرضی

کر دیے بارشِ رحمت نے بیاباں شاداب
قحط پر اوس پڑی، آ گیا سبزے پہ شباب
یہ سماں۔ شانِ تصرف کا جو تھا لُبِّ لُباب
خود بخود اٹھنے لگی چہرۂ باطل سے نقاب

لوگ امامت میں رسالت کی جو خو پانے لگے
وسوسے دل میں خلافت کے خلاف آنے لگے

"یہ خلیفہ ہے الٰہی ترا نائب کیسا! | جو کسی اور کا محتاج ہو ابہرِ دعا
مور چھل جھلتے ہیں خدام اسے صبح و مسا | اُن کے تن پر نہ مگس کو کبھی بیٹھے دیکھا
خاص دربار کی باتیں یہ چھپا دیتا ہے
وہ بتا دیتے ہیں۔ کون اُن کو بتا دیتا ہے

روکتے ٹوکتے ہر وقت ہیں اِس کو علما | اُن کو دیکھو تو وہ ہیں علم کے دریا گویا
چوبداروں سے ہے سب رعبِ حکومت اِس کا | اُن کا دربار ہے اجلالِ خدا اصلِ علیؑ!
مستِ احوال یہ ہے، محوِ وظیفہ وہ ہیں
حق تو یہ ہے کہ یہ غاصب ہے۔ خلیفہ وہ ہیں"

ان خیالات نے پایا جو بہ تدریج عموم | خَلق کا رہنے لگا بابِ امامت پہ ہجوم
مچ گئی چند ہی دن میں جو درِ علم کی دھوم | دارِ شاہی کی ہوئی شام۔ جلے حاسدِ شوم
اب جو بہتوں کو ادبِ شاہ کا ملحوظ نہ تھا
فکر و تشویش سے مامون بھی محفوظ نہ تھا

ایک ہمراز نے چپکے سے یہ خلوت میں کہا | کچھ خبر بھی ہے کہ چرچے ہیں خراساں میں کیا
تو رہے گا یونہیں خاموش تو اربابِ ولا | تخت پر اُن کو بٹھا دیں گے، یہ حق ہے جن کا
علم میں اُن کے برابر تو کسی طور نہیں
وہ محمدؐ کے نواسے ہیں کوئی اور نہیں

سیکڑوں ان کے محب، تیرے موالی دو چار | بند ہوں اُن کی زبانیں تو ملے دل کو قرار
ہے مہم سخت۔ مگر میں بھی ہوں اک کوہِ وقار | تو جو ملانے تو نہ ہوگا کوئی مانع زنہار
دیکھنا اب سرِ دربار میں کیا کرتا ہوں
کس طرح حقِ نمک آج ادا کرتا ہوں

اب جو دربار سجا، پرحشم و شوکت و شاں | ہر طرف نصب ہوئے رعب و جلالت کے نشاں
چوبدار ایسے کہ مرّیخ طلب گارِ اماں | جن کے ہاتھوں میں عصا ہیبتِ موسیٰ کا سماں

کون کہتا ہے کہ اسلام کا دربار یہ ہے
بزمِ فرعون ہے شدّاد کی سرکار یہ ہے

فرش قالین کے جن پر ہیں بنی زنجیریں | اور کہیں اُن کی بناوٹ میں اُبی شمشیریں
کہیں بپھرے ہوئے شیروں کی ہیں وہ تصویریں | ہیبتیں جن کی دلیروں کے کلیجے چیریں

اُن کی ہمتال جو ہوتی ہے رقم کاغذ پہ
شیر بن بن کے ٹہلتا ہے قلم کاغذ پر

اب وہ دربار بکھرتا نظر آتا ہے مجھے | ہر بشر چیخ کے مرتا نظر آتا ہے مجھے
تھا تھا۔ کانپتا۔ ڈرتا نظر آتا ہے سبھے | شیرِ قالین۔ بپھرتا نظر آتا ہے مجھے

کیا عجب سننے کو وہ۔ ذکر دلا آجائیں
دل بھی ہو شیر اگر شیر خدا آجائیں

مرحبا۔ صلِّ علیٰ رحمتِ باری آئی | درِ فردوس کھلا۔ بادِ بہاری آئی
ناز فرمانے کی مدّاح کے باری آئی | اسد اللہ کی جنّت سے سواری آئی

بہرِ تائیدِ سخن حق کے ولی آپہنچے
اب تو نعرے بھی ہوں اعلیٰ کہ علی آپہنچے

خامۂ حشر بہ کف اشہر کی رفتار دکھا | بزم میں منکرِ اعجاز کو تلوار دکھا
مدحِ حاضر کے لیے۔ غیب کے اسرار دکھا | چل خراسان میں ہلچل سرِ دربار دکھا

لو وہ مامون کبھی اس کے رفقا بھی آئے
شورِ صلوات پکارا کہ رضا بھی آئے

مسندِ خاص پہ بیٹھے جو امامِ مدنی | میکدے کے بڑھے، ذوقِ معارف کے دھنی
محوِ ارشاد و ہدایت ہوئے مولائے غنی | کی اسی شخص نے ناگاہ دریدہ دہنی

اٹھ کے بولا کہ رضا مجھ سے ذرا بات کرو
منھ سے اک بات نکالی ہے تو اثبات کرو

مدعی تم ہو خلافت کے۔ یہ عنوان ہے کیا | چھین لو تخت بلا فوج، یہ آسان ہے کیا
منّ و سلویٰ ہے کہ یہ بھی کوئی قرآن ہے کیا | کربلا بھول گئے۔ اور کچھ ارمان ہے کیا

ناز باراں پہ ہے اُس دن کے وہ ایسا کیا تھا
ابر برسا تھا کوئی ہُن تو نہیں برسا تھا

ایک تم ہی تو نہ تھے محوِ دعا میں تنہا | طالبِ رحمتِ باری تھے، سب ادنیٰ اعلیٰ
وہ کرامت تھی تمھاری کہ کرم خالق کا | مینھ برسنا تھا کہ منظورِ خدا تھا۔ برسا

مرجعِ ملّتِ بیضا جو کیا ہے تم کو
یہ شرف آج خلیفہ نے دیا ہے تم کو

مسکرا کر رشہِ دیں نے بہ متانت یہ کہا | یہ خیالات ہیں، آئینۂ فکرِ جہلا
حاکمِ مصر نے یوسف کو ملازم جو رکھا | کیا نبوت بھی انھیں دی تھی اسی نے؟ یہ بتا

کب بنانے سے ولی کوئی بنا کرتا ہے
یہ شرف وہ ہے کہ اللہ عطا کرتا ہے

بن گیا تیرِ شہابی، یہ مدلّل فقرا | رہ گیا جل کے جو ناری تو بھڑک کر بولا
کیا عبث بارشِ رحمت سے یہ باندھی ہے ہوا | پھر تو اعجاز دکھاؤ جو ہو اعجاز نما

شیرِ قالیں کو مرا خون پلاؤ تو سہی
سب کو دربار میں تصویر بناؤ تو سہی

مُلہمِ غیب پکارا کہ محمدؐ کے پسر | ہے کرامت ہی یہاں حملۂ منکر کی سپر
پھر تو اک مرتبہ بس ڈال کے بل ابرو پر | کی ہزبرِ اسد اللہ نے شیروں پہ نظر

سورما ڈر کے بقلب زبر و زیر اٹھے
ہمہمہ کر کے جو قالین سے دو شیر اٹھے

رہ گیا کانپ کے برجِ اسدِ چرخِ بریں | زلزلے آئے، سمٹنے جو لگی گاوِ زمیں
خوف سے بھاگ گئے، جن کے مذبذب تھے یقیں | یا علی ورد تھا جن کا، وہ کہیں کے تھے کہیں

جن سے ایمان نے پے شیر وہ گز تھے گویا
اُن کے نعرے تھے کہ حیدر کے رجز تھے گویا

عازمِ صید ہیں۔ پنجوں کا پکارا پھیلاؤ | ہو گیا حکم کہ ہاں دیر ہے کیا جست لگاؤ
منکرِ معجزۂ حق کو مزے سے کھا جاؤ | دم اسے لینے نہ دو۔ خون پیو۔ گوشت اڑاؤ

پھر تو مارا وہ طمانچہ کہ زبر زیر ہوئے
صید فربہ تھا کہ دو شیر شکم سیر ہوئے

یہ سماں دیکھ کے مامون گرا غش کھا کر | ہوش میں لائے اسے موسیِٔ دوراں کے پسر
شیر اب آ چکے تھے اپنی اسی ہیئت پر | اٹھ گیا بزم سے وہ۔ بیٹھ گیا دل میں جو ڈر

اک ہجوم اس کو لیے، قصرِ خلافت کو چلا
ضیغمِ شیرِ خدا بھی درِ دولت کو چلا

تھی خلیفہ کو یہ تشویش کہ اب کیا ہوگا | ان کو عہدے سے ہٹا دوں تو قیامت ہو بپا
اور بحال ان کو جو رکھوں تو مرا حشر ہو کیا | کیا کروں کیا نہ کروں، یہ بھی برا وہ بھی برا

لقمۂ تلخ ہے، کیونکر ہے نگلنا ممکن
پھر مزا یہ کہ نہیں منہ سے اگلنا ممکن

بے تشدد کا نہ موقع، نہ خوشامد کا محل
اس خلش میں اسے صبر و سکوں تھا اک پل
کر لیا فیصلہ آخر۔ جو مصمم، جو اٹل
کیجیے سنتِ اسلافِ خلافت پہ عمل
تھی سیاسی غلطی یہ کہ بہت عجلت کی
اپنی بیٹی کو کنیزی میں دیا حضرت کی

شورشیں ہو گئیں عباسیوں میں پھر تو بپا
چند ہی روز میں بغداد کا تختہ الٹا
اڑ گئے ہاتھوں کے طوطے، نہ رہے ہوش بجا
ناگہاں خواب میں اک وزیر دادی نے کہا
زہر تریاق ہے اب، اپنی حفاظت کے لیے
میں نے بھی بیٹے کو مارا تھا خلافت کے لیے

لب چباتا ہوا بستر سے اچانک اٹھا
کان میں چپکے سے کچھ ایک ملازم کے کہا
جلد آیا وہ طبق لے کے جو انگوروں کا
تب بلائے گئے مولائے غریب الغربا
لے کے مظلوم کو گھر سے جو سپاہی آئے
سر کھلے قبر سے محبوبِ الٰہی آئے

آ کے بیٹھا جو مسافر تو ستمگر نے کہا
کس قدر خوب یہ انگور ہیں کھائیں تو ذرا
چند دانے جو کیے نوش، جگر کٹنے لگا
اٹھے گھبرا کے تو پوچھا کہیں کیا جائیے گا
بولے مولا کہ بھلا اور کہاں جاتا ہوں
تو نے بھیجا ہے جہاں! اب میں وہاں جاتا ہوں

بزمِ ظالم سے چلے گھر کو جو ہو کر بے چین
روحِ زہرا بھی تھی ہمراہ، یہ کرتی ہوئی بین
ہائے اے میرے قمر۔ ہائے مرے نور العین
تجھکو میراثِ حسن مل گئی اے جانِ حسین
ہر جگہ لٹتی ہے دکھیا کی کمائی بابا
خون اگلتا ہے مرا لال۔ دوہائی بابا

روحِ بانو کی عجب کیا کہ یہ دیتی ہو ندا | ہائے ایران تری غیرتِ قومی ہوئی کیا
میرے میکے میں۔ مرے لال پہ یہ ظلم وجفا | شاہِ عادل! مرے دلبند کے انصاف کو آ

اپنے مظلوم مسافر سے چھٹی جاتی ہے
تیری پوتی تری سرحد میں لٹی جاتی ہے

دل کو پکڑے ہوئے ہاتھوں سے گھر آئے مولا | فرش پر لیٹ گئے۔ منتظرِ حکمِ خدا
تھا نہ غمخوار کوئی ، ایک ملازم کے سوا | شدّتِ سوزشِ دل میں نہ معالج نہ دوا

صفتِ طائرِ مجروح برابر تڑپے
زہر سے دل جو کٹا۔ صورتِ شبّر تڑپے

وہ بھی مسموم تھے ، اور یہ بھی ہیں مسموم۔ مگر | تھا وہاں زانوئے شبّیر پہ فرقِ شبّر
بہنیں تسکین کو موجود۔ تسلّی کو پسر | اپنے سب اہلِ وطن ، اپنے عزیز ، اپنا گھر

یاں وطن دور ، بہن ہے نہ کوئی بھائی ہے
نزع کا وقت ہے اور عالمِ تنہائی ہے

گو بہت دور وطن سے تھے حسین ابنِ علی | تھا نہ غمخوار بھی ان کا دمِ آخر کوئی
رونے والے تو مگر ان کے تھے موجود کئی | سر کھلے ہی سہی مقتل میں بہن تھی تو سہی

تھا یقیں غم میں مرے جان تو کھوئے گی بہن
فاطمہ لاش پہ اور ناقے پہ روئے گی بہن

تھا وہی عالمِ غربت میں رضا کا عالم | کربلا میں جو تھا کرب و بلا کا عالم
وہی تسلیم ، وہی صبر و رضا کا عالم | وہی تسبیح وہی ذکرِ خدا کا عالم

نقشِ توحید کو اس طرح مٹایا جائے
زہر اور ساقیِ کوثر کو پلایا جائے

وارثِ صابر و شاکر تھے جو راضی بہ رضا | موت سے تھا نہ ہراس اور نہ غمِ زہرِ جفا
پھر بھی احساس کا غربت کے عجب عالم تھا | یاد آتا تھا غریب الوطنی میں کیا کیا

کبھی شبیر کے روضے پہ نظر جاتی تھی
کان میں ہائے حسینا کی صدا آتی تھی

کبھی دادا کے نجف میں تھا کلیجہ پامال | کبھی دادی کے بقیعے کی جدائی میں نڈھال
کبھی بغداد میں بابا کی لحد پر بے حال | کبھی روضے سے پیمبر کے بچھڑنے کا ملال

در و دیوارِ مدینہ کبھی یاد آتے تھے
"ہائے نانا کا وطن" کہہ کے تڑپ جاتے تھے

شکل دیکھی نہ تھی پردیس میں جس بیٹے کی | اس کی تصویر بھی رہ رہ کے جگر ملتی تھی
دل میں ارماں تھے نگاہوں میں غمِ مایوسی | موت شہرگ کے قریب اور بہت دور تقی

یادِ فرزند دلِ زار کو برماتی تھی
جیسے صغرائے شہِ مظلوم کو یاد آتی تھی

دھیان آتا تھا کبھی کرب میں اس خواہر کا | صورتِ زینبِ کبریٰ تھی جو بھائی پہ فدا
سوچتے تھے کہ وہ ہوتیں تو یہ ان سے کہتا | ابھی کم سن ہے بھتیجا۔ اسے تم کو سونپا

سرپرست اس کی تمہیں میری جگہ پر اب ہو
یہ سمجھنا کہ یہ سجاد ہے تم زینب ہو

ان خیالاتِ غم انگیز میں پیہم جو گھرے | اشک آنکھوں سے بہے، ریشِ مبارک پہ گرے
کوفہ و شام کے بازار نگاہوں میں پھرے | موت نے تھام لیے تارِ رگِ جاں کے سرے

چل بسے گلشنِ ہستی سے ہمارے مولا
شہ کو روتے ہوئے دنیا سے سدھارے مولا

کون روتا، کوئی اپنا نہ پرایا تھا وہاں | ایک خادم تھا۔ ہوئے کے خبر وہ بھی رواں
بے کسی لاش پہ تا دیر رہی اشک فشاں | لوگ آئے تو سنی یہ کسی بی بی کی فغاں

میں فدا حق کے لیے جان کو کھونے والے
میرے پوتے مرے شبّیر کے رونے والے

سن کے یہ بین مچا اہل ولا میں کہرام | ظاہرا قاتلِ بے رحم بھی تھا بے آرام
حکم جاری ہوئے شاہی پئے تدفینِ امام | ہو گئے غم میں سیہ پوش۔ زن و مرد تمام

دل پہ ہر دوست، اٹھا کر غمِ تازہ اٹھّا
دھوم سے دلبرِ کاظم کا جنازہ اٹھّا

جس جگہ آپ نے آتے ہوئے خط کھینچا تھا | بعد تکرار، وہیں دفن ہوئے شاہِ ہدا
جب رکھا قبر میں میت کو تو سب نے دیکھا | سر کی جانب ہے سنبھالے ہوئے اک ماہ لقا

یوں جنازے پہ وہ رشکِ گلِ تر روتا ہے
جس طرح باپ کے ماتم میں پسر روتا ہے

پوچھتے نام و نشاں اس سے عزادار۔ مگر | ہو گئی بند لحد جب۔ تو نہ آیا وہ نظر
وہی خاتون جو روتی تھی وہاں میت پر | پھر کہیں سے سرِ تربت یہ پکاری رو کر

السلام اے مرے مظلوم غریب الغربا
مشہدِ پاک کے معصوم غریب الغربا

یاں ہوا فاطمہ کا لال عجم میں مسموم | اور وہاں کب سے مدینے میں بہن تھی مغموم
گو عزیزوں میں ہو ظاہر کا تعلق معدوم | دل کو ہو جاتا ہے سب حال کہیں سے معلوم

مضطرب تھی غمِ فرقت کے سفینے میں بہن
طوس میں بھائی تڑپتا تھا۔ مدینے میں بہن

نہ رہا ضبط کا یارا تو بہت تنگ آ کر | نکلیں اک قافلے کے ساتھ وطن سے باہر
وہ اُدھر گھر سے چلیں۔ اور بصد کرب اُدھر | طالبِ حق نے کیا۔ عالمِ فانی سے سفر
اب جو آسانیاں ہیں راہ میں، یہ جب تو نہ تھیں
تھک کے بیمار ہوئیں۔ یہ کوئی زینب تو نہ تھیں

دوپہر تھی کہ رفیقانِ سفر سے یہ کہا | کوئی بستی ہو یہاں پاس۔ تو دم لیں گے ذرا
قافلے کا تھا جو سالار، وہ سن کر بولا | قُم ہے نزدیک۔ جہاں رہتے ہیں سب اہلِ وِلا
ان کی عورات جو بی بی کی خبر پائیں گی
پیشوائی کو بصد شوق یہیں آئیں گی

قُم کے اشراف کو پہنچائی نقیبوں نے خبر | تھا کئی دن سے وہاں سوگ رضا کا گھر گھر
بی بیاں بیٹھی تھیں مغموم صفِ ماتم پر | جب سنا۔ آئی ہیں مولائے جہاں کی خواہر
مچ گیا شور کہ خاتونِ زمن آتی ہیں
پیشوائی کو چلو۔ شہ کی بہن آتی ہیں

غل یہ مردوں میں ہوا۔ کوئی نہ باہر نکلے | طفل بھی نکلے تو نیہوڑائے ہوئے سر نکلے
بی بی بیمار ہیں۔ آواز بھی دب کر نکلے | نہ زباں سے خبرِ مرگِ برادر نکلے
عترتِ فاطمہ ہیں۔ صبر کی گو عادی ہیں
پھر بھی ملحوظ یہ رکھنا ہے کہ شہزادی ہیں

راستے ہو گئے مردوں سے جو خالی یکسر | بی بیاں گھر سے چلیں۔ اوڑھ کے برقع چادر
ابھی کچھ دور گئی تھیں کہ اٹھائی جو نظر | اک طرف گرد اٹھی، دوڑ کے پہنچیں یہ اُدھر
گوشے محمل کے نگاہوں نے بہم چوم لیے
بڑھ کے عورات نے ناقے کے قدم چوم لیے

رک گئی راہ میں بی بی کی سواری اک دم | عورتیں جوڑ کے ہاتھوں کو پکاریں باہم
لونڈیاں آئی ہیں تسلیم کو اے جُوئے کرم | دُور تک ایک بھی رستے میں نہیں نامحرم

اب سفر ختم ہے، راحت کا سرانجام کریں
اتریں محمل سے۔ چلیں گھر میں کچھ آرام کریں

یہ سخن سن کے محافے کا جو پردہ الٹا | اک عجب منظر جاں کاہ نظر سے گزرا
سب سیہ پوش ہیں۔ جیسے ہیں یہ اہلِ عزا | نصب کالے ہیں علم۔ دیکھ کے ماتھا ٹھنکا

جلد مہمان کدۂ اہلِ ولا میں آئیں
اپنا غم بھول گئیں۔ فکرِ رضا میں آئیں

صفِ ماتم کا وہاں بھی نظر آیا جو سماں | مضطرب ہو گئیں۔ پوچھا یہ بصد ضبطِ فغاں
بی بیو! کون سدھارا یہ سوئے باغِ جناں | ہائے یہ سوگ ہے کس کا۔ مرے بھائی ہیں کہاں

دل کو تسکین تو دو۔ حال سنا کر ان کا
ایک بی بی نے کہا طوس میں ہے گھر ان کا

آئی ہیں رنجِ سفر کر کے گوارا بی بی | کیجے کچھ دیر تو آرام خدارا بی بی
سرپرست ایک یہاں تھا جو ہمارا بی بی | ایک ظالم نے اسے زہر سے مارا بی بی

ہو کے بے چین یہ بولیں۔ نہ ستاؤ مجکو
تم کو زہرا کی قسم صاف بتاؤ مجکو

بی بیاں ہو گئیں بیتاب یہ فقرہ سن کر | چادریں پھینک دیں اور پیٹ لیے سینہ و سر
ہچکیاں بندھ گئیں۔ چلائیں بحالِ مضطر | صبر فرمائیں غریبُ الغربا کی خواہر

کہہ کے یہ پیٹ کے سر کھا کے پچھاڑیں دیں
پرسا دینے کے لیے مار کے دھاڑیں دیں

فاطمہ! آپ تو بی بی ہیں بڑی خوش قسمت | ہے شریک آپ کے بھائی کی عزا میں خلقت
ہائے اے زینبِ مظلوم تمھاری غربت | رونے بھی دیتی نہ تھی بھائی کے غم میں اُمت

گر کبھی لاشۂ سرور سے لپٹ جاتی تھیں
تازیانے عوضِ آہ و بکا کھاتی تھیں

بس نسیم اب جگر و قلب ہیں پارا پارا | نہ قلم کو ہے تحمل، نہ زباں کو یارا
دل ہیں راجع سوئے حق روتا ہے مجمع سارا | ہاں دعا کے لیے موزوں ہے یہی نظارہ

یا الٰہی ہوس و حرص فنا ہو جائیں
ہم تری راہ میں راضی بہ رضا ہو جائیں

عہدِ طفلی بھی عجب عالمِ القائی ہے
راست الہام سے ایک ایک ادا پائی ہے

حسن کی گود ہے۔ گہوارۂ رعنائی ہے
فصلِ گل ایک ہی غنچے میں سمٹ آئی ہے

عیب جوئی ہے نہ شامل نہ سخن چینی میں
کس قدر سادہ و بے رنگ ہے رنگینی میں

سو رہا ہے تو ہے سرمستیٔ ہشیار کا ڈھنگ
جاگتا ہے تو سراک خواب لطیف و خوش رنگ

شوخی و سادگی و خود نگری ہم آہنگ
کبھی خوش، اور کبھی تنگیٔ آغوش سے تنگ

رمز و ایما کی فصاحت ہے تکلم اس کا
حسنِ فطرت کا تبسم ہے تبسم اس کا

صاف ہے عارضِ نوخیز میں پھولوں کا نکھار
وہ جبیں نرم وہ نازک کہ پسینہ بھی ہو بار

گردشِ چشم میں وہ شاہدِ فطرت کا وقار
بشریت میں وہ جلوے کہ ملائک ہوں نثار

سر بسر آئنۂ عظمتِ قیوم ہے یہ
اس کی آنکھوں سے ٹپکتا ہے کہ معصوم ہے یہ

لاکھ نغموں کا خلاصہ ہے چہکنا اس کا
روشنی دیکھ کے ہر بار چمکنا اس کا

ذوقِ جلوہ کی سند چاند کو تکنا اس کا
صرف تکنا ہی نہیں، بلکہ ہمکنا اس کا

ضو جو بڑھ بڑھ کے ادھر چاند سا منہ چومتی ہے
اس کی قلقاریوں پر شمع کی لو جھومتی ہے

اس کی ہر سانس ہے اک عالمِ فردوسِ خیال
نہ کوئی حسرت و حرماں، نہ کوئی رنج و ملال
سب ہیں یکساں، سحر و شام ہوں یا وقتِ زوال
جب تو کہتے ہیں کہ طفلی ہے بہشتِ اطفال
کھیل میں مست بھی ہے، فکر سے محروم بھی ہے
یہ وہ دنیا ہے کہ محسوس کبھی موہوم بھی ہے

نبض، احساس کی ہوتی ہے اسی عہد میں تیز
اس کا ہر لمحہ سرشار ہے جذبات انگیز
بول مہمل بھی، ادھورے بھی لطافت آمیز
واہ کیا بات ہے اس گل کی جو گل ہو نوخیز
پاک جو گردِ تکلف سے جبیں ہوتی ہے
اپنی طفلی میں ہر اک چیز حسیں ہوتی ہے

برگِ گل سے بھی ہے یہ عہد کہیں نازک تر
منزلِ نوعِ بشر کا ہے یہ آغازِ سفر
اس کی فطرت میں نہ ہے کذب، نہ فتنہ ہے نہ شر
پاک ہوتا ہے ہر اک عیب سے طفلی میں بشر
اس کے ماتھے پہ ستاروں کی چمک ہوتی ہے
طفلِ سادہ میں فرشتے کی جھلک ہوتی ہے

قوتیں نشو و نما کی جو ہیں پنہاں اس میں
عالمِ غیب کی شمعیں ہیں فروزاں اس میں
فطرۃً دخل جو پاتا نہیں شیطاں اس میں
عکس ہوتا ہے ولایت کا درخشاں اس میں
نیک سے، بد سے، کسی سے بھی سروکار نہیں
مٹھیاں بند ہیں، دنیا کا طلب گار نہیں

ہے یہی عہد، تخیل کی جوانی کا نقیب
اس کی گفتار عجوبہ ہے، تو رفتار عجیب
نہ مفکر، نہ محقق، نہ مورخ، نہ ادیب
پھر بھی طینت کو ہر اک جوہرِ کردار نصیب
حال کی گود میں ماضی کا یہی حاصل ہے
طفلِ امروز ہی صورت گرِ مستقبل ہے

نہ ریا اس کی طبیعت میں نہ مکاری و غدر | امتیازاتِ زمانہ سے ہے پاک اس کا صدر
جو ہلال اس کی نظر میں، وہی تارہ، وہی بدر | ہر سحر عید جو اس کی ہے، تو ہر شب شبِ قدر

شیشۂ جاں پہ بہ تدریج نکھار آتا ہے
ضد بھی کرتا ہے یہ معصوم تو پیار آتا ہے

بچپنا آئنہ بردار ہے زیبائی کا | نقشِ اوّل ہے یہ انسان کی رعنائی کا
کارخانہ ہے، تفکر کی کبھی تنہائی کا | ذوق ڈھلتا ہے یہیں انجمن آرائی کا

رہ نمائی کا مسافر کی سہارا بن کر
یہی ذرّہ کبھی چمکے گا ستارا بن کر

تاکتا ہے کبھی جگنو کو کبھی تارے کو | پیار کرتا ہے ہر اک نور کے فوّارے کو
گھٹنیوں چلتا ہے جب چھوڑ کے گہوارے کو | لعل کے بدلے اٹھا لیتا ہے انگارے کو

یہ ادا اس کی جو قدرت کو پسند آتی ہے
یدِ بیضا کی قسم! معجزہ بن جاتی ہے

وہ بھی اک قلزمِ طفلی کا ہے درِّ نایاب | جس کا دعویٰ ہے یہ جھولے میں کہ اے شیخ و شاب
کلمۃ اللہ ہوں میں[1] حق نے مجھے دی ہے کتاب | وہ بھی اک طفل[2] ہے جو پیرِ حرم کا ہے شباب

گاہوارے میں ہے جو خیبر کے اژدر حیدر
لیں جو ہاتھوں پہ نبیؐ، علمِ نبی کا ہے در

پھر بھی طفلِ ادب زادۂ ماحولِ سلف | بڑھ کے آتے ہیں جو بچپن سے لڑکپن کی طرف
چمک اٹھتے ہیں فضائلِ صفتِ درِّ نجف | کم سنی میں بھی جواں سال ہیں یہ علم بکف

یک زباں ہو کے یہ سب سعد و شقی کہتے ہیں
ایسے ہی صاحبِ تقویٰ کو تقی کہتے ہیں

[1] حضرت عیسیٰ
[2] یعنی حضرت علیؓ جو کعبۃ اللہ میں پیدا ہوئے اور پھر جھولے میں وہ اژدھا چیرا جو ہلاک کرنے کے ارادے سے بڑھا تھا

جن کو بچپن میں ملی علم کی سند وہ تقی | باقرِ علم ہیں جن کے جدِ امجد وہ تقی
گھر میں حیدر کے جو ہیں نائبِ احمد وہ تقی | کہہ گئے اَوْسَطُنَا جن کو محمد وہ تقی

گر لقب پوچھو تو جوّاد ہیں اور قانع ہیں
گھر لٹا دیتے ہیں۔ اسراف سے بھی مانع ہیں

عمر نو سال کی ہے اور نہیں علم کی حد | کیوں نہ یکتائے جہاں ہوں کہ یہ ہیں نورِ احد
باپ اور باپ کے جد اُن کے بھی جد اُن کے بھی جد | سب ہیں منصوص من اللہ امامت میں سند

جد اعلیٰ وہ علی جن کا ہے پوتا بھی علی
خود محمد ہیں، علی باپ ہیں، بیٹا بھی علی

یہ ہے تاریخ نہیں واعظ و شاعر کا خیال | آپ اس عمر میں ہیں اپنے بزرگوں کی مثال
کیا تعجب جو محمد کا ملا جاہ و جلال | یہ مثل ہے کہ بہ عقل است بزرگی نہ بہ سال

سن بھی کم، قد بھی ہے کم، عرش سے اونچا سر ہے
پوتے جعفر کے ہیں، کنیت بھی ابوجعفر ہے

ے حضورؐ نے فرمایا: اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَ اَوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ وَ آخِرُنَا مُحَمَّدٌ فَکُلُّنَا مُحَمَّدٌ (یعنی ہمارے گھرانے میں پہلا محمدؐ (یعنی خود حضور) بھی محمد ہیں، درمیان کا محمد (یعنی امام محمد باقر اور امام محمد تقی) بھی محمد ہیں اور آخر کا محمد (یعنی امام مہدی) بھی محمد ہیں۔ پس ہم کل کے کل (علم و عمل میں) محمد ہیں۔

ے خدائے تعالیٰ کی طرف سے بذریعۂ نص (یعنی آیت یا حدیث قدسی) ملی ہوئی۔

ے یعنی امام زین العابدین (علی ابن الحسین)

ے یعنی امام علی رضا۔

ے امام جعفر صادقؑ

ے عام طور پر جو کنیت پڑھتے ہیں وہ درست نہیں اور جہلا کا روزمرہ ہے۔

ثعلبی کہتے ہیں یہ علم و عمل کے مظہر | صغر سن میں بھی ہیں سارے علما سے برتر
افقہُ النّاس نے بھی ان سے اگر لی ٹکر | کھول کر رکھ دیے قرآن کے انھوں نے دفتر

راز حق کتنے، گیے، یاد ہیں، گن کے دیکھو
نوح کے نو سو برس، نو برس ان کے دیکھو

طبری کی ہے یہ تحقیق کہ چشم بد دور | بچپنے میں بھی یہ رکھتے ہیں فضائل بھرپور
علم و خلق و عمل و معرفت و عزم و شعور | کل صفاتِ حسنہ میں منفرد ہیں حضور

غیر سادات مماثل نہیں، سادات نہیں
خیر ہی خیر ہے طینت میں فلاوات نہیں

شرع کی فرع بھی ہیں دین کی بنیاد بھی ہیں | حق بھی ہیں صدق بھی ہیں عدل بھی ہیں، داد بھی ہیں
مکتب گن کے پڑھے بھی ہیں سبق یاد بھی ہیں | عالمِ علم لدنی دم میلاد بھی ہیں

جب زباں ان کی کھلی عقدہ کشا کے گھر میں
آئے پڑھتے ہوئے قرآن رضا کے گھر میں

آج دسویں ہے رجب آئے کہاں ہے نوروز | مسندِ احمدِ مرسل کا نواں ہے نوروز
بڑھ کے آگے جو یہ حیرت نگراں ہے نوروز | بعد دو روز کے اک اور بھی ہاں ہے نوروز

آج یہ دھوم مچی ہے کہ تقی آتے ہیں
کل پکارے گا یہ کعبہ کہ علی آتے ہیں

ہیں پسندیدۂ معبود جو یہ عرش جناب | مرتضی بھی ہے لقب، تھا جو علی کا القاب
ان کی طفلی جو ہے یوسف کی جوانی کا جواب | شاہدِ شرع پہ آیا ہے زلیخا کا شباب

جامۂ نور سرِ نو دینِ کہن نے پہنا
نو لکھا ہار امامت کی دلھن نے پہنا

سہ میری طرف سے۔ خدا نے تعونے

حدیثِ قدسی میں ہے فرمایا کہ میری طرف سے عطا کیا ہوا علم۔

سن جو پائی ہے ورودِ مہِ زہرا کی خبر | چھپ گیا ساعتِ میلاد سے پہلے ہی قمر
وہ مدینہ، وہ شبِ جمعہ، وہ ہنگامِ سحر | وہ فرشتوں کے یہ نغمات، عقیدت پرور

طفلِ نوخیز بہ صد حسنِ شباب آیا ہے
حضرتِ خضر کی پیری کا جواب آیا ہے

یوں تو بے لفظوں کا یہ مثلِ علی ہیں قرآن | خاص اک وصف میں بالکل ہے یداللہ کی شان
ذوالعشیرہ میں نبی نے یہ کیا تھا اعلان | وہی نائب ہے مرا آج جو لائے ایمان

دس برس کے تھے علی جبکہ نیابت پائی
نو برس کے تھے تقی جبکہ امامت پائی

دستِ پُرعزم میں آئی جو امامت کی زمام | دفعۃً دعوتِ مامون کا آیا پیغام
تھا جو یہ علم کہ انکار کا بد ہے انجام | سوئے بغداد مدینے سے چلے شاہِ انام

سخت رستے، طلبِ خیر سے آسان ہوئے
مصلحت تھی کہ نہ مامون کے مہمان ہوئے

ایک دن چاشت کے ہنگامِ میانِ بغداد | کھیل میں محو تھے اطفالِ کثیرُ التعداد
پاس ہی اُن کے تھے استادہ تقیِ جوّاد | منتظر جیسے کسی بد کا کوئی نیک نہاد

اس سے آگاہ تھے جو پیش تھا آنے والا
اک جفا کیش و بد اندیش تھا آنے والا

ناگہاں دم میں خلیفہ کا جلوس آ پہنچا | دم بدم طبل بجے، آئی دمادم کی صدا
نوبتِ حمد نہ تکبیر، نہ کلمہ، نہ دعا | ہاں مگر ہل گئی نعروں سے نقیبوں کی فضا

دنیوی جاہ پکارا کہ سواری آئی
گل اعجازِ تقی کھلنے کی باری آئی

سه کہتے کی وہ دعوت جو حضور نے بعد بعثت کی تھی

گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے جو لشکر کے سوار | دل لرزنے لگے ٹاپوں کی دھمک سے اک بار
طفل جو کھیل رہے تھے نہ رہا ان کو قرار | شانِ اسلاف کے وارث تھے ہوئے سب فرار

نہ وہ مجمع تھا سلامت، نہ وہ دفتر قائم
اک تقی قطب کی صورت تھے جگہ پر قائم

نظمِ شارع میں پڑا غل سے نقیبوں کے خلل | موجۂ موکبِ شاہی نے مچادی ہلچل
آپ طوفان میں نعروں کے تھے اس طرح اٹل | جس طرح سیلِ بلاخیز کے سینے پہ کنول

وقت کہتا تھا یہ ٹلنے کے کسی طور نہیں
وارثِ فاتحِ خیبر ہیں کوئی اور نہیں

دیکھ کر اس گلِ نوخیز کا یہ کرّوفر | رک گیا راہ میں مامون۔ پکارا بڑھ کر
تم نہ کیوں بھاگ گئے، خوف ہے نہ کم کو خطر | ہنس کے بولے: بجز اللہ کسی کا نہیں ڈر

راستہ تنگ نہیں تھا کہ سمٹ کر ہٹتا
نہ کوئی جرم کیا تھا کہ یہ کٹ کر ہٹتا

سن کے یہ بھول گیا اپنا وہ سب جاہ و جلال | پوچھا اے طفلِ اُولوالعزم مہ اوجِ کمال
تم نہ کیوں کھیل میں شامل تھے میانِ اطفال | آپ بولے کہ نہیں علم کے شایاں یہ سوال

یہ چمن جس کا ثمر کچھ بجز اعمال نہیں
معرفت گاہ ہے۔ بازیچۂ اطفال نہیں

رہ گیا سن کے یہ مامون جو ہر تا بکا | دل پکارا کہ یہ معصوم ہے دُھن کا پکا
ہوک سی دل میں اٹھی، ابر کا جیسے لکا | کچھ چلا سوچ کے قسمت نے دیا جو دھکا

چلا جب تو ہر اک عزم و جلال زید چلا
دل دیا آپ کے پنجے میں، بے صید چلا

سہ راستہ،
شرک

امتحاں کا کبھی شوق اور کبھی دل میں خجل | تھے وہ جذبات کہ احساس نہایت مشکل
تھا اِدھر علمِ لدُنی جو تقی کو حاصل | آپ ٹھہرے تھے وہیں منتظرِ مستقبل

اُس طرف کس کے خیالات کا گھوڑا اُس نے
بازی آغاز جو کی، باز کو چھوڑا اُس نے

دور تک اڑ کے گیا کچھ نہ فضا میں پایا | کبھی ڈوبا، کبھی ابھرا، کبھی چکّر کھایا
پھر نگاہوں سے چھپا۔ دیر میں واپس آیا | بھر کے منقار میں اک بچّۂ ماہی لایا

لے کے اس تحفۂ غیبی کو جو مامون چلا
عرش سے بہرِ تقی وحی کا مضمون چلا

وہ بھی، اور اس کے سپاہی بھی، بہ صد جاہ و جلال | پھر وہیں آئے، جہاں کھیل رہے تھے اطفال
حسبِ معمول ہوا ہو گئے سب مائی کے لال | اور تقی کو وہ متانت تھے بہ صد استقلال

لے کے عظمت کے نشاناتِ جلی آئے تھے
بھیس میں آج محمد کے علی آئے تھے

تھے جہاں آپ، وہیں آن کے مامون رکا | لے کے مٹھی میں وہ ماہی، یہ تقی سے پوچھا
اب بتاؤ تو سہی، ہے یہ مرے ہاتھ میں کیا | سن کے یہ کوثرِ الہامِ امامت ابلا

لب کھلے، کشف و کرامات کا عنوان کھلا
مصحفِ ناطقِ اعجاز کا جزدان کھلا

جوہرِ کانِ نجف، یوں ہوئے گوہر افشاں | سحر و شام جو قدرت کے سمندر میں رواں
مچھلیاں ان کی پکڑ کر میں پرندے پرّاں | باز، جانباز جو ہیں چھین کے لاتے ہیں یہاں

شاہ مٹھی میں انھیں بند کیا کرتے ہیں
امتحان آلِ محمدؐ کا لیا کرتے ہیں

بازو باہی کا سنا حال جو اس نے یکسر | اڑ گئے ہاتھوں کے طوطے۔ یہ کہا گھبرا کر
آپ کیا آلِ محمدؐ ہیں؟ تو کس کے ہیں پسر | بولے مہمان ہے تیرا یہ رضا کا دلبر
میں محمدؐ ہوں۔ مجھے لوگ تقی کہتے ہیں
میرے نانا کو نبیؐ۔ جد کو علیؑ کہتے ہیں

پھر تو دل کھول کے وہ جانِ پیمبرؐ سے ملا | اپنے انداز میں اظہار کیا جوشِ ولا
رخ سے ظاہر تو ہوئی آئینۂ دل کی جِلا | کیا خبر، غنچۂ خاطر بھی کھلا، یا نہ کھلا
آپ کو ساتھ لیا گھر میں سفر سے آیا
مل گیا راہ میں قرآن، اسے لے آیا

چند دن آپ کی خدمت سے رہا بہرہ ور | دیکھے، اور پرکھے بھی۔ علم و عمل و فکر و نظر
متقاضی تھی سیاست یہ مگر شام و سحر | یہ محمدؐ ہیں انھیں باندھ لو بیٹی دے کر
عقل اس دام خیالات میں جب پھنستی تھی
اس کی تدبیر پہ تقدیرِ ازل ہنستی تھی

گھر سے یہ عزم چلا۔ کنبے میں پہنچا گھر گھر | وفد آ آ کے یہ کہنے لگے۔ ایسا تو نہ کر
وہ یہ کہتا تھا۔ رکھو دل سے بھروسا مجھ پر | پیکرِ فکر و تدبر ہے مری نورِ نظر
خاندانی حشم و جاہ کی وہ پیاسی ہے
اک نیا رنگ دکھائے گی کہ عباسی ہے

ان کا کہنا۔ کہ ہے یہ بات بھی حیرت انگیز | آپ اک افقہِ عالم ہیں، یہ طفلِ نوخیز
اُس کا یہ قول۔ کہ میداں میں ہو، کس میں پائے گریز | پرِ جبریل سے بھی ذہنِ رسا ان کا ہے تیز
منعقد بزم ہو۔ سب غور و تامل کر لیں
جتنے عالم ہیں۔ کُل آجائیں تقابل کر لیں

دل میں یہ سن کے تو اک نشتر دل دوز گڑا | بات معقول تھی راضی نہیں ہونا ہی پڑا
چپ ہوا وہ بھی۔ جو پہلے تھا بہت ضد پہ اڑا | نامزد اس کو کیا سب سے جو عالم تھا بڑا
جس کا ان مردہ دلوں میں تو لقب تھا یحییٰ
سامنے علمِ امامت کے مگر لا یحییٰ

حکمِ شاہی سے ہوئی نصب جو میزانِ علوم | بزم کانٹے کی تھی یہ، مچ گئی بغداد میں دھوم
وقت پر جائے مقرر میں ہوا ایک ہجوم | جس میں تو سو علما اور جہلا نامعلوم
مجمعِ عام تھا داناؤں کا نادانوں کا
اک سمندر تھا ابلتا ہوا انسانوں کا

ایک صف میں علمائے متعدد بیٹھے | آگے یحییٰ۔ صفتِ کلمۂ مفرد بیٹھے
سامنے عامل و حاکم سرِ مسند بیٹھے | صدرِ محفل کی جگہ جم کے محمدؑ بیٹھے
بزم میں کھنچ کے جو اک جمِّ غفیر آ پہنچا
دیکھنے کو یہ سماں لطفِ غدیر آ پہنچا

چشمِ یحییٰ سرِ محفل جو اٹھی سوئے تقی | اب یہ جانا کہ ہے پیری کے مقابل طفلی
ان کے رخ سے جو ٹپکتا تھا جلالِ علوی | سر جھکا۔ قلب جھکا۔ روح جھکی آنکھ جھکی
پختہ سالی کا مگر دل میں غرور آنے لگا
فتح کی خام خیالی کا سرور آنے لگا

دل میں سوچا کہ یہ معصوم ہیں سیدھے سادے | طے کیے ہوں گے عبادات کے شاید جادے
ان کو معلوم ہی کیا۔ ہیں ابھی صاحبزادے | جو نہ طفلی سے اٹھے۔ بوجھ اک ایسا لا دے
ذکرِ طاعت کا نہ کفار کی پیکاروں کا
مسئلہ پوچھیے احرام کے کفاروں کا

؎ امام محمد تقیؑ

باندھ کر ہاتھ کیا اس نے خلیفہ سے خطاب | ہو اجازت تو میں پوچھوں کوئی بات ان سے جناب
بولا مامون۔ کہ موجود ہیں خود عرش مآب | دیں اجازت تو سوال ان سے بھی کر سن بھی جواب

بولے حضرت۔ کہ نہ کچھ دل میں خیال آپ کریں
وارث شاہ سلونی ہوں سوال آپ کریں

اذن پایا تو مڑا سوئے تقی وہ اک بار | یہ نجی نظروں سے کہا جب ہوئیں آنکھیں چار
کرلیا باندھ کے احرام کسی نے جو شکار | حکم کیا اس کا ہے اے جانِ رسولِ ابرار

سن کے یہ جہل فقرہ جو عجب حال ہوا
غیرت علم کو غیظ آگیا۔ منھ لال ہوا

ایک ہی سانس میں مولا ہوئے یوں گوہر بار | یہ سخن لغو ہے۔ اے شیخِ عبا و دستار
حِل میں تھا وہ کہ حرم میں یہ کیا جس نے شکار | شرع کے حکم سے واقف تھا۔ کہ ناواقفِ کار

جانور تھا کہ کوئی طیرِ چمن صید کیا
تیر دھوکے سے لگا۔ یا عمداً صید کیا

بندۂ حر تھا کوئی۔ یا وہ کسی کا تھا غلام | تھا بھی بالغ۔ کہ نہ تھی حدِ بلوغ اس کی تمام
بارِ اول تھا یہ عصیان۔ کہ تکرارِ حرام | تھا پشیمان و خجل بھی کہ شقی و ناکام

حج کا احرام تھا باندھے ہوئے۔ یا عمرے کا
اک جدا حکم ہے ان میں سے ہر اک زمرے کا

مسئلے کی جو شقیں مصحف ناطق سے سنیں | ہو گئے دنگ وہ نو سو علما، بزم نشیں
محو ارشادِ امامت تھا ہر اک اہلِ یقیں | خندہ رو وہ بھی تھے اب پہلے جو تھے چیں بجبیں

شور تھا حضر ہیں یہ سارے زمانے کے لیے
یہ شرف ہے تو فقط ان کے گھرانے کے لیے

سه حضرت علی نے سرِ منبر فرمایا سلونی قبل ان تفقدونی، یعنی اس سے پہلے کہ تم مجھے کھو دو مجھ سے جو چاہو پوچھ لو۔ حد: اس مقام سے باہر جو حرم کہلاتا ہے اور وہاں شکار حلال ہے۔

بات یحییٰ کی جو تھی مغز سے خالی بے تک | عرقِ شرم سے لبریز ہوا ظرفِ تنگ
ذکر اوروں کا تو کیا۔ اپنی نظر میں تھا سُبک | خود ضمیر اس کا یہ کہتا تھا کہ جھک پاؤں پہ جھک

دم بدم اپنی جہالت پہ جو شرماتا تھا
ایک رنگ آتا تھا چہرے پہ، اور اک جاتا تھا

رخ پہ آثارِ شکست ایسے کہ تھی گنگ زباں | ہاتھ ماتھے پہ رکھے۔ سوئے زمیں تھا نگراں
کر کے اندازۂ کیفیتِ شیخِ دوراں | بولا حضرت سے یہ مامون۔ کہ جانِ قرآں

آپ اب حکم بھی ہر شق کا خود ارشاد کریں
یہ سبق جب بھی سنیں۔ طالبِ حق یاد کریں

صدفِ علم و لیقیں اب ہوئے یوں گوہر بار | حِل میں باندھے ہوئے احرام کیا ہے جو شکار
ہو پرندہ وہ اگر۔ وہ بھی بڑا اور طیّار | ایک بکری جو کرے ذبح تو ہلکا ہو یہ بار

گر حرم میں اُسی طائر کے ہوا ہے درپے
بکریاں دو ہیں۔ مگر ایک ہی دم بے در پے

حِل میں چھوٹے سے پرندے کو کیا صید اگر | ایک بزغالہ[1] کرے ذبح وہ مادہ ہو کہ نر
سبزیاں کھاتا ہو اب، دودھ نہ پیتا ہو مگر | ہو یہی فعل حرم میں تو ہے تاوانِ دِگر

ذبح دنبہ بھی کرے گھر میں ہو یا گلّے میں
فرض بھر قیمتِ طائر بھی ہے دُم چھلّے میں

اور اگر صید کیا ہے کسی چوپائے کا | گائے اک ذبح کرے بہرِ حمارِ صحرا[2]
ہو شتر مرغ۔ تو اک اونٹ۔ ہرن تو دُنبا | حِل کے احکام ہیں یہ۔ اب حرمِ پاک کا سُنا

چاہے زخمی نہ مرے تیر اگر مارا بھی
دونا ہو جائے گا عصیاں بھی۔ کفّارا بھی

[2] جنگلی گدھا

[1] بکری کا بچّہ

پھر جو احرام تھا عمرے کا تو یہ کفارے | لائے جائیں حرمِ خاص کی حدیں سارے
ارضِ مکہ پہ یہیں، اُن کے ہوں گے دھارے | حج کا احرام اگر ہو تو نہ ہمت ہارے
جانور لے کے ذبیحے کی بنا ہیں جائے
بہرِ قربانیِ مفروض۔ منا میں جائے

ایک ہیں عالم و جاہل کے لیے یہ احکام | بارِ عصیاں بھی ہے۔ قصداً ہو جو یہ فعلِ حرام
ذمہ دار اس کا ہے مالک، جو ہو صیاد غلام | غیرِ بالغ کا ہے بے داغ لباسِ احرام
جس نے کفارہ دیا۔ سمجھو مسلمان ہے وہ
ضد کرے جو۔ تو کھلی بات ہے شیطان ہے وہ

مُتلاطم تھا معارف کا جو بحرِ زخّار | ڈر کے چھٹے ہوئے ساحل سے تھے سارے خس و خار
ایک مدت سے جو تھا علم میں یحییٰ کا وقار | اڑ گیا سب؛ وہ فضا میں صفتِ گرد و غبار
خوب پچیس برس قوم کو بہکایا تھا
آج لمحات نہ گزرے کہ زوال آیا تھا

کر چکا تھا وہ زکاتوں کا نصاب اور سے اور | خمس متروک تھا۔ ترکے کا حساب اور سے اور
مسئلے اور مسائل کے جواب اور سے اور | کون مانع تھا جو ہو جاتی کتاب اور سے اور
رخ اُدھر ہوتا تھا سب کا وہ جدھر مڑتا تھا
بے تکان اس کے قیاسوں کا براق اڑتا تھا

رہ نما کُل علما کا بھی جو تھا وہ جاہل | ہو گیا سب وہ اثر چشم زدن میں زائل
اس کا جادو جو تھی آج نہ کرتے باطل | پھر تو وہ جہل ہی سب دین میں ہوتا شامل
بحث اِس سے بھی نہیں صرف کہ جب کیا ہوتا
یہ امامت جو نہ ہوتی تو پھر اب کیا ہوتا

تھا جو یحییٰ کے تنزل میں سیاسی مقصد | کہ دیں اُس کی تھی، خلیفہ کی مخالف جدوکد
عرض کی اس نے یہ حضرت سے کہ اے نورِ صمد | آپ بھی پوچھ لیں کچھ ان سے رہے تا کہ سند

سن کے یہ وارثِ شانِ جدِ امجدا ٹھے
صولتِ احمدؑ و حیدرؑ سے محمدؑ اٹھے

مڑ کے یحییٰ کی طرف بولے بہ صد حشمت و جاہ | ہم بھی کچھ پوچھ لیں حضرت سے۔ کہا بسم اللہ
عرض کر دوں گا جواب اس کا جو دی طبع نے راہ | ورنہ خود راہ دکھا دیں۔ خضرِ دینِ اللہ

یاد قرآن بھی ہے۔ واقفِ تفسیر بھی ہوں
حافظہ میرا ہے کمزور، پھر اب پیر بھی ہوں

مسکرا کر یہ کیا شرع کے وارث نے سوال | آج کی صبح سے کل صبح تلک بے اشکال
اک رجل کے لیے ہے ایک زنِ نیک افعال | چار دفعات حرام۔ اتنی ہی دفعات حلال

ایسے حالات ہوئے کیوں کسی گھر میں پیدا
آٹھ شکلیں ہوئیں چوبیس پہر میں پیدا

سٹی بھول گئی۔ سن کے یہ حضرت کا سوال | سانپ سا سونگھ گیا جیسے یہ تھا شیخ کا حال
زرد رُو۔ سر بگریبان۔ جگر خون۔ نڈھال | تو سنِ جہل کی ٹاپوں سے کلیجہ پامال

مچ گیا غل کہ قرار اب نہیں دل شاد کریں
کیا یہ بتلائے گا کچھ۔ آپ ہی ارشاد کریں

یہ طلب عام ہوئی جب۔ تو پکارے یہ تقی | لو سنو۔ تھی وہ زنِ نیک کسی کی لونڈی
صبح اک غیر نے دیکھا تو حرام اُس پر تھی | دن چڑھے اس کو خریدا۔ تو حلال اب وہ ہوئی

ظہر کا وقت جو آیا۔ اسے آزاد کیا
عصر کا وقت ہوا۔ عقد سے دل شاد کیا

رات آئی تو کیا ہو کے خفا اس نے ظہار[۱] | پھر حرام اس پہ ہوئی اب وہ زنِ نیک شعار
اس کا کفارہ دیا وقتِ عشا جب اک بار | پھر وہ شوہر تھا یہ زوجہ تھی شریعت بہ کنار
گو کہ دل آئینہ ہوتے ہیں بڑی دیر کے بعد
ہو گئی پھر بھی حلال اتنے الٹ پھیر کے بعد

نصف شب میں اسے دے دی جو طلاقِ رجعی[۲] | خارج از عقد ہوئی۔ گھر میں مگر اس کے رہی
صبح ہوتے ہوئے جب نیتِ رجعت کر لی | پھر وہی تھے زن و شوہر۔ سحر و شام وہی
مسئلہ حل جو ہوا خلقِ خدا جھوم گئی
شورِ "احسنت" سے، وہ اٹھا کہ فضا جھوم گئی

یہ سماں دیکھ کے مامون اٹھا اور کہا | ایُّہا النّاس ابھی بزم سے اٹھنا نہ ذرا
میری بیٹی جو ہے علم اور ہنر میں یکتا | عقد آج اس کا ابھی۔ اور انھیں سے ہوگا
بڑھ کے حضرت سے کوئی حضرتِ راست نہیں
ہے یہ درخواست کہ محفل ابھی برخاست نہیں

حمدِ باری سے ہوا عقد کا خطبہ آغاز | آ گئی حسنِ قرارت سے نبیؐ کی آواز
ایسے ایجاب و قبول اور نہ کہیں یہ انداز | مچ گئی دھوم کہ زوجین کی ہو عمر دراز
ہو مبارک تجھے شوہر وہ ملا اُمِّ الفضل
کُلِّ ایماں کا جگر، ختم ہیں جن پر کل فضل

شاد سب ہو کے اٹھے۔ لے کے چلے شیرینی | نہ تصنّع، نہ تکلّف، نہ کوئی رنگینی
باوجود اُسوۂ شاہی کے فضا تھی دینی | مستحب عطر کی مہکار تھی، بھینی بھینی
قصرِ دولت میں جو سرتاجِ امامت آیا
لے کے بتخانے میں اک لشکرِ رحمت آیا

ع۱ بی بی سے یہ کہنا کہ تیری پشت میری ماں کی پشت کے مثل ہے۔
ع۱ راہ دا

ع۲ وہ طلاق جس میں یہ نیت ہو کہ دل چاہا تو عدۃ گزرنے سے پہلے پھر رجوع کرے گا۔

قصرِ شاہی میں دس اک روز گزارے لگ بھگ
پر پھڑکتی رہی پیہم علوی فقر کی رگ
اک کرایے کا مکاں لے کے رہے سب سے الگ
دل تھا یثرب میں۔ جو ہے خاتمِ اسلام کا نگ

گُل امید چٹکنے کی جو باری آئی
پھر مدینے میں محمد کی سواری آئی

گو کہ زوجہ تھی شہنشاہِ جہاں کی دختر
پھر بھی کرتے رہے یہ فقرِ محمدؐ میں بسر
وہی مسجد نبوی، اور وہی جد کا منبر
وہی لوٹا ہوا گھر جس کا لقب علم کا در

آج اسی شان سے اس گھر میں تقی رہتے تھے
جس طرح دو سو برس پہلے علی رہتے تھے

ہدفِ ظلم سیاست جو نہ تھے شام و سحر
خدمتِ خلق کے ماحول میں ہوتی تھی بسر
سونا سونا سا جو وارث کے نہ ہونے سے تھا گھر
عقد اک اور کیا۔ حسبِ مفادِ کوثر

یہ وہی بات تھی۔ ایسے میں جو ہوتی آئی
گھر میں عمارِ جگر دار کی پوتی آئی

ماں وہ بیٹے کی ہوئیں جب تو کھلی دل کی کلی
رخ سے فرزند کے آثارِ امامت تھے جلی
دل پکارا۔ کہ ولی باپ کا بیٹا بھی ولی
اے محمد ترے گھر آئے ہیں جو تھے یہ علی

جن کے دم سے ہے امامت کی کرامت قائم
جن کے قائم سے جہاں تا بہ قیامت قائم

شاد تھے سب کہ چلا حیدرِ کرار کا نام
خواب و خور دخترِ مامون کا لیکن تھا حرام
باپ کو اپنے شکایت کے جو بھیجے پیغام
اس نے ڈانٹا۔ کہ یہ کیا سوچ ہے کیا فکر ہے خام

میں کوئی حق کی شریعت کو بدل سکتا ہوں
یا علی ہوں، تری قسمت کو بدل سکتا ہوں

باپ کے پاس سے آیا جو یہ دو ٹوک جواب | خون کا گھونٹ پیا۔ رہ گئی ہو کر بیتاب
جب ہوئے رحلتِ ماموں کے پیدا اسباب | معتصم کو یہ لکھا خط۔ مری حالت ہے خراب
اُس طرف سے نہ اگر جلد مدد آئے گی
اے چچا جان! مری جان چلی جائے گی

تھا یہ وہ دَور کہ مشغول تھے حد درجہ امام | جا چکا تھا اثرِ رشد و ہدایت تا شام
معتصم کو بھی تھے معلوم یہ حالات تمام | پڑھ کے خط۔ ان پہ بغاوت کا لگایا الزام
شیر تھا خواب میں۔ صیاد نے جب صید کیا
قبرِ سجاد پہ۔ شب میں انھیں قید کیا

ہائے یہ کر نہ سکے قبرِ نبیؐ کو بھی سلام | کہہ سکے جد سے نہ اتنا بھی۔ کہ مولائے انام
ہم کو معلوم ہے جو قید میں ہو گا انجام | اب نہ آئے گا مدینے میں پلٹ کر یہ غلام
دشمنِ جاں ہوئی بے وجہ خدائی نانا
ظلم تو دیکھیے امّت کے۔ دوہائی نانا

قبرِ سجاد پہ یہ کہنے کو دل تھا بے چین | کشتۂ خنجرِ بیداد کے اے نورِ عین
بیڑیاں آپ نے پہنی تھیں دمِ شیون و شین | ہم بھی اب بستۂ زنجیر ہیں اے جانِ حسین
آپ واقف تھے کہ ہم چھوٹ کے گھر جائیں گے
ہم ہیں واقف کہ وہیں قید میں مر جائیں گے

بضعۂ قلبِ پیمبر کی لحد سے گزرے | یاس سے دیکھتے شبّر کی لحد سے گزرے
رو دیے۔ عابدِ مضطر کی لحد سے گزرے | آہ کی۔ باقر و جعفر کی لحد سے گزرے
آخری بار زیارت کی اجازت نہ ملی
ان مزاروں سے بھی رخصت کی اجازت نہ ملی

تھا وہ ذی الحجہ کا مہینہ کہ ہوا جب یہ ستم — غم یہ تھا۔ اب کی محرم میں کہاں ہونگے ہم
قید میں بزم بپا کر کے منائیں کے جو غم — طوق گردن میں ہے کس طرح کریں گے ماتم

یہ شقی لاکھ ہمیں رونے پہ ایذا دیں گے
اپنی دادی کو تو ہر حال میں پرسا دیں گے

راہ میں تھے۔ کہ محرم کا بڑا چاند نظر — دل پہ وہ چوٹ لگی۔ شمر کا جیسے خنجر
آ گیا یاد۔ وہ مظلوم، وہ کنبہ، وہ سفر — دیکھ کر چاند وہ صابر کی دعا رو رو کر

راہ میں اپنی یہ توفیق عطا کر یا رب
تجھ پہ قربان ہو پہلے مرا اکبر یا رب

یاد کر کر کے یہ حالات تڑپتا تھا جگر — خونِ دل پینے کو تھا۔ کھانے کو غم، شام و سحر
روتے روتے کبھی سوتے تھے جو یہ منزل پر — فاطمہ خواب میں آتی تھیں نظر برہنہ سر

ماں سے مل کر حسنِ سبز قبا روتے تھے
مرتضیٰ روتے تھے محبوبِ خدا روتے تھے

آنکھ کھل جاتی تھی ان سب کی جو سن کے فغاں — تا سحر رہتے تھے شبنم طرح اشک رواں
جب اذاں ہوتی تو یاد آتی تھی اکبر کی اذاں — اور بانو کا وہ زینب سے یہ پُر درد بیاں

آؤ بی بی مرے بچے کی صدا تو سن لو
آخری مرتبہ نانا کی ادا تو سن لو

روتے روتے کبھی بندھتی تھی جو ان کی ہچکی — جاگ اٹھتے تھے غم انگیز صدا سن کے شقی
ظلم ڈھاتے تھے کچھ ایسا کہ تڑپتے تھے نبی — تازیانوں سے کبھی اور سنانوں سے کبھی

صبر سے ظلم یہ سب کشتۂ غم سہتا تھا
اشک آنکھوں سے، تو پہلو سے لہو بہتا تھا

راستے بھر بین کرتے ہوئے مظلوم کو یاد | تھی محرم کی نویں جبکہ یہ پہنچے بغداد
تنگ زنداں میں ہوئے قید۔ مثالِ سجاد | آئی زہرا کی صدا میرے تقی۔ جواد
میں ترے ساتھ ہوں۔ کل شام کو پھر آؤنگی
کربلا میں کبھی بغداد میں رو جاؤنگی

شب عاشور تھی وہ۔ فرض تھی شب بیداری | رات بھر اشک رہے دیدۂ تر سے جاری
تھا کبھی پیاسوں کا ماتم۔ کبھی ذکرِ باری | یادِ مظلوم میں وہ رات بسر کی ساری
صبح جب ہوئے فلک آنکھ اٹھا کے دیکھا
تیس کشتوں کو مصلّے پہ تڑپتے دیکھا

اس قدر روئے کہ اشکوں سے مصلّی ہوا تر | کربلا ہی کے خیال آتے رہے پھر دن بھر
العطش، کہتی ہے وہ چار برس کی دختر | جاں بلب پیاس سے جھولے میں ہے ننھا سا سر
یادِ اصغر میں جو کھا کھا کے پچھاڑیں روئے
رو دیے غیر بھی جب مار کے دھاڑیں روئے

ایک زنداں کے محافظ نے جو آکر پوچھا | کس لیے روتا ہے قیدی! تجھے تکلیف ہے کیا
بولے اپنا نہیں غم۔ ہے یہ بہتّر کی عزا | آج کے دن مرے دادا پہ چلی تیغ جفا
اس نے گھبرا کے یہ پوچھا انھیں کیا کہتے ہیں
رو کے فرمایا کہ شاہِ شہدا کہتے ہیں

اس نے پوچھا کہ کوئی اور بھی ہے نام جلی | آپ بولے شہِ ابرار۔ ولی ابن ولی
تشنہ لب۔ بیکس و مظلوم۔ شہیدِ ازلی | ذبح سجدے میں ہوا جو وہ حسین ابن علی
اس سے یہ کہہ کے جو وہ نائبِ حیدر رویا
سن کے یہ شخص بھی ساتھ ان کے تڑپ کر رویا

قید میں آپ نہیں شام و سحر روتے تھے | روکتے بھی تھے نگہبان مگر روتے تھے
یادِ شبیر میں جب پیٹ کے سر روتے تھے | در و دیوار کا پھٹتا تھا جگر روتے تھے

مرتے مرتے بھی زباں پر شہِ صفدر ہی رہے
مدتِ قید میں عابد کے برابر ہی رہے

ان کے رونے سے ہزاروں کا جگر نرم ہوا | معتصم پہلے ہی جلتا تھا پر اب اور جلا
مل کے دربان سے آخر وہ انھیں زہر دیا | جس کے پیتے ہی کلیجے میں گڑا تیر قضا

کچھ وصیت کے بھی لکھنے کی نہ مہلت پائی
قید میں وارثِ کاظم نے شہادت پائی

کون زندان میں اپنا تھا جوان کو روتا | بیکسی، لاشۂ مظلوم پہ کرتی تھی بکا
تو بزرگ آپ کے فردوس میں کرتے تھے عزا | ایک بی بی کی یہاں آئی یہ پُر درد صدا

لاش پر رونے کو بیٹا نہ کوئی بھائی ہے
ہائے بچے تجھے غربت میں اجل آئی ہے

یاں نہ مادر ہے نہ بی بی ہے، نہ بیٹی، نہ بہن | لاش کو ڈھانکنے والا، نہ کوئی مرد، نہ زن
اب یہ زنداں کے نگہباں کا ہے دل دوز سخن | تھا وہ طفلِ مدنی جس نے دیا غسل و کفن

سب نے دیکھا کہ وہ یوں پیٹ کے سر روتا ہے
جس طرح باپ کے ماتم میں پسر روتا ہے

قبرِ اطہر میں اتاری گئی جب نعشِ امام | نور سے ہو گئی روشن لحدِ پاک تمام
پھر گیا رو کے کہیں سے اسی بی بی نے کلام | رونے والے مرے شبیر کے تجھ پر ہو سلام

خلد سے سارے بزرگوں کو یہاں لائی ہے
دفن کرنے تری میت کو بتول آئی ہے

اب قلم روک کے خالق سے دعا کر یہ نسیم | بخش دے میرے سلف کو۔ جو ثنا خواں تھے قدیم
نام بابا کا تھا برجیس تو دادا تھے شمیم | اُن کے یکتا تھے پدر اب جو ہیں جنت میں مقیم

بیٹے خادم کے تھے وہ۔ خادمِ اولادِ نبیؐ
مرثیہ گوئی کے استاد۔ بہ امدادِ نبیؐ

شانِ انساں میں ظلوم اور جہول آیا ہے | فطرۃً وصفِ بہائم کا یہ سرمایا ہے
نیک ماحول کسی نے جو کبھی پایا ہے | نخلِ کردار۔ محبت کا ثمر لایا ہے

یہ ثمر ہو جو مقدر میں تو زندہ ہے بشر
ہو نہ توفیقِ محبت تو درندہ ہے بشر

صحنِ عالم میں بہت ایسے بھی ہیں بے توفیق | زندگی میں ہے درندہ صفتی جن کی رفیق
بامروت نہ وفادار، نہ مونس، نہ خلیق | ہو تقابل، تو ہیں دل سنگ بہت چند شفیق

کربلا دیکھ لو، آئے تھے گزندے لاکھوں
آدمی صرف بہتر تھے، درندے لاکھوں

ان درندوں کی جو تخمیر میں خونخواری ہے | سب کا خوں پیتے ہیں، یوسف ہے کہ بازاری ہے
ان میں ایک ایک شقی پیکرِ غداری ہے | قائمِ خلد سے جلتا ہے، بڑا ناری ہے

کلمہ جب اسے انسان بنا دیتا ہے
بغضِ حیدر اسے حیوان بنا دیتا ہے

"کوئن" کے ساتھ طبیعت میں جو اس کی ہے "فسد"[۱] | وجہ نیرنگیِ عالم ہے، یہ آدم کا تضاد
بانیِ خیر کی مخلوق میں شر کی بنیاد | اللہ اللہ صفی زادوں میں ابلیس نہاد!

لوحِ تقدیر پہ کیا جانیے کندہ کیا ہے
صرف اللہ ہی واقف ہے کہ بندہ کیا ہے

ے بناو، بننا | ۱ بگاڑ، بگڑنا، مٹنا

دستِ قابیل سے ہابیل کا قتلِ ناگاہ
بشریت کا ہے پہلا ستم انگیز گناہ

صرف افراد کا قاتل ہی نہیں یہ گمراہ
اس درندے نے کیے کتنے ہی گھر بار تباہ

خون کی پیاس فرو ہو، یہ کہاں ممکن ہے
دیو بھی جس سے لرزتے ہیں یہ ایسا جن ہے

آدمی دنگ ہیں انسان کُشی سے اس کی
نہیں بنتی رہِ ہستی میں کسی سے اس کی

عالمِ روح میں ہل چل تھی خودی سے اس کی
جب تو واقف تھے ملک فتنہ گری سے اس کی

عرش پر پہلے پہل ذکر جب اس کا آیا
لب پہ قرآن کے مَن یُّفسِدُ فیہا آیا

مانعِ خیر ہے احساسِ بہیمی اس کا
جور و تخریب سے بھرتا ہی نہیں جی اس کا

ظلم کی شرع میں شیطان ہے مفتی اس کا
مار و کژدم سے سوا نفس ہے موذی اس کا

سانپ اس کے نفَسِ گرم سے بل کھاتے ہیں
اژدہے اس کے تنفّس سے پگھل جاتے ہیں

حسد و کینہ دری سے جو یہ پنجے گاڑے
گُرگ بن جائے شکم سیکڑوں چیرے پھاڑے

پھر بھلا شیر کی کیا تاب جو آئے آڑے
بشریت صفتِ پیلِ دماں چنگھاڑے

وہ درندہ ہے یہ درّندۂ اژدر کی قسم
جس کو موسیٰ کا عصا چاہیے حیدر کی قسم

دلِ دنیا طلب اس کا جو ہوس کا ہو شکار
ہے یہ تب کلبِ شکاری سے بھی بڑھ کر خونخوار

بھوت کینے کا جو ایسے میں ہو گردن پہ سوار
کلب کے قلب کی بھی پھر تو یہ ہوتی ہے پکار

نہ جگہ دیجیو یارو اسے حیوانوں میں
یہ ابوجہل ہے اس وقت کے انسانوں میں

سہ حضرت علیؓ جنہوں نے جھولے میں اژدہے کو چیرا جو کعبۃ اللہ میں رہتا تھا اور کتنی ہی جانیں لے چکا تھا۔

اس سے امید جو باندھے ۔ اسے بے آس کرے | کوئی کٹ جائے کہ مر جائے ۔ نہ وسواس کرے
دور و نزدیک کسی کا بھی نہ کچھ پاس کرے | جس پہ دندانِ ہوس تیز کرے ۔ ناس کرے

حق میں اغیار کے بگڑا ہوا سیارہ ہے
اور اقارب کے لیے عقربِ جرارہ ہے

دورِ حاضر میں بہت اس کے جو دنداں ہیں دراز | استخواں تک کا بشر کے اسے حاصل ہے جواز
گوشِ دل سن تو سہی درد بھری یہ آواز | کیا یہ چلاتا ہے بیروت کہ اے ارضِ حجاز

شعلہ باری کے لیے اب تو نہ دے تیل اسے
یہ تو ناری ہے جہنم کی طرف پیل اسے

قاتلوں سے کلمہ گویوں کے یہ بیع و خرید | منھ سے اسلام کا دعویٰ ہے، عمل سے تردید
کھینچ لے ہاتھ تو رک جائے یہ سب ظلمِ شدید | ساتھ اس شمر کا دے کر تو نہ بن تو بھی یزید

آج اس سے ہے مسلماں کے بھرم کا سودا
کل عجب کیا ہے جو ہو جائے حرم کا سودا

اس درندے میں بھی ان اگلے درندوں کی ہے خو | جن کے جبڑوں میں ہے مر کر بھی مسلماں کا لہو
جن کے مذکور میں بھی آتی ہے مُردار کی بو | چرخِ ظالم بھی کرے نام پہ جن کے تھو تھو

ظلم سا ظلم کہ تا وقت سزا زندہ ہے
کربلا زندہ ہے اور کرب و بلا زندہ ہے

؎ یہ مرثیہ اس زمانے میں تصنیف ہوا جب اسرائیل کے ہاتھوں بیروت میں عام مسلمانوں کا اور خصوصاً اثنا عشری طبقے کے افراد کا قتلِ عام ہو رہا تھا اور سعودی عرب کی طرف سے حملہ آوروں کو تیل کی سپلائی جاری تھی ۔

ان درندوں کا تسلسل ہے ازل سے جاری | جن کے کرتوت کی شاہد ہے کتابِ باری
جہل سے جن کے ابوجہل نے ہمت ہاری | دل چبا لیتے تھے کُشتوں کا دمِ خونخواری

بھیڑیے نفس کے۔ اَنفاس ہیں انساں کی طرح
جرأت شیطاں کی طرح۔ دانت تھے حیواں کی طرح

وہ بھی تھے مورثِ اعلیٰ۔ انھیں شیطانوں کے | جو ہوئے مسخ۔ ملے غول میں حیوانوں کے
ہاں مگر کہتے ہیں سیّاح بیابانوں کے | کچھ درندوں میں بھی اوصاف ہیں انسانوں کے

یوں بھی فطرت کا رخ اک دور میں پھرتے دیکھا
شیروں کو آدمی کے پاؤں پہ گرتے دیکھا

اسد اللہ و ید اللہ کی ہیبت کی قسم | حکمِ انساں پہ درندوں کے ہوئے ہیں سر خم
متوکّل کا وہ دربار۔ وہ شاہی کا حشم | وہ نقی۔ جانِ تقی۔ پاک نسب۔ نیک شیَم

علم ادھر تھا تو اُدھر غرّۂ دارائی تھا
آپ تھے شیرِ خدا۔ وہ سگِ صحرائی تھا

ناگہاں اک زنِ کذّاب نے آکر یہ کہا | میں کہ ہوں بنتِ علی۔ نام ہے زینب میرا
ہے سن و سالِ جوانی مرے نانا کی دعا | میری تعظیم کرو اٹھ کے زلیخا سے سوا

تھا یہ قول اس کا دہاں اور یہاں نقل یہ ہے
کفر ہرگز یہ نہیں کفر کی ہاں نقل یہ ہے

علما بزم میں حاضر تھے جو یکتائے زمن | زن کے اس دعویِ باطل سے ہوئے سب بدظن
مڑ کے ناگاہ خلیفہ نے کیا ان سے سخن | دے جواب اس کا کوئی آپ میں سب ہیں ہرفن

ذہن اور لب کو اس آواز نے یوں کاٹا تھا
مسکراتے تھے نقی، بزم میں سناٹا تھا

[illegible]

مسخ ہونا… عذاب الٰہی سے سور وغیرہ بنا دیے گئے

جہل سے سب علما رہ گئے بکتے بکتے
وہ بھی گھبرا گئے، دھن کے جو بڑے تھے پکے
تھے تو شاطر ہی مگر چھوٹ گئے تھے چھکے
فکر ذہنوں کو دیے جاتی تھی پیہم دھکے

علمِ ناقص کا یہ ایک اک نے مزہ چکھا تھا
مرد تھے سب، جنھیں عورت نے پچھاڑ رکھا تھا

عالموں کا تو یہ عالم تھا کہ تھی گنگ زباں
زنِ طرّار تھی ہر سو بہ تحکّم نگراں
سنسنی بزم میں اور گورِ غریباں کا سماں
علما سر بہ گریباں، تو خلیفہ حیراں

آنکھ اٹھاتے ہوئے ایک، ایک سے شرماتا تھا
ایک رنگ آتا تھا چہروں پہ اور اک جاتا تھا

تھی وہ عورت متقاضی کہ ملے کچھ تو جواب
رخِ عبّاسیِ کج فہم کا تھا رنگ خراب
شعلۂ بغضِ علی سے جو دل اس کا تھا کباب
جل کے اک یار ضمیر اس کا پکارا بیتاب

جز درِ علم یہ عقدہ نہ کہیں حل ہو گا
وہ نقی سامنے بیٹھے ہیں یہیں حل ہو گا

رخ کیا اس نے بہ صد عجز شہِ دیں کی طرف
دست بستہ ہوا سائل وہ ندامت کا ہدف
پسرِ ختمِ رسالت، گہرِ درِّ نجف
وحی و الہام بہ کف علمِ امامت کی صدف

رہ نمائی کے لیے آپ کچھ ارشاد کریں
وہ طمانچہ ہو کہ جاہل علما یاد کریں

قلزمِ علم سے پیدا ہوئی موجِ الہام
"مایشاؤن" کے انداز میں بولے یہ امام
سن رکھے زینبِ مصنوعی و کاذب یہ کلام
خون ہے عترتِ زہرا کا درندوں پہ حرام

نہ سزا دو، نہ ستاؤ، نہ جھنجھوڑو اس کو
اس کٹہرے میں جہاں شیر ہیں چھوڑو اس کو

۱؎ مایشاؤن الا ان یشاء اللہ
۲؎ وہ اللہ کی مرضی کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔

کانپ اٹھی یہ سخن سن کے زنِ بازاری
رنگِ رخ بن کے ہوا ہو گئی سب عیاری
گر گئی پائے خلیفہ پہ بہ آہ و زاری
معترف علمِ امامت کے ہوئے درباری
بزمِ علمی میں برہنہ ہوئے جاموں والے
رہ گئے اپنا سا منہ لے کے عماموں والے

تھی مگر آلِ محمدؐ سے خلیفہ کو جو کد
مشتعل ہو گیا آتشکدۂ بغض و حسد
مانعِ علم و یقیں اس کی جو تھی نیّتِ بد
قدرتِ حق کا نہ قائل تھا، بسانِ ابوجہد
جاہلِ محض بھی تھا۔ صرف تغافل ہی نہ تھا
متوکل کو کبھی حق پہ توکّل ہی نہ تھا

خال و خد نے ہوسِ دل کی جو کی غمّازی
اہلِ محفل میں ہوئی پھر تو اشارہ بازی
فتنۂ تازہ نے ماحول سے کی دمسازی
اب یہ فرماتے ہیں تحریر امامِ رازی
غل مچا۔ ہم ابھی سر اِن کے قدم پر دھر دیں
شیرِ زہرا کی یہ تاثیر جو ثابت کر دیں

آ گیا غیرتِ عصمت کو جو یہ سنتے ہی جوش
یا علی کہہ کے اٹھے آپ، بہ ایمائے سروش
علم و اعجاز در انگشت، کرامت بر دوش
وہ جلالت کہ اڑے سطوتِ شاہی کے بھی ہوش
اہلِ گردوں کو رسولِ عربی یاد آئے
اہلِ تاریخ کو رہ رہ کے علی یاد آئے

اک مکاں میں جو مقیّد تھے وحوشِ صحرا
امتحاں گاہِ امامت وہی اس وقت بنا
بام پر بہرِ تماشا متوکل جو گیا
ہمرکاب اس کے ہوئے سارے وہ جعلی علما
جب درندوں کی طرف سیّدِ خوش ذات چلے
لے کے ہمراہ بزرگوں کی روایات چلے

زہد و تقوا جو تقی کا ہمہ تن لے کے چلے | شان بابا کی، تو دادا کا چلن لے کے چلے
کاظمِ الغیظ کی سیرت کا چمن لے کے چلے | عابدِ آلِ محمدؐ کا دہن لے کے چلے

چرخ پابوس کی حسرت میں جھکا جاتا تھا
علم باقر کا، تو سجّاد کا حلم آتا تھا

جذبۂ حق طلبی ساتھ بہ صد زینت و زین | شکرِ معبود کے دامن میں لیے صبرِ حسین
حَسَن پاک کی بالغ نظری، قلب کا چین | ہر قدم فاطمہ زہرا کی سیادت مابین

غل درندوں میں ہوا خیر تُورا آ پہنچے
ضیغمِ بیشۂ ضرغامِ خدا آ پہنچے

اسد اللہ کے پوتے کی جو پائی آہٹ | اسدِ چرخ چھپا برجِ اسد میں جھٹ پٹ
آہنی باب کا دربان نے کھولا اک پٹ | دی صدا گاوِ زمیں کو یہ فلک نے کہ سمٹ

ٹیک دے سر کو بلا شرط دم غور نہیں
وارثِ شیرِ الٰہی ہیں کوئی اور نہیں

ہو گئے بند یہ سنتے ہی درندوں کے دہن | پیشوائی کو بڑھے سہمے ہوئے جیسے ہرن
بھیڑیے بھیڑ کے مانند جھکائے گردن | شیر اپنائے ہوئے گربۂ اہلی کا چلن

جھک گئے پاؤں پہ سر۔ گردنِ مینا کی طرح
آنکھیں قدموں پہ ملیں۔ مردمِ بینا کی طرح

دیکھ کر دور سے یہ منظرِ اعجازِ امام | گر گیا خوف سے غش کھا کے خلیفہ ناکام
مچ گیا غل۔ متوکل کا ہوا کام تمام | آفتابِ لبِ بام اب اسے سمجھو سرِ بام

بعد کچھ دیر کے چونکا جو وہ غافل رہ کے
ہوش آنے پہ بھی انداز تھے بہکے بہکے

عہ امام جعفر صادق
سہ یہ عصر پی جانے والا مراد
امام موسیٰ کاظم

اس طرف شیر طوافِ شہِ دیں میں تھے تمام | بیچ میں کعبۂ مقصود تھے مولائے انام
پشت پر ہاتھ جو پھیرا کیے نادیرامام | دم ہلاتے رہے وحشی کہ سمجھتے تھے مقام
کہ ہے تسبیحِ رسالت کے جنہیں دانوں سے
جانور اچھے ہیں ایسے تو مسلمانوں سے

یہ کرامت کہ نہ دیں آل کو ایذا موذی | گو کہ ہے سارے ائمہ میں، جو ہیں آلِ نبیؐ
مظہرِ خاص مگر اس کا جو ٹھہرے ہیں نقی | نیک و صالح ہوں تو ہے آپ کی اولاد میں بھی
امتحاں میں نہ رہ بغض و حسد پر چلیے
حضرتِ شاہؑ ولایت کی لحد پر چلیے

گھر عقارب کا ہے مدفن کا احاطہ بالکل | قبر پہ بکھرے ہیں یوں، جیسے مزاروں پہ ہوں گلُ
گو کہ اس بات کا تا دورِ زمانے میں ہے غل | پھر بھی زوار ہزار آتے ہیں جب ہوتا ہے قُلؑ
ہاتھ میں بچھوؤں کو لوگ اٹھا لیتے ہیں
جب ذرا ڈنک چھوو دُم کو، دبا لیتے ہیں

ان عقارب کو احاطے سے جو لاؤ باہر | آدمی گر کے ہو بیہوش وہ ماریں نشتر
وہیں پہنچانے کے وعدے پر اٹھا لاؤ اگر | وقتِ موعود تک ان سے کوئی ڈر ہے نہ خطر
یہ کرامات ہے زندہ، دلِ حق جو دیکھے
ہو جو مشکوک وہ بچھو کو ابھی چھو دیکھے

عہ جو شہر امروہہ ضلع مراد آباد (یوپی بھارت) میں ہے اور جہاں ہزارہا بچھو ہوتے ہیں مگر کسی زائر کو نہیں کاٹتے۔ باہر لاؤ تو ایسا ڈنک مارتے ہیں کہ آدمی تڑپ جاتا ہے۔ عہ سالانہ عرس جو آپ سے عقیدت رکھنے والے مسلمان منعقد کرتے ہیں۔

نسل میں اُن کی جو لوگ اُن کی تباہی سے ہیں دور | اس کرامات پہ دادا کی نہ فرمائیں غرور
جس نے یہ قوت اعجاز عطا کی ہے حضور | اس کی ضد پر بھی ہے قادر وہ کریم اور غفور

عملِ بد سے ڈرو، دور سے تکتے ہیں وہ
نیشِ عقرب ہو تو پھر جھاڑ بھی سکتے ہیں وہ

خطرۂ وحشی و موذی میں ضمانت ہیں نقی | گردشِ چرخ میں اللہ کی رحمت ہیں نقی
جب بشر ظلم کریں، صبر کی آیت ہیں نقی | امتحاں گاہِ تولا و عداوت ہیں نقی

ان کی قربت سے بشر خلد کے عالم میں گئے
جو انھیں چھوڑ گئے سیدھے جہنم میں گئے

ہاتھ میں حق کی عطا سے ہے شریعت کی زمام | نگراں جنبشِ ابرو کی طرف ہے اسلام
وارثِ علمِ نبیؐ ہیں یہ علی کے ہمنام | نائبِ پنجتن پاک تو دسویں ہیں امام

ان کی پھیلی ہے مہک شرع کے ہر رستے میں
بارھواں پھول ہیں چودہ کے یہ گلدستے میں

صورتِ مہر مبیں ان کے فضائل ہیں جلی | گل ہیں جس شاخ کے احمدؐ یہ اسی کی ہیں کلی
ان کی طینت ہے اسی نور کے سانچے کی ڈھلی | خود علی۔ جد بھی علی۔ مورثِ اعلیٰ بھی علی

میرا کیا منہ جو کہوں میں کہ نقی کیسے ہیں
جن کا پوتا ہے محمدؐ یہ علی ایسے ہیں

ان کی تشبیہ دو عالم میں یہاں ہے نہ وہاں | گر کہوں مہر تو وہ شام و سحر ہے سوزاں
چاند سے کیجیے تشابہ تو یہاں داغ کہاں | یدِ بیضا ہے جبیں پر جو ہے سجدے کا نشاں

جان زہرا ہیں۔ نہ ثابت ہیں نہ سیارہ ہیں
جلوۂ احمدؐ مختار کا شہپارہ ہیں

ع امام مہدی آخر الزماں جن کا اسم گرامی محمد ہے۔

محفلِ کن سے ہیں یہ ذات پیمبر میں شریک | ایسے مشتق کہ بہرحال ہیں مصدر میں شریک
خون کی وجہ سے جان و دلِ حیدر میں شریک | کثرتِ نسل سے ہیں سورۂ کوثر میں شریک

جو معاند تھے وہ ابتر کی سند بن کے رہے
نقوی طعنۂ بوجہل کا رد بن کے رہے

اب وجد کو جو ملی تھی وہ کرامت پائی | وہی طینت، وہی سیرت، وہی عصمت پائی
امتیازی بھی مگر ایک فضیلت پائی | ساڑھے چھ سال کا سن تھا کہ امامت پائی

خلف الصدق بھی اسلاف کے ہمسر بھی ہیں
سب سے چھوٹے ہیں مگر سب کے برابر بھی ہیں

علم کا ان کے یہ عالم کہ عدو بھی قائل | اک سمندر تھا معارف کا جسے کہتے ہیں دل
قید خانہ تھا خلافت کا جب ان کی منزل | ان کے ناخن سے کھلے جو ہوئے عقدے مشکل

بے بصیرت پہ بھی معیار نظر کھلتا تھا
ان کے لب کھلتے تھے یا علم کا در کھلتا تھا

والیِ روم نے اک بار خلافت کو لکھا | میں نے انجیلِ مسیحا کی اک آیت میں پڑھا
درِ فردوس کی کنجی ہے وہی اک سورہ | جس میں وہ حرف نہ ہوں ذیل میں جو ہیں لکھا

زے نہ ہو جیم نہ ہو۔ خے بھی نہ ہو۔ تے بھی نہ ہو
ظوے منقوط نہ ہو شین بھی، اور فے بھی نہ ہو

میں نے سب دیکھ لیں توریت و زبور و انجیل | ایسے سورے کی کہیں ان میں نہ پائی تمثیل
تم بھی قرآن کو کہتے ہو کلامِ تنزیل | ہو جو سورہ کوئی ایسا تو لکھو بالتعجیل

ہوں گا ممنون بھی اسلام بھی لے آؤں گا
پھر وہیں دوڑ کے انعام بھی لے آؤں گا

پڑھ کے اس خط کو بلائے گئے سارے علما | جن کے عمامے تھے پُر پیچ بگولوں سے سوا
تنِ فربہ پہ مزیّن وہ عبا اور وہ قبا | جن کے دامن میں چھپے وسعتِ دامانِ ہوا

بولے دل جبکہ یہ دستار ہے یہ جامہ ہے
پھر تو ایک ایک بڑا عالم و علاّمہ ہے

سب نے حیرت سے سنا خط کا جو مضمونِ ادق | منھ پہ چھٹنے لگی مہتاب۔ ہوے چہرے فق
رخ ابھی زرد خجالت سے۔ ابھی مثلِ شفق | سب کے سب جیسے اِدھر سے تھے اُدھر تک ابلق

چپ تھے اس طرح کہ زندہ بھی تھے بے جان بھی تھے
کور باطن بھی تھے اور حافظِ قرآن بھی تھے

سب کو جب سونگھ گیا سانپ تو اک شخص اٹھا | دست بستہ بہ صد آداب خلیفہ سے کہا
ہاشمی اک جو وہ قیدی ہے گرفتارِ بلا | لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کا عالم ہے بڑا

زندگی گو وہ بسر قید میں فرماتے تھے
راز اللہ کے یوسف بھی تو بتلاتے تھے

ہو گیا حکم۔ بلائے گئے مولائے زماں | اب وضاحت مری ہو جائے گی۔ بولا قرآں
قید خانے سے چلے حریت آموزِ جہاں | جھک گیا چرخ کہ تسلیم! امامِ دوراں

بولا رضواں۔ چمنِ خلد کے پھول آتے ہیں
دبدبہ بڑھ کے پکارا کہ رسولؐ آتے ہیں

زینتِ کرسیِ دربار ہوے دین کے شاہ | خط سنا۔ ڈالی فقیہوں کے عماموں پہ نگاہ
متبسم ہوے۔ بولے یہ بصد صولت و جاہ | سورۂ حمد ہے وہ جس کا ہے جز بسم اللہ

اس کے سب حرف تو فردوس کا اک جادہ ہیں
بے کے نیچے جو ہے نقطہ وہ مرے دادا ہیں

سنتے ہی یہ کلماتِ بسرِ ختمِ رسل | چاٹتے رہ گئے ہونٹوں کو وہ علامۂ کل
کھل گئے بزم کے چہرے صفتِ غنچۂ گل | مچ گیا بھٹکی ہوئی قوم میں صلوات کا غل
وقت نے بڑھ کے ندا دی یہ بڑی شان کے ساتھ
ربط یہ آلِ محمدؐ کو ہے قرآن کے ساتھ

بے تینوں میں جو پیدا ہوا ماحولِ یقیں | ظاہراً کچھ تو جھکی کبرِ خلافت کی جبیں
خود خلیفہ نے یہ کی عرض کہ اے قبلۂ دیں | سورۂ حمد میں کس وجہ سے یہ حرف نہیں
بولے شہ۔ عیب ہے۔ اعلیٰ میں جو کمظرف آئیں
حرف آجائے گا سورے میں جو یہ حرف آئیں

ہیں تہجی میں جو ان حرفوں سے لفظیں منسوب | ان کا مفہوم ہے منحوس۔ ادب میں معیوب
سورۂ حمد ہے رحمت، برکت خوب ہی خوب | نیک و بد جمع اگر ہوں تو گھٹے جذبِ قلوب
حل نہیں ہوتا ہے قرآن جہانبانی سے
اس بلاغت کا تعلق ہے زباندانی سے

عرض کی۔ ہے یہ بلاغت ابھی تشریح طلب | بولے مولا۔ کہ یہ مکتب میں ہے دستورِ عرب
درس دیتے ہیں الف بے تے کا اطفال کو جب | جس طرح دال سے دَم۔ ذے سے ذَم۔ رے سے رب
فے سے فرقت ہے یہ بچے کو رٹا دیتے ہیں
ظوے سے ظلم اسے یاد کرا دیتے ہیں

زے سے زقوم تھوہر جس کا ہلاکت ہے پھل | خے سے خسران۔ جو نقصان و تباہی کا عمل
ثے مثلث سے ثبور۔ اس کا ہے مفہوم اجل | شین سے شر۔ کہ زمانے میں ہے جو وجہِ خلل
جیم سے سب کی زبانوں پہ جحیم آتا ہے
اور اس سورے میں رحمان و رحیم آتا ہے

یہ ہیں اُس وقت کی باتیں کہ نقی کا تھا شباب | قلزمِ علم تھے طفلی کے بھی عالم میں جناب
کوثرِ معرفتِ ذات کے درِ نایاب | تھی نہ کچھ فکر کی حاجت۔ وہ سوال اور یہ جواب

ازلی علم یہ تھا اور ابدی علم یہ تھا
برترِ از ماہ و سن و سال و صدی علم یہ تھا

تھی جو بچپن سے اسی علمِ لدُنّی پہ نظر | رعب وہ تھا کہ خلافت کو بھی تھا خوف و خطر
بند کرنے کے لیے رشد و ہدایت کا یہ در | وہ چلی چال کہ ہنستی تھی سیاست جس پر

کم سنی وجہ بنی ،جبر یہ تحقیق ہوا
عالمِ وقت عُبیدؔ ان کا اتالیق ہوا

نگراں اور معلّم کا ملا اس کو خطاب | اب نہ مل سکتے تھے اربابِ عقیدت سے جناب
یہ کرامت تھی کہ اعجازِ شہِ فیض مآب | تھے نظر بند۔ مگر کھول دیے علم کے باب

قول صادق ہے یہ علّامۂ مسعودی کا
معنوی خضر تھا جو آج کے موّدودی کا

ایک عالم نے معلّم سے یہ اک دن پوچھا | توبہ توبہ! وہ غلامِ عَلَوی کرتا ہے کب
یہ سخن سن کے معلّم نے بگڑ کر یہ کہا | میں بھی اور تو بھی ہیں عبد اُس کے وہ سب کا آقا

بخدا مستحقِ بارکِ و سَلِم وہ ہے
متعلّم ہے یہ ناچیز، معلّم وہ ہے

لوگ سمجھے ہیں کہ میں دیتا ہوں اس کو تعلیم | وہ مجھے دیتا ہے تعلیم۔ مجھے ہے تسلیم
خلق میں جتنے بھی عالم ہیں، جہاں بھی ہیں مقیم | سب سے وہ اعلم و علّام ہے۔ اللہ علیم

نازل و منزل و تنزیل کی تفصیل ہے وہ
مصحفِ پاک کی منہ بولتی تاویل ہے وہ

ا؎ : میرے پاس سے۔ حدیث قدسی میں خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ علم میری طرف سے ملا ہے۔

منحرف حکمِ خلافت سے ہوا یوں جو عبید | تھے جو صیاد وہ خود دام میں اپنے ہوئے صید
کوششیں تب ہوئیں خفیہ، یہ بہ صد حیلہ و کید | ختم کر دے انہیں چھپ کے کوئی عمرو کہ زید

رات غفلت کی نہ تھی۔ فکر و نظر کا دن تھا
اب محمدؐ کے مدینے میں یہ ناممکن تھا

گو کہ اخلاص عمل جانِ نبیؐ کی تھا سپر | پھر بھی گھیرے تھے امامت کو حسد کے لشکر
سات گزرے خلفا بدلے ہوئے راہ گزر | کام سب کا تھا مگر بغضِ علی ہر پھر کر

فلک بکر کے وہ سبعۂ سیارہ تھے
افقِ صدق کا مولائے نقیؐ تارہ تھے

عہد مامون میں تھا سر پہ تقیؐ کا سایا | معتصم خانۂ عصمت پہ بلائیں لایا
عہد واثق پہ وثوق آپ نے کچھ فرمایا | رفتہ رفتہ متوکل کا زمانہ آیا

وہ تکبر میں عزازیل کا ثانی نکلا
روحِ فرعون کی بدمست جوانی نکلا

کینۂ آلِ محمدؐ میں وہ تھا سب سے شدید | اس کا دربار، بہر رنگ تھا دربارِ یزید
دمیری اور سیوطی نے بھی کی ہے تائید | خامۂ ابنِ کثیر اس کی ہے تائیدِ مزید

رات بھر دخترِ انگور کی زد میں ہوتا
صبح ہوتے، کئی سودروں کی حد میں ہوتا

تھا اسی دور میں تبلیغ امامت کا شباب | دینِ حق پر تھے ہزاروں نہیں لاکھوں اصحاب
کُو بہ کُو جھوم کے برستا تھا امامت کا سحاب | سامنے جس کے خلافت کے سپاہی تھے حباب

غرق ہو جاتا سفینہ جو مقابل آتا
عمر بھر بحرِ تمنا کا نہ ساحل آتا

کی وہ تدبیر کہ امڈا ہوا بادل تو چھٹے | مگر اس مرحلے میں ایک بھی گردن نہ کٹے
وہ لگے ضرب دلوں پر کہ قدم پیچھے ہٹے | حوصلے پست ہوں، اور جرأت اخلاق گھٹے

ملتوی کر کے دل و جانِ نقی پر حملہ
کر دیا قبرِ حسین ابنِ علی پر حملہ

دے دیا حکم۔ مٹا دو شہِ دیں کا مدفن | ہل چلا دو لحدِ سبطِ نبیؐ پر فوراً
واں زراعت ہو، جہاں دفن ہے اب تشنہ دہن | قبر پر نہر گذر جائے تو سر سبز ہو بن

ذکر ہو پھر نہ شہادت کا نہ قربانی کا
نام باقی نہ رہے فاطمہ کے جانی کا

غرق ہو آب میں یوں تربتِ ابن زہرا | چل سکے پھر کسی زائر کو نہ مدفن کا پتا
پھر بھی آئے جو زیارت کو کوئی اہلِ ولا | اس کا گھر لوٹ لو، ناموس کو کر دو رسوا

کوئی تڑپے کہ مرے، رحم نہ زنہار کرو
کوڑے مارو۔ جو نہ مانے تو گرفتار کرو

کھد گیا، حکم کی تعمیل میں پیاسے کا مزار | ہل چلے جب تو زمیں کا بھی ہوا سینہ فگار
نہر کو کاٹ کے لائے جو ادھر ظلم شعار | رک گیا قبر کے پاس آتے ہی پانی اک بار

آئی آواز کہ پیاسوں کو بلا لو شبیر
خود فرات آئی ہے، اب پیاس بجھا لو شبیر

سب تھے حیران۔ کہ پانی کی یہ فطرت ہے کہاں | پھر نشیبی ہے جگہ، کیوں نہیں ہوتا یہ رواں
روح زہرا کی پکاری یہ بصد آہ و فغاں | وجہ میں اس کی بتاتی ہوں، سنو اہلِ جہاں

قبر پر نہر کا پانی جو نہیں آتا ہے
مادرِ شیر میں شبیہ سے شرماتا ہے

کوششیں کر کے تھکے فوجِ خلافت کے شقی | غرق پانی میں وہ تربت کسی صورت نہ ہوئی
زائروں پر بھی لعینوں نے بہت کی سختی | دُرّے کھاتے رہے، مٹتے رہے بڑھ بڑھ کے سبھی

"ہٹ کے پیچھے تو نہ ہرگز یہ قدم جائیں گے
مر بھی جائیں تو نہ اس قبر سے ہم جائیں گے"

عشقِ مظلوم میں سرشار تھے شیدائے امام | پشت تھی خون سے تر، جسم بھی زخمی تھا تمام
کسی بی بی کی یہ آتی تھیں صدائیں ہر گام | زائرو! مادرِ شبّیر کا تم پر ہو سلام

آج میں آئی ہوں مجرے کی گزارش کے لیے
کل یونہیں حشر میں آؤں گی سفارش کے لیے

نہ زیارت ہی رکی، اور نہ مٹی قبرِ امام | ہو گیا مکر میں اپنے متوکّل ناکام
رخ کیا اب یہ رہِ راست کے شاہِ انام | پے بہ پے دعوتِ دربار کے بھیجے پیغام

سامرا میں بہ صد اصرار بلا کر چھوڑا
قبر میں بنتِ پیمبر کو رلا کر چھوڑا

بن کے مہمان شقی آئے جو امّت کے امیر | وہاں ٹھہرائے گئے یہ، جہاں رہتے تھے فقیر
ایک دن بھی نہ ہوا، جب نہ رہے ہوں دلگیر | کر دیا شوم نے آخر انھیں زنداں میں اسیر

غربتِ عترتِ اطہار کی میراث ملی
قید میں عابدِ بیمار کی میراث ملی

ہائے وہ فاطمہ کا لال وہ زندانِ ستم | اشک پینے کو جہاں، کھانے کو شکوے کی قسم
مالکِ جنّت و کوثر کی غذا نعمتِ غم | اس قدر حبس، کہ گھٹ گھٹ کے نکلتا رہے دم

خاک کا فرش تھا اور چرخ کا نمگیرہ تھا
قلب شمرِ ولد القلب سے بھی تیرہ تھا

حکم دربان کو یہ۔ خوب انھیں تڑپائے | اُس کو تنبیہ و سزا۔ ان پہ ترس جو کھائے
اُس کو انعام۔ اذیت جو بہت پہنچائے | کوئی فرزند کبھی ملنے کو نہ آنے پائے

گو کہ عابد کی طرح شکل تھی رسوائی کی
واں حرم ساتھ تھے۔ یاں قید تھی تنہائی کی

ایک دن آپ پہ ظالم نے ستم یہ ڈھایا | دور تک اپنی سواری کے عقب دوڑایا
زخم تلووں میں پڑے صبر مگر فرمایا | ساربانِ حرمِ سبطِ نبی یاد آیا

واپس آئے تو المناک بھی بیمار بھی تھے
سنگ ریزے بھی کفِ پا میں تھے اور خار بھی تھے

جانِ احمدؐ سے یونہیں کرتا رہا لو لہبی | آتشِ بغض مگر ظلم و ستم سے نہ دبی
قبرِ شبّیر سے پھر شوم نے کی بے ادبی | بال بکھرائے نظر آئے لعینوں کو نبیؐ

رو کے کہتے تھے۔ ہٹو ورنہ سزا دیتا ہوں
ابھی فریاد کی زہرا کو رضا دیتا ہوں

زائروں پر بھی لگائی گئی پھر پابندی | ہاتھ کاٹے گئے۔ یاد آ گئے عباسِ علی
سر قلم ہو گئے، پھر لاش بھی تشہیر ہوئی | بیکسی مسلم ناشاد کی آنکھوں میں پھری

اشقیا ان کے محبوں کو سزا دیتے تھے
اور نقی نیک ہدایت کی دعا دیتے تھے

ان مصائب میں گرفتار تھے ناگاہ سنا | متوکل کا لہو بیٹے کے ہاتھوں سے بہا
قید سے چھوٹے، مگر ظلم سے پیچھا نہ چھٹا | جو بھی آیا وہ اُنہیں کے لہو کا پیاسا

نشترِ غم سے سبھی قلب کو برماتے تھے
ایک سے ایک نیا ظلم شقی ڈھاتے تھے

ظلم سہتے رہے، اشک آنکھوں میں آیا تو پیا | بد دعا دل میں مچلتی رہی، ہونٹوں کو سیا
ایک دل سنگ خلیفہ نے مگر قہر کیا | ہائے مظلوم کو پانی نہ دیا، زہر دیا
پاس اس دم کوئی ہمدرد نہ شیدائی تھا
کس مپرسی میں عجب عالمِ تنہائی تھا

عسکری روتے تھے زانو پہ رکھے باپ کا سر | بہرِ امداد برادر تھا نہ کوئی خواہر
کربلا ایسے میں آجاتی تھی جب پیشِ نظر | دل سے آتی تھی یہ آواز۔ وہ جنگل تھا یہ گھر
گود میں فرقِ مطہر ہے یہاں بابا کا
تھا وہاں جلتی ہوئی ریت پہ سر دادا کا

یاں ابھی میں نے پلایا تھا پدر کو پانی | تین دن سے وہاں پیاسا تھا نبیؐ کا جانی
یاں میسر ہے کفن، دفن میں ہے آسانی | ہائے بے گور و کفن لاش کی واں عریانی
پارۂ دل ہے یہاں، اشک بہانے کے لیے
واں تھا بیمار پسر قید میں جانے کے لیے

ان مناظر کے تصور میں یہ تھے محو بکا | ناگہاں بولے یہ گھبرا کے ہمارے مولا
بہرِ تعظیم اٹھاؤ مجھے اے ماہ لقا | خلد سے لائے ہیں تشریف رسولِؐ دوسرا
ساتھ زہرا کے شہِ بدر و حنین آئے ہیں
میرے لینے کو حسن اور حسین آئے ہیں

پھر اٹھا کر سرِ پُر نور پکارے یہ امام | میرے نانا مرے دادا مری دادی کو سلام
کہہ کے یہ گر گئے تکیے پہ جو مولائے انام | عسکری روئے، تڑپنے لگیں ازواجِ کرام
پرسہ دیتا تھا نہ کوئی، نہ گلے ملتا تھا
پنجتن روتے تھے اور عرشِ خدا ہلتا تھا

فاطمہ کرتی تھیں یہ بین تڑپ کر ہر بار | میرے شبیر کے پوتے! تری غربت کے نثار
مثل شبر کے جو نیلا ہے تن زار و نزار | وقت رحلت تجھے پانی بھی ملا۔ گل رخسار
کب گھرانا کہیں ایسا کوئی مظلوم ہوا
ساتواں تو مرا پوتا ہے جو مسموم ہوا

بس نسیم اب کہ قیامت سی ہے مجلس میں بپا | سب کے دل نرم ہیں رقت سے یہ ہے وقت دعا
عرض کر حق سے کہ اے منبع الطاف و عطا | جتنے ہیں مرثیہ گو، سب کو سکوں دے مولا
مدح شبیر کا اعجاز دکھا دے یارب
ہاشمی کب سے ہے بیمار۔ شفا دے یارب

ضامنِ عظمتِ کردار ہے قرآنِ مبیں
حسنِ اخلاق کا معیار ہے قرآنِ مبیں

علم کا دفترِ اسرار ہے قرآنِ مبیں
گردنِ جہل پہ تلوار ہے قرآنِ مبیں

پھونک دیں کفر کے سینے میں سنانیں اس نے
کاٹ دیں تیغِ فصاحت سے زبانیں اس نے

مصطفیٰ جس کے ہیں تابع، یہ نظام اس کا ہے
علم جس کا ابدی، فیضِ دوام اس کا ہے

جس نے بھیجے ہیں پیمبر، یہ پیام اس کا ہے
جو تکلّم کا ہے خالق، یہ کلام اس کا ہے

حافظے سے ہے، نہ حافظ سے، حفاظت اس کی
خود نگہبان ہے ہر وقت مشیّت اس کی

جلوۂ ذات کی تنویر ہے قرآنِ مبیں
پردۂ قدس کی تقریر ہے قرآنِ مبیں

خامۂ غیب کی تحریر ہے قرآنِ مبیں
کُن کے اجمال کی تفسیر ہے قرآنِ مبیں

گفتگو ہے یہ خدا کی، جو پیمبر سے ہوئی
شرحِ صدر، اس کی ہی آیات کے نشتر سے ہوئی

اس کے فقرے ہیں سب آیاتِ الٰہی کے نشاں
اس کے الفاظ ہیں، جبریلِ معانی کی زباں

اس کے حرفوں میں ہیں تحریف کی ڈھالیں پنہاں
اس کے لفظوں میں وہ نکتے، جو خطوطِ عرفاں

یہ وہ کوزہ ہے کہ دریا ہے سمایا جس میں
اک وہ نقطہ بھی ہے قرآں سمٹ آیا جس میں

یہ فصاحت میں ہے فرد اور نہ مصرع ہے نہ بیت | جانتے ہیں ہی خوب اس کو جو ہیں اہلِ البیت
انبیا سب یہی فرماتے ہیں معبود سمیت | اس کی تمہید ہیں، انجیل و زبور و توریت

نہ فقط امتِ احمدؐ کا وظیفہ یہ ہے
کل کتابوں کا جو ناسخ ہے وہ نسخہ یہ ہے

اس میں وَالعصر کا عصرِ ابدی و ازلی | اس میں اَلدّہر کا ہے دہر خفی اور جلی
اس میں النور کی تنویر ہے، علمی عملی | یہ نبأ سے ہے نبیؐ، اور تعالیٰ سے علی

اثر انداز ہے باطن پہ بھی، ظاہر ایسا
حاملِ آیۂ تطہیر ہے، طاہر ایسا

ہے یہی نورِ نبوت کا ظہورِ اعظم | یہی آئینۂ تقدیر، یہی لوح و قلم
اس کے جلووں کی جھلک، سارے علومِ عالم | قلزمِ علم ہے یہ چشمۂ کوثر کی قسم

اس کی ہر موج میں توحید کی گہرائی ہے
قُل ہُوَ اللّٰہ احد گوہرِ یکتائی ہے

گو کہ رکھتا ہے نہ یہ ہونٹ، نہ تالو نہ زباں | پھر بھی کہتا ہے میں اعجاز ہوں اے اہلِ جہاں
مکتبوں میں کہ مساجد میں تلاوت ہو جہاں | دیکھیے لوگوں کی کیفیتِ باطن کا سماں

پڑھنے والوں کا بلا قصد جو سر ہلتا ہے
لاشعوری میں فصاحت کا مزہ ملتا ہے

نہ مکنونِ مشیت کا یہ تبیانِ مبیں | جو نبیؐ کے ہیں بیاں، ان کا ہے عرفانِ مبیں
وہ ہیں یٰسینِ مبیں، اور یہ قرآنِ مبیں | فارقِ باطل و حق، اس لیے فرقانِ مبیں

لاکھ مانع تھی خودی، ایک نہ مانی اس نے
دودھ کا دودھ کیا پانی کا پانی اس نے

فیض جس کا ہے بصیرت، وہ مبصر یہ ہے
حق کی تصویرِ مجازی کا مصور یہ ہے
جو ہے خاموش، وہ منبر کا مقرر یہ ہے
اس کی تفسیر ہے آل اس کا مفسر یہ ہے

حوضِ کوثر پہ ہم آہنگ رسائی ہوئی
لفظ و معنی میں بھلا کیسے جدائی ہو گی

یہ ہے تنزیلِ عمل، قلبِ پیمبرؐ منزل
وہ حقائق کا سمندر، تو یہ اس کا ساحل
وَالقمر احمدِؐ مختار، یہ ماہِ کامل
دین کا تن ہیں نبیؐ سر ہیں علی اور یہ دل

حکمت و موعظتِ حق کا ذخیرہ یہ ہے
دفعِ شر کے لیے خیراتِ کثیرہ یہ ہے

ملک و جن و وحوش و جبل و ارض و سما
کسی مخلوق سے جو بارِ امانت نہ اٹھا
وہ امانت ہے یہی مصحفِ صامت، بخدا
جس کا حامل ہے بشر، اور وہ بشر خیرِ ورا

یہ امانت جو رسالت کا صحیفہ ٹھہری
اس کی تفسیر امامت کا وظیفہ ٹھہری

جس کی ہر بات ہے اظہارِ حقیقت میں کھری
فلسفہ بول گیا جس کے مقابل میں ہری
طاق پر رہ گئی سب دانشِ انساں دھری
حکما کے نظریات کبھی ٹھہرے نظری

فلسفی جس سے ہوئے زچ، وہ محقق یہ ہے
ناطقے جس نے کیے بند وہ منطق یہ ہے

ہے یہی ہادیٔ کل جس کے مقامات نظر
کبھی مسند، کبھی منبر، کبھی شمشیرِ دو سر
کبھی خندق کی لڑائی، کبھی جنگِ خیبر
کبھی ارشادِ پیمبرؐ، کبھی قولِ حیدرؑ

سیرتِ احمدِؐ مختار ہے تفسیر اس کی
خطبۂ حیدرِؑ کرار ہے تقریر اس کی

وہ نمازیں ہوں کہ روزے کہ زکات و خیرات | کعبۃ اللہ کا حج ہو کہ وقوفِ عرفات
خمس ہو یا کہ جہادِ رہِ خالق میں ثبات | جود، ایثار، وفا، صبر، ریاضت، طاعات

ذہن میں زہدِ ائمہ کی جو تصویریں ہیں
حسبِ حالات یہ قرآن کی تفسیریں ہیں

ہیبت و دبدبۂ شیرِ خدا بھی تفسیر | اور صلحِ حسنِ سبز قبا بھی تفسیر
مقتل و معرکۂ کرب و بلا بھی تفسیر | عمل و عزمِ شہیدانِ وفا بھی تفسیر

تیر کھا کر علی اصغر کا تبسم کیا تھا
وہ بھی قرآن کی تفسیر کا اک جلوہ تھا

دس اماموں کا علی سے تھا نقی تک یہ چلن | وقفِ تفسیر زبانیں رہیں، علماً عملاً
عسکری آئے، تو بدلا تھا تقاضائے زمن | اگلی منزل میں تھا غیبت کے سبب قطعِ سخن

فکر یہ تھی۔ کہ نہاں جب مرا نائب ہوگا
دورِ تفسیر زبانی کا بھی غائب ہوگا

وقت و حالات و فرائض نے یہ دی بڑھ کے ندا | بات کہنے کی جو ہے، اب اسے لکھ دیں مولا
جمع تھے ذہن میں مصحف کے مطالب، یک جا | کارِ قرطاس و قلم سے کوئی مانع بھی نہ تھا

خامۂ پاک سے قرآن کی تفسیر لکھی
خوابِ اسلام کی منھ بولتی تعبیر لکھی

اے زہے عسکریِ نیک دل و نیک صفات | تیری تفسیر ہے یا اہلِ تولا کی حیات
وہ حقائق کا ثبوت اور وہ مقاصد کا ثبات | لوحِ نقاشِ ازل، نقش گرِ راہِ نجات

فکرِ محکم وہ ابد تازہ ازل گیر تری
رائے ذاتی نہیں۔ الہام ہے تفسیر تری

تو کہ ہے محرمِ اسرارِ کتابِ داور | تیرا سینہ ہے، رموزِ ازلی کا مظہر
جس میں ہیں وحی کے اسرارِ خفی پیشِ نظر | یہی تفسیر ہے، عرفان کا پہلا دفتر

فیض پاتے ہیں بصیرت سے مفسر سارے
تیرے شاگرد ہیں قرآں کے مفسر سارے

حضرتِ عسکریِ پاک سے ذیشاں ہوں میں | گیارھویں ہادیِ برحق کا ثناخواں ہوں میں
ان کی تفسیر سے جو ناظرِ قرآں حسن میں | سر بسر علم کے جلووں سے چراغاں ہوں میں

جاہلیت کے مرض کی یہ شناسائی ہے
ان کے فرزند کے عرفاں کی سند کافی ہے

جن کی مسندِ حق ہے وہ مسند یہ ہیں | عسکریؑ بن علیؑ بن محمد یہ ہیں
گو کہ حیدر ہیں زمانے میں نہ احمد یہ ہیں | علم کی عالمِ ظاہر میں مگر حد یہ ہیں

ان کے وارث کا بتائے گا پتا عالمِ غیب
غیب کا علم ہے وہ۔ اور خدا عالمِ غیب

علم ہے آئنہ جس کا، وہ سکندر یہ ہیں | جس کا جد سرورِ رسالت کا، وہ سرور یہ ہیں
جس کی ہر موج طہارت ہے، وہ کوثر یہ ہیں | حاشیہ جس کا ہے قرآں، وہ دفتر یہ ہیں

ایسے مصحف کبھی ہوں گے، نہ زمانے میں ہوئے
ویسے ہیں جیسے کبھی ان کے گھرانے میں ہوئے

جد وہ ہیں جن پہ ہے آیاتِ الٰہی کا نزول | اسد اللہ جو دادا ہیں، تو دادی ہیں بتول
ہیں انھیں، حقِّ علیؑ، امرِ مشیت سے حصول | دولتِ دینِ خدا۔ تاجِ علی۔ تختِ رسولؐ

رو [illegible] زرفشاں، مہر بھی ہیں ماہ بھی ہیں
فقر پہ فخر بھی ہے۔ دیں کے شہنشاہ بھی ہیں

جیسے یہ تھے، نہیں اب خلق میں انساں ویسے
ابنِ آدم تو ہیں لیکن نہ ہمارے ایسے
جس کی تشبیہ نہ ہو کچھ، وہ بیاں ہو کیسے
لاکھ بکھرے ہوئے تاروں میں ہے سورج جیسے

گرد اس کے جو شب و روز پھرا کرتے ہیں
ایک ہی نور سے سب کسبِ ضیا کرتے ہیں

صاحبِ وحی ہیں جد، وحی کا یہ ہیں مضمون
تن میں جو نفسِ نبیؐ کے تھا، رگوں میں ہے وہ خون
صاف دل ان کا ہے اک آئینہ کُن فیکون
خود ہیں قرآنِ مبیں، ماں ہیں حدیثہ خاتون

منسلک ان سے ہو زنجیر نہ کیوں وحدت کی
تیرھویں ہیں یہ کڑی سلسلۂ عصمت کی

وہ منافق جو دلوں میں نہیں رکھتے ہیں خلوص
بغضِ اولادِ نبیؐ، جن کی ادا ہے مخصوص
ہو خجل جن کی دو رنگی سے، مریضِ مبروص
لکھ گئے رُو میں انھیں وہ بھی امامِ منصوص

ہے گرہ دل میں، مگر عقدہ کشائی کے گواہ
مدّعی بھی ہیں فضیلت میں صفائی کے گواہ

عسکری ایسے کہ لشکر ہیں بہ تائیدِ قدیر
ردہما۔ ان کے ہی قدموں کی لکیروں کے فقیر
علم و حلم و کرم و جود کی افواجِ کثیر
یہ امیر، ابنِ امیر، ابنِ امیر، ابنِ امیر

سائو آدیہ پوتے اسد اللہ کے ہیں
یدِ بیضا کی قسم ہاتھ یداللہ کے ہیں

وہی عادات، وہی نفس، وہی قلب و ضمیر
بات جو منھ سے نکل جائے وہ پتھر کی لکیر
وحی کی لوحِ جبیں، امرِ خدا کی تقدیر
عمر میں طفل۔ ارادے میں جواں، علم میں پیر

خضر کی عمر ہے کتنی کوئی گن کے دیکھے
چھ ہزار ان کے برس۔ چھ برس ان کے دیکھے

اک دن استادہ سرِ راہ تھا یہ رشکِ قمر | کھیلتے تھے وہیں کچھ طفل بھی، محرومِ نظر
سن میں، قامت میں، سب اس چاند کے ہمسر تھے مگر | جہل کی وہ تھے شبِ تار، یہ دانش کی سحر

کھیل میں طفل کوئی ہنس کے جو خوش ہوتا تھا
شبنمِ صبح کے مانند یہ گل، روتا تھا

پھرتے پھرتے وہیں آنکلے کہیں سے بہلول | دوڑے دیوانہ سمجھ کر انھیں اطفال کے غول
تالیاں پیٹ کے کرنے لگے بچّے جو ٹھٹھول | غیظ آیا انھیں. جلنے میں پڑا حلم کے جھول

آنکھیں تصویر دکھلانے لگیں انگاروں کی
بھاگے اطفال، کہ سب نسل تھے فرّاروں کی

طفلِ گریاں سے کہا مڑ کے یہ بہلول نے اب | اے مہِ برجِ متانت! ہے تمہیں رونے کا سبب
میں تجھے کھیل کا ساماں ابھی لا دیتا ہوں سب | بولا وہ لہو و لعب، حق کا غضب، بندۂ رب

تیرہ بختی میں کروں کسب سعادت کی جگہ
کھیل کی جا ہے یہ دنیا کہ عبادت کی جگہ

طفلِ معصوم کے لبہائے گلابی کے ورق | ہو گئے غنچۂ سربستہ جو دے کر یہ سبق
بولے بہلولِ خجل۔ پونچھ کے ماتھے کا عرق | کس نے ڈالا ترے کانوں میں یہ آویزۂ حق

آپ بولے یہ سبق میں نے جو دہرایا ہے
کیا یہ قرآن کی آیت میں نہیں آیا ہے

پارہ اٹھارواں دیکھ اور چھٹا اُس کا رکوع | پڑھ وہ آیت، بہ تفکّر، بہ تاثّر، بہ خضوع
بعدِ ہمزہ، فحسبتم سے ہوئی ہے جو شروع | جس میں یہ کہتی ہوئی صبحِ ہدایت ہے طلوع

تم نے خلقت کو اگر لہو و لعب جانا ہے
کیا پلٹ کر مری محفل میں نہیں آنا ہے

طفلِ شش سالہ نے برسائے جو دانش کے یہ پھول   دنگ تھا سن کے بُہلول، یہ شیدائے رسولؐ
عرض کی۔ اے گُلِ رنگینِ گلستانِ اصول   کیا ہوا تھا تمہیں کیوں روئے تھے تم ہو کے ملول

ہے عبث فکر، کوئی وجہ تفکّر ابھی نہیں
تم تو معصوم ہو عصیاں کا تصوّر ہی نہیں

سن کے بولا وہ گُل اندام بہ چشمِ گریاں   میں نے اِن آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اکثر اماں
موٹی لکڑی کبھی رکھ دیتی ہیں چولہے میں جہاں   پھونکتے پھونکتے بھر جاتا ہے آنکھوں میں دھواں

لکڑیاں چھوٹی جو دو چار لگا دیتی ہیں
وہ بڑی لکڑیوں کو دم میں جلا دیتی ہیں

دیکھ کر کھیل یہاں مجھکو ہے وسواس یہی   جب وہاں نارِ سقر حشر میں روشن ہوگی
پتلی پتلی ہیں انہیں پھولوں کی جو دبلی پتلی   قیس کی پسلیوں سے، انگلیوں سے لیلیٰ کی

یہ سہارا نہ بنیں، آگ لگانے کے لیے
قامتیں ہیں جو طویل، ان کو جلانے کے لیے

سن کے یہ، رہ گئیں بُہلول کی آنکھیں کھل کر   عرض کی۔ اے مہِ اوجِ شرفِ فکر و نظر
چشم بد دور! یہ سِن اور یہ معارف کے گُہر!   کس گھرانے سے ہو تم۔ کون تمہارے ہیں پدر

آپ بولے۔ مرے بابا کو علی کہتے ہیں
جد وہ ہیں جن کو پیمبرؐ بھی ولی کہتے ہیں

سن کے بُہلول نے یہ، چوم لیے بڑھ کے قدم   "تم حسن ابن علی ہو"، یہ پکارے بہم
پھر ترنگ آئی چلے بھرتے ہوئے آل کا دم   مرحبا، صلِّ علیٰ، کہتے ہوئے دم بہ دم

واقعہ درج کیا ہے یہ بڑے شخص نے
کلکِ تصدیق سے "ابن حجر مکی" نے

سے یہاں اپنے معنی میں ہے اور
مصرع ۳ میں تجزد محاورہ لہذا ایطا نہیں۔

قول ان کا ہے سند، کیونکہ نہیں یہ جامی | یہ تو وہ ہیں، جو کھرے میں بھی نکالیں خامی
اک کتاب اور بھی پڑھ لیجے "شواہد" نامی | جس میں ہیں جام ولا پی کے ثنا خوان جامی

مدح اپنے جو کریں، کہتے ہو دیوانے ہیں
یہ تو اپنے نہیں، مانے ہوئے بیگانے ہیں

جامۂ مدح میں جامی نے یہ ٹانکے ہیں گہر | "مستعین" آلِ محمد سے جو پھیرے تھا نظر
قتل پر عسکریِ پاک کے باندھے تھا کمر | دل پسند اس کا تھا اک اسپ، کہ کھیتا تھا عمر

مختلف ظاہر و باطن تھے، منافق کی طرح
بس سے انسان کے باہر، دلِ عاشق کی طرح

ٹاپ ایسی کہ خجل توپ کے گولے کی دھمک | سرکشی وہ، کہ فرشتے کو ہو شیطان کا شک
روشنی سے جو بھڑک تھی، تو اندھیرے سے چمک | ڈر کے فرار ہو، مارے جو ہوا کو بھی ٹپک

کر دے مالک کو بھی پامال، یہ تیاری تھی
اسپ کے بھیس میں وہ شمر کی عیاری تھی

منھ کی وہ کھائے، جو دے باگ دہن کے اندر | جو کسے زین، اسے کس کے یہ مارے ٹھوکر
لات سے بات ہو، جو ہاتھ رکھے پٹھے پر | پشت کے بل وہ گرے بیٹھے جو بالا لے کر

یہ الف ہو کے مشابہ جو الف سے ہو جائے
ورق خاک پہ اسوار وہیں ب ہو جائے

اک نمک خوارِ خلافت نے خلیفہ سے کہا | عسکری کو ابھی اس گھوڑے پہ بلوا کے بٹھا
یہ جو تابع ہو تو پھر شوق ہو تیرا پورا | گر کچل ڈالے پہ تیغ کر تو سکوں تجھ کو ملا

سے بنی عباس میں سے ایک خلیفہ تھا نہ واقف کہ وہ ہاریں گے کسی طور نہیں کو دولتیاں مار کر گرا دے
کا نام سے بدلگام جو سواری وارث صاحب دلدل ہیں، کوی اور نہیں سے دولتی

اس طرف تو یہ عزازیل نے شوشہ چھوڑا | عسکری سے ادھر الہام نے رشتہ جوڑا
کس کے جبریلِ امیں نصرتِ حق کا گھوڑا | لائے منکر کے لیے قہرِ خدا کا کوڑا
طلبی آئی خلیفہ کی، شہِ پاک چلے
وحی و اعجاز بہ کف بسرورِ لولاک چلے

احمدؐ و حیدر و زہراؑ کی کرامت، ہمراہ | حسنینِ شہِ بطحا کی سیادت ہمراہ
عابد و باقر و جعفر کی جلالت، ہمراہ | کاظم و شاہِ خراساں کی روایت ہمراہ
بڑھ کے تقوے نے صدا دی کہ تقی آتے ہیں
شانِ رفتار پکاری کہ نقی آتے ہیں

صولت و شوکت و حلم و کرم و جود، لیے | ہر قدم، زیرِ قدم، منزلِ مقصود لیے
کُن کے اسرار لیے، ہست لیے۔ بود لیے | سطوتِ عبد لیے، جلوۂ معبود لیے
فرق پر سایہ فگن رحمتِ باری آئی
دھوم سے ہادیِ دوراں کی سواری آئی

لوگ اِصطبل میں جو بہرِ تماشا تھے ڈٹے | اُن کا غوغا ہوا کم، قلب ہلے۔ زور گھٹے
آگیا راہ نما۔ راہ سے رہوار ہٹے | جانور جھک گئے تعظیم کو۔ حُسّاد کٹے
فرسِ شہ اسی گھوڑے کے قریں رکنے لگا
وہ ہوا رام، کہ تسلیم کو سر جھکنے لگا

اترے رہوار سے مولا۔ اسی رہوار کے پاس | باگ دی۔ زین کسا۔ بے خطر و بے وسواس
لوگ دیکھا کیے حضرت میں بہ حد خوف و ہراس | جیشِ شیرِ خدا، رعبِ جنابِ عباس
راکبِ دوشِ تقی زینتِ رہوار ہوئے
یال پر ہاتھ رکھا، پشت پر اسوار ہوئے

چھوڑ دی باگ جو حضرت نے تو رہوار چلا
رہ گئی پیچھے ہوا۔ صورتِ طیّار چلا
عرق آیا۔ صفتِ ابرِ گہر بار چلا
پار کی حدِّ نظر۔ نور کی رفتار چلا

نہ زمیں پر، نہ فضا میں، نہ سما میں ٹھہرا
عملِ خیر جو تھا، علمِ خدا میں ٹھہرا

مرضیِ شہ پہ چلا شرع کی راہوں میں پھرا
مسلکِ اعجاز و کرامت کی پناہوں میں پھرا
نہ فقیروں کے شبستاں میں نہ شاہوں میں پھرا
ہم نے دیکھا کبھی نہیں اور نگاہوں میں پھرا

سَیر کے نقطۂ اول پہ بالآخر آیا
سب جہاں جمع تھے، پھر پھر کے وہیں پھر آیا

امتحاں گاہ میں آکر جو وہ رہوار رکا
شورِ تکبیرِ فلک گیر سے گونجی وہ فضا
پشت سے مالکِ رفرف کا خوزادہ اترا
اب خلیفہ کا جو سائیس بڑھا حشر ہوا

دم میں گھوڑے نے برا حال کیا لاتوں سے
بھوت لاتوں کے کہیں مانتے ہیں باتوں سے

مچ گیا شور۔ کہ اے امتِ دنیا پرور!
ہوسِ ہمسریِ عترتِ اطہار نہ کر
بدلگامی کو جو چھوڑا تھا فرس نے دم بھر
یہ امامت کی کرامت تھی، ولایت کا اثر

خود فضا نے یہ سخن اپنے طبق پر لکھے
جب "تو جامی" سے مورّخ نے ورق پر لکھے

ایسے ایسے بہت اعجاز دکھاتے تھے حسن
معترف پھر بھی نہ ہوتے تھے علی کے دشمن
فکرِ مسلم کو ہے دعوت یہ "صواعق" کا سخن
قحط اک بار پڑا دشت و چمن بن گئے بن

شاہدِ دردِ خلافت تھی زمیں صحرا کی
منتشر جبکہ نمازیں ہوئیں استسقا کی

سر پٹکنے سے خلیفہ کے نہ جب کام چلا | تھا قومِ نصاریٰ کے بڑھے بہرِ دعا
ہاتھ راہب کے اٹھے جھوم کے بادل اٹھا | ایک جل تھل ہوئے اس زور سے پانی برسا

کاتبِ وقت، لیے خامۂ تاریخ اٹھے
ہم ہیں عیسائی مسلمان یہ سب چیخ اٹھے

دیکھتے دیکھتے اسلام کا وہ شہرِ حسیں | بن گیا قومِ نصاریٰ کا ریاضِ رنگیں
وارثِ شرعِ مبیں کو جو یہ خبریں پہنچیں | غیرتِ حق کا عصالے کے اٹھے قبلہ دیں

تھا یہ مقصود کہ اس کفر کا بازو توڑیں
معجزے، راہبِ مکار کا جادو توڑیں

سوئے صحرا ہوئے کرتے ہوئے چیلنج رواں | آئیں میدان میں پھر اک بار نصاریٰ ہیں کہاں
وہ بھی حاضر ہوں جو کل تک تھے مسلمان یہاں | شورِ ناقوس دبا دے گی وہ ہم دیں گے اذاں

دشتِ تحقیق میں سب مکر کا لاشا دیکھیں
امتحانِ حق و باطل کا تماشا دیکھیں

تھی تحدّی یہ امامت کی تو پہنچی تا دُور | جس طرح حجتِ آخر کی صدا وقتِ ظہور
جمع سب چشم زدن میں ہوئے مولا کے حضور | بولے راہب سے۔ اِدھر آؤ! بڑے ہو جو غیور

کل جو اونچا ہوا تلبیس کا پانی سر سے
پھر کرو آج دعا، پھر وہی پانی برسے

سن کے وہ ہاتھ اٹھانے جو لگا بہرِ دعا | شہ نے ہاتھوں کو بہ اندازِ امامت دیکھا
ہاتھ کھڑا گئے جب تیرِ نظر یاں سے چلا | ہاتھ اٹھا تو سہی، ہاتھ میں جو کچھ تھا گرا

ہوش اڑے، گھوم گیا سر کہ بس اب بات گئی
اڑ گئے ہاتھوں کے طوطے۔ وہ کرامات گئی

وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ یہ شے جلد اٹھا | دستِ الہام میں لے کر اسے مولا نے کہا
استخواں تھا وہ پرانا کسی پیغمبر کا | جس کے صدقے میں دعا ہوتی تھی مقبولِ خدا

گو کہ آج اس نے یہ راہب کا شرف پایا تھا
تھا کفن چور، کسی قبر سے لے آیا تھا

اب دعا کیسی کہ خود بھی وہ ہوا نامقبول | استخواں گاڑ کے مٹی میں اٹھے جانِ رسول
منتظر اِن کی دعا تھا، اُدھر بابِ قبول | ہونٹ ہلتے ہی ہوا چرخ سے باراں کا نزول

دستِ فیاضِ ید اللہ کی صورت برسا
نہ سوا اور نہ کم، حسبِ ضرورت برسا

دل سے سب مان گئے یہ کہ بہ تائیدِ صمد | ہر بلا ٹلتی ہے مانگو جو ائمہ سے مدد
مکرِ راہب سے وہ مسلم جو ہوئے تھے مرتد | کر کے توبہ وہ پکارے کہ "ہو اللہ احد"

گر حسن دین کا اُس دن نہ سہارا ہوتے
آج لاکھوں جو مسلماں ہیں، نصارا ہوتے

یہ صلاتین یہ صیام اور یہ زکات و خیرات | یہ اذانوں کی فلک بوس صدائیں دن رات
یہ بخاری کی روایات یہ کافی کے نکات | اِن کی ہے وجہِ بقا، عسکریِ پاک کی ذات

یہ نہ ہوتے تو سب انجیل کے قاری ہوتے
حاجی صاحب بھی کلیسا کے پجاری ہوتے

شمعِ ایوانِ شریعت ہیں، یہ زہرا کے قمر | پھر بھی جلتے ہی رہے ان سے سدا بانیِ شر
ہر زمانے میں ستایا اِنھیں موقع پا کر | ہائے وہ قیدِ ستم وہ حسنِ خستہ جگر

بھوک میں پیاس میں پانی نہ غذا پاتے تھے
فاقہ کش اشک جو پیتے تھے تو غم کھاتے تھے

معتمدؔ کا تھا زمانہ کہ ہوا ظلم یہ آہ | دے دیا زہر شقی نے انھیں، بے جرم و گناہ
چند لمحے بھی نہ گزرے کہ تڑپنے لگے شاہ | آئی زہراؑ کی یہ آواز کہ انا للہ

جاں بلب ہے مرا فرزند دہائی بابا
مر کے اب قید سے کیا ہوگی رہائی بابا

کسی پہلو مرے بچے کو نہیں ہے آرام | کروٹیں لیتا ہے بستر پہ تڑپ کر گلفام
آ کے بالینِ حسن پھر یہ کیا رو کے کلام | رونے والے مرے شبیرؑ کے تجھ پر ہو سلام

نزع کا وقت ہے اور عالمِ تنہائی ہے
سر ترا گود میں لینے کو بتولؑ آئی ہے

کرب میں نام جو شبیرؑ کا دادی سے سنا | کربلا پھر گئی نظروں میں، بہ صد کرب و بلا
ہاتھ ماتم کو اٹھے، بھول گئے غم اپنا | لب پہ نوحہ تھا کہ دادا مرے مذبوحِ قفا

بیکس و مضطر و ناچار حسینؑ ابنِ علیؑ
علی اکبرؑ کے عزادار حسینؑ ابنِ علیؑ

ہائے حضرت نے نہ کس کس کو سسکتے دیکھا | نعشِ عباسؑ کو دریا پہ پھڑکتے دیکھا
پیاس سے اصغرِ بے شیر کو تکتے دیکھا | پیاس سے بالی سکینہ کو بلکتے دیکھا

پڑھ کے یہ نوحۂ غم، غم کو بڑھاتے بھی رہے
خود بھی روتے رہے، دادی کو رلاتے بھی رہے

قیدِ زنداں کے مصائب کی نہ حد تھی نہ شمار | بندشِ آب و غذا، اور تنِ زار و نزار
روز پڑھتے تھے تیمم سے نمازیں ناچار | اشقیا، پینے کو دیتے تھے نہ پانی زنہار

اینٹھ جاتی تھی زباں، ہونٹ بھی پپڑاتے تھے
تشنگی کو جو کئی روز گزر جاتے تھے

کربلا دیکھ تو جا آن کے یہ خشک گلا | پانچ دن گزرے کہ اس پیاسے کو پانی نہ ملا
رو کے فرماتے، یہاں ہوتے جو شاہِ شہدا | اس دہن میں تو ہیں کانٹے علی اکبر کے سوا
جاں بلب پیاس کی شدت سے جو یہ ہوتے تھے
یاد کر کے علی اصغر کی عطش روتے تھے

گھر میں اپنے تھے نظر بند جو مولائے انام | دو ہی مونس تھے یہاں! ایک کنیز ایک غلام
اک نگاہوں سے نہاں پانچ برس کا گلفام | اس کو لپٹائے ہوئے سینے سے کہتے تھے امام
تم کو گھر بار، تمھیں عقدہ کشا کو سونپا
باپ رخصت ہے مرے لال خدا کو سونپا

آج ہے آٹھویں تاریخِ ربیع الاول | غرقِ اشکِ غمِ شبیر ہیں آنکھوں کے کنول
میرے مرنے سے پڑے ماتمِ شہ میں نہ خلل | ہو جو غیبت بھی، تو جاری رہے یہ طرزِ عمل
جانِ زہرا کے لیے اشک بہانا بیٹا
ہر جگہ مجلسِ شبیر میں جانا بیٹا

ناگہاں پیاس لگی پینے کو پانی مانگا | دوڑ کر آبِ خنک لائی کنیزِ مولا
جام کو دیکھ کے یاد آ جو گیا خشک گلا | ہائے شبیر کہا اور وہیں دم توڑا
گر گئے تکیے پہ تیورا کے بس اک بار حسن
چل بسے پیاسے ہی، پیاسے کے عزادار حسن

دوستو حسبِ تمنائے امامِ کونین | مجلسِ غم میں ہیں مہدی بھی، ہمارے مابین
دل سے آتی ہے یہ آواز بہ صد شیون و شین | السلام اے شہِ دیں، منتقمِ خونِ حسین
اشکِ غم نذرِ امامِ دوسرا کرتا ہوں
تعزیت آپ کے بابا کی ادا کرتا ہوں

حاضرِ مجلسِ ماتم ہیں جو شیدائے امام
عرض کرتے ہیں یہ سب بھی شہِ والا کو سلام

ہائے کن لفظوں میں دیں آپ کو پرسا یہ غلام
ہے بھرے گھر کی عزا، پھر ستم کوفہ و شام

قاسم و اکبر و اصغر کے لیے رونا ہے
ایک دو کیا کہ بہتّر کے لیے رونا ہے

روک لے خامۂ گریاں کو نسیمِ دلگیر
کر دعا بارگہِ حق میں کہ اے ربِ قدیر

میں نے جو سندھی و اردو میں لکھی ہے تفسیر
تیری توفیق سے ہو جلد وہ تکمیل پذیر

اب تجھے عسکریِ طیّب و طاہر کی قسم
آلِ امجاد کے اس پہلے مفسّر کی قسم

کس کی آمد انقلابِ نو بہ نو لانے کو ہے | کس کی ہیبت سنسنی دنیا میں پھیلانے کو ہے
چپ بھی ہے قرآں "جاء الحق" بھی زمانے کو ہے | بڑھ رہی ہے دل کی دھڑکن۔ اب کوئی آنے کو ہے

میکدہ ۱۵ اجڑا ہوا آباد کرتا ہے کوئی
ہچکیاں لیتا ہے مینا۔ یاد کرتا ہے کوئی

للہ الحمد! آج ہے پھر بادہ خواروں کا جماؤ | شربتِ دیدار سے مٹنے کو ہیں فرقت کے گھاؤ
کہہ رہا ہے دم بہ دم، دورِ جہاں کا چل چلاؤ | کوثرِ رندو، ولا کی لہریں ہیں موجیں اڑاؤ

گردشِ گردوں کا کوئی غم نہیں۔ پیہم پیو
دم کرو نادِ علی ہر گھونٹ پر ہر دم پیو

ساقیا یہ بادہ نوشانِ خُمِ غدیر | سب گدا۔ اور تیرے فیضِ خاص سے دل کے امیر
تیری ڈیوڑھی پر مرید، اور ہر جگہ پیروں کے پیر | یہ بھکاری، تیرے ہاتھوں کی لکیروں کے فقیر

خیر ہو پیمانے کی تیرے، سبو کی۔ جام کی
بھیک مل جائے انہیں، ہمدردیِ دیں کے نام کی

نام لیوا ہیں ترے اے ساقیِ عالی نژاد | جن کے عصیاں کو بھی ہے وقفِ ولا پر اعتماد
سب سبق بھولے، مگر آدابِ میخانہ ہیں یاد | مر چکیں روحیں، مگر زندہ ہیں دل، پائندہ باد

پشت پر دستِ خدا ہے، جس سے بالادست ہیں
باوفا ایسے۔ تجھے دیکھا نہیں اور مست ہیں

۱۵ ۲۴ مقامات پر پورے مرثیے میں اس طرح نمبر ڈالے گئے ہیں ان کا حاشیہ مرثیہ ختم ہونے پر درج ہے۔

یہ گدایانہ طبیعت، رندِ شاہانہ مزاج | آستانے پر ترے بیٹھے ہیں دھرنا دے کے آج
خاک ہے ان کی نگاہوں میں دو عالم کا خراج | جام مل جائے تو پھر ٹھوکر پہ سارے تخت و تاج

ان کی جانیں تک مودت کی لگن میں صرف ہیں
یہ علی سے رکھتے ہیں نسبت وہ عالی ظرف ہیں

پھر اٹھیں ساقی! وہی صہبا پلا حسبِ مذاق | خلد میں گلرنگ ہیں جس سے نبیوں کے رواق
جس کی ہے بے حرمتی اتنی دلِ فطرت پہ شاق | نوح کا بیٹا بھی منکر ہو تو ہو جاتا ہے عاق

آیتوں کے جام ہیں کیوں ہوں رسولوں پر گراں
رنگ پھولوں کا نہیں ہوتا ہے پھولوں پر گراں

حرمتِ صہبا سناتا ہے جو زاہد خاک میں | دَور اب اس کا ہے لازم گردشِ افلاک میں
کیوں یہ مے واجب نہ ہو دینِ شہِ لولاک میں | جا بجا ذکرِ مودت ہے کتابِ پاک میں

ہے برابر وزن، میزانِ نظر میں تولیے
آتی ہے اس مے کی خوشبو جب بھی قرآں کھولیے

جو زمیں پر اک عطائے آسمانی ہے وہ مے | جس کا میخانہ مری قرآن خوانی ہے وہ مے
جس کے آگے حوضِ کوثر پانی پانی ہے وہ مے | جو زلیخائے شریعت کی جوانی ہے وہ مے

منھ کھلا مینا کا۔ جنت کی ہوا آنے لگی
قہقہے کے بدلے حق حق کی صدا آنے لگی

زاہدو! تم بھی پیو، جو روحِ کوثر ہے وہ مے | جس سے دامن انبیائے پاک کا تر ہے وہ مے
جس کی بوتل مغفرت کا سب کی مظہر ہے وہ مے | جو مرے قرآں کے پھولوں کا معطر ہے وہ مے

کوئی شے ایسی لطیف اسلام کی حد میں نہیں
جو نہیں مے نوش وہ دینِ محمدؐ میں نہیں

اب تو جی بھر کر پیو، چھک کر پیو۔ ڈٹ کر پیو
بانٹ کر سب کو پیو، لیکن نہ خود بٹ کر پیو
بادہ نوشانِ ریائی سے مگر ہٹ کر پیو
ہوں خراباتی جو رند، ان سے ذرا کٹ کر پیو

اس دوئی میں بھی ہیں تیور، کفر کی تمہید کے
دائرے میں پہلے آنا چاہیے توحید کے

نام پر اُس کے پیو، جو ہے امام منتظر
جس کے پردے سے، اُلوہیت کی شانیں جلوہ گر
گر نظر آجائے۔ تو دیکھا کریں اہل نظر
غیب میں ہے کبریا، غیبت میں یہ رشکِ قمر

عام ہے اب اذنِ جلوہ مطلعُ الانوار کو
کہہ دے موسیٰ سے کوئی۔ آجائیے دیدار کو

عقل و فہم و دانش و بینش، شعور و لاشعور
ظاہر و باطن کی دنیا۔ عالم غیب و حضور
باد و باراں و سحاب و آب و خاک و نار و نور
سب ظہورا جس کا ہے اُس کے ہیں آثارِ ظہور

ہر بدی نیکی ہے اب پیدا یہ صورت ہو گئی
قتل و خونریزی سے تمہیدِ قیامت ہو گئی

بھر گئے غدّاری و غارتگری سے چار دانگ
کعبۂ رب سے اذاں کی اٹھنے ہی والی ہے بانگ
ظلم کی شورش ہیں ہر جانب، عدالت کی ہے مانگ
ان کے چہرے فق ہیں جو بھرتے تھے ملّائی کا سوانگ

غفلتیں، سرمستیاں، نیندیں، بس اب جانے کو ہیں
جاگ اٹھی دنیا تمام، اصحابِ کہف آنے کو ہیں

زلزلے۔ طوفاں، حوادث۔ رشوتیں۔ دھوکے غرور
والی و قاضی و مفتی، بے خبر۔ نشّے میں چور
بادہ نوشی۔ حق فروشی۔ کذب۔ تہمت مکر و زور
شاہدِ غیبت کی ہیں ساری علاماتِ ظہور

ظلم ہے اور ظلم سے بڑھ کر یہ استبداد ہے
خواب گونگے کا ہر اک مظلوم کی فریاد ہے

حکمراں اکثر ہیں فاسق۔ شر کے سانچے کے ڈھلے | اور وزیران کے ہیں کاذب عیش و عشرت کے پلے
لے کے نذرانے۔ عدالت کر رہی ہے فیصلے | جیسے مولی اور گاجر، کٹ رہے ہیں یوں گلے

ناگہانی موت ارزاں، زندگانی ہے گراں
خون ہے پانی کے مول اس وقت، پانی ہے گراں

وہ بنائے جاتے ہیں عامل، جو احمق اور سفیہ | وہ ہیں ناقابل، نکالیں حکمِ باطل ہیں جو فیہ
جابجا ہر دم نظر آتے ہیں یہ منظر۔ کریہ | زن مشابہ مرد سے اور مرد عورت کی شبیہ

کر رہی ہیں انجمن سازی زنانِ زندہ دل
لے گئیں مردوں سے بھی بازی زنانِ زندہ دل

بن رہی ہیں اونچی اونچی منزلیں، گردوں طواف | پست سے ہے پست سیرت، جس پہ دولت کا غلاف
شورشیں، ہلڑ، بغاوت، ہر حکومت کے خلاف | فتنہ پرور عالمانِ دین کا باہم اختلاف

لڑنے مرنے کو ہمیشہ سورما تیار ہیں
مصلحِ عالم کی آمد کے یہ سب آثار ہیں

اہلِ باطل اُس طرف، تولے ہوئے ہیں تیغِ کیں | اِس طرف ہے منتشر، شیرازۂ حبل المتیں
روز و شب آپس میں ہیں دست و گریباں اہلِ دیں | ہے شکم حلووں سے پُر، باتیں ہیں تلخی آفریں

کب بھلا یہ خانہ جنگی کام ہے اسلام کا
مسئلے ہیں سب سیاسی، نام ہے اسلام کا

پارہ پارہ ہو گئے اجزائے قومِ بدنصیب | وہ مرض کرتے ہیں اب پیدا جو پہلے تھے طبیب
کچھ کی کچھ کہنے لگے آ کر سرِ منبر خطیب | صبح "حتیٰ مطلعِ الفجر" آ گئی بالکل قریب

تیغِ حیدرؑ[1] میاں میں جوہر کے سلجھاتی ہے بل
بل نکالے موذیوں کے اس لیے کھاتی ہے بل

[1] جو اس وقت امام غائب کے پاس ہے۔

یہ وہی تلوار ہے خیبر شکن، مرحب شکار | بے مثال و بے بدل، لاسیف الا ذوالفقار
تند و تیز و شعلہ ریز و برق خیز و آبدار | زن سے جب آ کر بزن بولے قضا ہو بیقرار
دامنِ فیاض میں زخموں کی ارزانی لیے
صورتِ عباس غازی، دوش پر پانی لیے

وہ بناوٹ ہے حسیں، جس طرح گھونگٹ میں دلھن | ابروئے کج کے خطِ تقدیر کا سا بانکپن
ہلکی پھلکی مثلِ گل اور سرشگافِ وصف شکن | حیدرِ کرار کے پُرغیظ ماتھے کی شکن
آنچ ہے اس میں غضب کی جو کبھی جلتی نہیں
جز امامِ وقت دستِ غیر سے چلتی نہیں

جب جھکے طاقِ حرم ہے، جب اٹھے شورِ اذاں | جب ملے دستِ حسیں ہے، جب کھنچے روحِ رواں
جب چلے تیرِ نظر ہے، جب چبھے نوکِ سناں | جب گرے برقِ تپاں ہے، جب نکھرے چشمِ بتاں
بختِ حُر لڑنے میں ہے اُڑنے میں عزرائیل ہے
جب مڑے رحمت کا رخ ہے، جب اُڑے جبریل ہے

دیکھتی ہیں میرے باطن کی نگاہیں یہ سماں | پھر یہی تیغِ علی لاتے ہیں مہدیِ زماں
فرق پر سایہ فگن ہے دینِ احمد کا نشاں | پاؤں میں نعلینِ احمدؐ، تھی جو تاجِ لامکاں
آنکھ میں سمٹی ہوئی ساری بہارِ کائنات
ہاتھ میں مثلِ محمدؐ اختیارِ کائنات

زیرِ راں وہ رخش جو سرعت میں ہے مانندِ نور | سازِ قدرت ساز جس کا، زین جس کا رشکِ طور
شہپرِ جبریل کی کلغی، عنانِ زلفِ حور | نور کا توسن ہے یہ، نورِ علی نورِ حضور
بے تکان اس طرح جائے اسلحہ کی دھار پر
جیسے چلتی ہے امامت مرضیِ غفار پر

سر بسر پتلی کمر، سینہ کشادہ، سُم بڑے
نعل بر تاب و تجلّی، جیسے ماہِ نو جڑے
گردِ ہو آندھی جو اس توسن کی سرعت سے لڑے
کیل اک اک ان کی وہ، جو قلبِ باطل میں گڑے
ہے خجل مشکِ ختن یالِ سیہ سے۔ ماند رات
نعل جس پر ان اس کے باندھے جائیں وہ دن چاند رات

دم قدم سے اس کے راکب کے جو ہیں کُل خشک و تر
اس فرس پر راکبِ دوشِ پیمبرؐ کا پسر
ابلقِ لیل و نہار اس کی ہے گردِ رہ گزر
جیسے رف رف پر شبِ اسریٰ رسولِ بحر و بر
مدح مولا کی طرح، اس کی بھی مدحت فرض ہے
یہ امامِ عصر کا اعجازِ طئِ آرض ہے

ایسا مرکب لاجواب اور ایسا راکب بے بدل
صورتِ شیرِ خدا، خیبر کشا، ابرو پہ بَل
دوش پر جس کے قبائے حیدری ہے برمحل
پائے محکم کی دھمک، حیّ علیٰ خیر العمل[سه]
شور ہے کہہ دے کوئی جا کر سعود ستاں سے
فتح مکہ کو علی آئے نبیؐ کی شان سے

روئے روشن سے عیاں ہے تابشِ خُلقِ حسن
چال ڈھال ایسی کہ یاد آجائیں شبّر کے چلن
ہے تواضع ان کی خو، کہتی ہے رخ کی ہر شکن
فرق پر ہے سبز عمامہ۔ ہرا ہے پیرہن
یادگارِ مجتبیٰ ہیں۔ صُلحِ کُل ہر گام ہیں
ساری دنیا کے لیے یہ امن کا پیغام ہیں

سر سے یوں باندھے ہیں دستارِ رسولِ مشرقین
سورۂ والفجر[عه] لب پر ہیں گو یا دفتین[عه]
کربلا کے بن میں جیسے فاطمہ کے نورِ عین
ہر قدم صبر و سکوں کہتا ہے۔ آتے ہیں حسین
کانپتے ہیں ظلم و ظالم یہ جلالت دیکھ کر
منھ چھپاتا ہے یزیدِ عصر صورت دیکھ کر

سه نیک کام کی طرف جلدی آؤ
عه یہ سورہ امام حسین سے منسوب ہے
عه قرآن پاک کی جلد کے دونوں پٹھے

دونوں رخسارے ہیں آئینہ غمِ شبیر کا | گھل گئے ہیں روتے روتے صورتِ زین العبا
ہے جبینِ پاک پر سجدے کی مہرِ پُرضیا | پرتوِ سجاد ہے، اِس رخ سے روئے باصفا

فتح و نصرت کی دعاؤں کا وظیفہ دیکھیے
شکلِ مجموعی میں ہے شانِ صحیفہ[۱] دیکھیے

کہہ رہا ہے یہ جبیں کا جلوۂ حسنِ قبول | یہ گلِ گلزارِ باقر، باغِ حکمت کے ہیں پھول
نشترِ الہام ہے ان کا جو میراثِ رسولؐ | بال کی بھی کھینچ لے گا کھال، از راہِ اصول

اُس ولی اللہ کا ورثہ ہیں اِن کے کُل علوم
جعفری مسلک کا سرچشمہ ہے جو بحرُ العلوم

کُھل کے گویا ہیں لبِ گویا دمِ حق پروری | صدقِ جعفر کی ہمارے دم سے ہے کھیتی ہری
ہر قدم شاہد ہے حضرت کا طریقِ رہبری | مسلکِ فقہی کی رو سے آپ بھی ہیں جعفری

ہمسرِ قرآن، وارث مصحفِ ناطق کے ہیں
پوتے صادق کے، نواسے، مجزِ صادق کے ہیں

روئے انور کی متانت، حلمِ کاظم کا جواب | خاکساری ان کا ورثہ۔ جانشینِ بوتراب
رحم دل آنکھوں کا ہے اربابِ بینش نے خطاب | غیظ اس دربارِ رحمت میں نہیں ہے باریاب

ہیبتِ موسیٰ بھی ضبطِ موسیٰ دوراں بھی ہے
معنیِ "الکاظمین الغیظ"[۲] کا عرفاں بھی ہے

چشم و ابرو کی ثقاہت، ضامنِ خوئے رضا | ان کی جو مرضی، وہی بالکل رضائے کبریا
ہاں دلا دے کفر اگر غصہ، تو ہیں شیرِ خدا | حکم دیں جس کو وہی کر دے ابھی محشر بپا

آدمی تو آدمی، حیواں پکارے یا علی
شیرِ قالیں غیظ میں اٹھ کر ڈکارے یا علی

[۱] امام زین العابدین کی دعاؤں کا مجموعہ جس کا نام صحیفۂ کاملہ ہے۔

[۲] مقام مدح میں قرآن کا فقرہ غصے کو پی جانے والے۔ امام موسیٰ کاظم میں یہ صفت بہ حدِ کمال تھی۔

زہد ایسا ہے، کہ پایا جدّ اعلیٰ کا مقام
وہ تقیِ پاک تھے، ان پر بھی تقویٰ ہے تمام
مفتخر ہے آپ کے بچپن پہ دورِ صبح و شام
ہیں تو یوں ہادی کی صورت یہ بھی طفلی میں امام
ان کے دیکھو پانچ سال اور ان کے دیکھو نو برس
خضر ان کے مقتدی ہیں، عمر کتنے سو برس

ہیں جو دامن میں لیے، جانِ نقی، شانِ نقی
ارضِ بطحا پر مہکتا ہے گلستانِ نقی
جلوہ گاہِ طورِ سینا، شمعِ ایوانِ نقی
چودھویں کا ماہِ شعباں، بدرِ تابانِ نقی
مرتضیٰ جیسے ہیں یہ، ایسے ہی پُر ضو تھے علی
خود ہیں یہ چوتھے محمدؑ اور جدّ چوتھے علیعہ

شکل کہتی ہے۔کہ بابا ہیں انھیں کے عسکری
عسکرِ علم و عمل، جن کا جنودِ سروری
لکھ گئے تفسیرِ قرآں جو بہ کلکِ حیدری
لعل وہ خامے نے اگلے جن پہ صدقے جوہریسہ
منصبِ تحریرِ مقصد، بے طلب ان کو ملا
جو قلم احمدؐ نے مانگا تھا وہ اب ان کو ملا

ایسے اسلافِ معظّم کے مکرّم ہیں یہ لال
جن کے چہروں میں ہے اللہ جمیلؑ کا جمال
ظلم کی گردن اڑا دیں، مرکزی یہ ہے خیال
میاںشہ میں وہ سیف ہے، لا سیف جس کی نیک فال
کانپتے ہیں اہلِ باطل تیغِ حیدر دیکھ کر
کُند ہیں سب جوہری ہتھیار جوہر دیکھ کر

عہ امام علی نقی علیہ السلام پہلے علی بن ابی طالب، دوسرے علی بن الحسین، تیسرے علی بن موسیٰ الرضا چوتھے علی نقی۔

سہ یہ بھی ایک مفسر کا نام ہے۔

شہ اسے بروزن کتاب پڑھنا درست نہیں۔ نیام بروزن کتاب ہے۔

بے عمل دنیا کے تیروں کا جو ہے سینہ ہدف | ہے مصلّائے عمل کھوئے ہوئے پلکوں کی صف
رہ نمارِ وحِ نبیؐ، پشتی پہ سلطانِ نجف | کربلا دل میں بسی ہے، رخ ہے کعبہ کی طرف
بازوؤں سے انتقامی جوش ہے چمٹا ہوا
خونِ حیدر کا کلائی میں ہے سب سمٹا ہوا

جا کے ٹکرائی ہُما سے جب نگاہِ دور بیں | یاد آیا ایک مقتل، دل ہوا اندوہ گیں
لب چبا کر، غیظ میں بھر کر جو الٹی آستیں | تھرتھراتا ہے تزلزل، کانپ اٹھی ہے زمیں
زلزلے طبقے الٹنے پر اَڑے ہیں دیر سے
چرخِ گیتی کے بسیرے ڈالے کھڑے ہیں دیر سے

اب جماعت کا جو بیت اللہ میں ہے اہتمام | ہے مساواتِ حقیقی کا عجب دلکش نظام
ایک صف میں ہیں خضرؑ، اصحابِ کہف، اور خاص و عام | مقتدی ہے اک پیمبر، مقتدا ہے اک امام
وہ جو تھے مرعوب، عیسیٰؑ سے رسالت دیکھ کر
اِن کی صورت دیکھتے ہیں، اُن کی صورت دیکھ کر

مہدیِ برحق ہیں یہ، شکل و شباہت سے کھلا | ہو بہو نقشہ وہی ہے، جو پیمبرؐ نے کہا
مہدیِ کاذب بھی آئیں گے انھیں یہ علم تھا | اس لیے بتلا گئے حضرت، سراپا آپ کا
غایۃ المقصود[1] و اعلام الوریٰ ہیں دیکھیے
صاف آئینہ ہے قولِ مصطفیٰؐ میں دیکھیے

مختصر یہ ہیں علاماتِ وجودِ ارجمند | گندمی رنگت، مثالِ مصطفیٰؐ، خالق پسند
قد میانہ، بینیِ پُر نور باریک و بلند | جبہہ روشن کشادہ، چاند سے جو چار چند
آبِ دنداں رشکِ انجم، سر بسر گیسو گھنے
دوش پر زلفیں پڑی، آنکھیں بڑی ابرو گھنے

[1] ان دونوں کتابوں میں حضور کا بتایا ہوا امام مہدی کا سراپا درج ہے۔

وہ گھنے ابرو جو پیوستہ، خمیدہ، سر بسر
لیلۃ القدرِ مہِ شعباں کا عالم ریش پر
دل ہے منے رخسار پر تِل غیرتِ نجمِ سحر
دونوں رخسارے منور، ایک شب میں دو قمر

اپنے نانا سے مشابہ خال بھی اور بال بھی
خَلق بھی اور خُلق بھی افعال بھی، اقوال بھی

میرے باطن نے جو دیکھی ہے یہ صورت یہ سماں
صفحۂ تاریخ میں بھی یہ جمالِ ضَوفشاں
یہ تولّا کا اثر ہے، یہ عقیدت کا نشاں
مندرج صدیوں سے ہے بے اختلاف و بے گماں

سب نے مانا ہے کہ مہدی مژدہ حق لائیں گے
آ چکے غیبت میں ہیں، جب آئیں گے تب آئیں گے

وہ محمدؒ ابنِ طلحہ، جن کا مسلک شافعی
ابن عربیؒ یعنی محی الدینؒ دینِ حنبلی
وہ علیؒ بن محمدؒ مستند جو مالکی
رہبرِ احناف، قاری بے بدل ملّا علی

ساتھ ان سب کے جو عبد الحق محدث آئے ہیں
بزم میں جامیؒ بھی اک جامِ شواہد لائے ہیں

شیخِ با توقیر، ابن احمدِ خشّاب سا
ابنِ یوسف گنجوی۔ ملّا حسینِ باخدا
دولت آبادی شہاب الدین، مردِ پارسا
سبطِ ابنِ جوزیِ علامہ دشمعِ ہدیٰ

بزمِ مہدی کے مکیں ہیں شیخ شعرانی کے پاس
اور یہی لعل و جواہر ہیں بدخشانی کے پاس

شبلنجی نورِ بصیرت کی ہیں اک طلعت لیے
شیخِ قندوزی بھی قندِ دانش و حکمت لیے
اور علاء الدولہ سمنانی بھی ہیں دولت لیے
حضرت حجت کی غیبت کے لیے حجت لیے

زینتِ محفل سیوطی کے درِ شہوار ہیں
شیخ واعظ کاشفی بھی کاشفِ اسرار ہیں

سے اس میں ایطا نہیں کیونکہ یہ بطور حرف میں استعمال ہوئے ہیں۔
سے ضرورت شعری میں تسکین متحرک جائز ہے۔

جو بیاں ان کا وہی بالکل صوعق[22] کا بیاں | وہ صوعق جس کے معنی ہیں لغت میں بجلیاں
بجلیاں جو پھونکتی آتیں ہمارے آشیاں | اب وہی گر گر یہاں ہیں صرفِ تعمیر مکاں

صاف کرتے ہیں رقم ابن حجر[23] یہ پھر کے لال
"اعلم امت تھے بچپن میں بھی حیدر کے لال"

ہیں صحاحِ ستہ مشہور میں قائل بھی | ابن ماجہ، مسلم و مسند، بخاری، ترمذی
شمع لے کر ڈھونڈنے کی اب ضرورت کیا رہی | کافی و وافی ہے اک مشکوٰۃ ہی کی روشنی

یہ رقم ہے جس میں ختم وقتِ غیبت کے لیے
آئیں گے عیسیٰ سر دست ان کی بیعت کے لیے

غیبتِ مہدیِ دیں کے باب میں ائمہ بھی | اور ہے اجماع کس کا نام، قائل ہیں سبھی
شافعی و مالکی و حنبلی و جعفری | اِن مسالک کے سوا، سب سے سوا احناف بھی

قول ان کے رد کرے منطق میں اتنا دم نہیں
یہ سب اجماعِ سقیفہ سے عدد میں کم نہیں

جس قدر اس سلسلے کی ہیں روایاتِ حسن | یا صحابی کا بیاں، یا تابعی کا ہے سخن
آندھیوں میں بھی ہیں محکم تر یہ سب نخلِ کہن | ایک جھونکے کے ہیں باقی سارے برساتی چمن

رائے ایسے معتبر لوگوں کی گر صائب نہیں
دین ہی غائب ہے پھر مہدی اگر غائب نہیں

خضرِ دیں قبل از ولادت تھے یہ عیسیٰ کی طرح | بطن میں مادر سے باتیں کیں مسیحا کی طرح
حمل پوشیدہ رہا ان کا بھی موسیٰ کی طرح | بچپنے میں علم کی پیری تھی یحییٰ کی طرح

نورِ حق کی یہ کرامت عقل سے کب دور ہے
نور ہیں یہ۔ ان کی تاریخِ ولادت نور ہے

[22] معنی بجلیاں
[23] مراد حریف

یہ بیانات قوی جن کا تواتُر معتبر | مختلف انداز میں مہدی کی دیتے ہیں خبر
ہے کسی جا صاف غیبت، اور کہیں اس طور پر | ہیں یہی قائم، یہی باقی، یہی ہیں منتظر

کرسیاں ہیں مختلف سردار و منصب ایک ہے
پھیر ہے الفاظ کا، ہر پھیر کے مطلب ایک ہے

یہ جو ہیں انّیس مذکورہ حوالے مستند | چودھویں معصوم کی غیبت کے حق میں ہیں سند
اور بھی ہیں کچھ حدیثیں منکرِ غیبت کا رد | وہ نہ مانیں گے مگر، دل میں جو رکھتے ہیں حسد

یہ تو مانیں جو بیانِ محکمِ قرآن ہے
غیب پر ایمان لانا متقی کی شان ہے

حلق سے سینے میں قرآں کو اتاریں تو ذرا | اس کا دعویٰ ہے کہ حق آئے گا باطل جائے گا
اس جگہ "حق" سے اگر مطلب ہے دینِ مصطفیٰ | پھر تو "حق" آیا مگر باطل تو باقی ہی رہا

ہے بجز مہدی، وہ کون ایسا نگاہِ غور میں
ایک ہو گا دینِ کُل دنیا کا جس کے دور میں

جبکہ ان کے دم سے پھیلے گا جہاں میں دینِ حق | پھر تو یہ حق ہے کہ اس "حق" کے یہی ہیں مستحق
الٹیں پلٹیں منکرِ مہدی جو قرآں کے ورق | چار ہی آیات پڑھ پڑھ کر کلیجے ہوں گے شق

جو مفسر اس جگہ یہ ذکر لائے ہیں عظیم
شان میں مہدیِ برحق کی یہ آئے ہیں عظیم

یہ سبھی عالم۔ محدث۔ اہلِ علم۔ اہلِ کلام | منضبط اس مرثیے میں جا بجا جن کے ہیں نام
جائے غیبت، وجہِ غیبت بھی بتاتے ہیں تمام | یعنی اب کب، اور کہاں، اور کیوں ہوئے غائب امام

دل پہ منکر کے جو داغِ عمرِ طولانی بھی ہے
اس کو دھونے کے لیے کچھ شرم کا پانی بھی ہے؟

سب یہ لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے جو قبلِ ارتحال | یہ خبر دی تھی سرِ منبر، بہ صد حزن و ملال
آئے گا اک وقت جس میں دین پائے گا زوال | دیدۂ ملت میں ہوگا، یاس ایماں کا مآل
عدل اٹھ جائے گا، دنیا ظلم سے بھر جائے گی
لوگ زندہ ہوں گے، پر غیرت کی رگ مر جائے گی

حاکمانِ وقت ہوں گے، ظالم گم کردہ راہ | امنِ عالم، جور سے، ہو جائے گا بالکل تباہ
عترتِ زہرا سے تب ہوگا نمایاں ایک ماہ | نام ہوگا اس کا مہدی، تیغ اس کی بے پناہ
عدل سے بھر دے گا دنیا بھر کو وہ، اک آن میں
تول کر نیکی بدی، تلوار کی میزان میں

یاد تھی عباسیوں کو یہ پیمبرؐ کی خبر | تھے محرّف دین کے، ہر دم لگا رہتا تھا ڈر
نام بھی رکھتے تھے مہدی اپنے بیٹوں کا مگر | لوگ دھوکا کھائے کیونکر، ان کی سیرت دیکھ کر
پہلے اولادِ امیہ کو کہا۔ اظلم ہیں وہ
چور کی داڑھی میں تنکا، پھر یہ سوچا ہم ہیں وہ

دورِ سفاحِ بدکردار کے تا معتمد | ہر خلیفہ، عترتِ زہرا سے رکھتا تھا حسد
لے کے جعفرؑ سے حسنؑ تک، چھ امامِ مستند | زہر سے ان کے ہوئے تھے راہیِ ملکِ ابد
ڈر جو تھا غالب بہت اس کے دلِ بیتاب میں
معتمد، خود سے بھی تھے بے اعتماد، اس باب میں

اپنے فعلوں پر نظر کر کے گزرتا تھا یہ شک | میں ہوں وہ ظالم، کہ بدظن تھے رسول اللہؐ تک
پڑ چکی تھی کان میں جو اِس ولادت کی بھنک | بیٹھے بیٹھے دیکھتا تھا تیغِ مہدی کی چمک
جستجو کرتا رہا، پر ہاتھ ہی ملتا رہا
یہ چراغ آندھی کی زد میں متصل جلتا رہا

دے چکا جب عسکری کو زہر، مارِ آستیں | قتلِ مہدی پر کمر باندھی، بہ عزمِ آہنیں
اس کی فوجیں جب حرم میں آپ کے داخل ہوئیں | ہو گئے سرداب میں غائب کہیں مہدیِ دیں

جو سپاہی ہر طرف سے گھر کو تھے گھیرے ہوئے
ہو گئے اندھے، کہ آنکھیں حق سے تھے پھیرے ہوئے

آپ کے بیت الشرف سے متصل تھا ایک غار | صورتِ اصحابِ کہف اُس غار میں پایا قرار
گھر کو جب چھوڑا تو اپنا یا محمدؐ کا شعار | غارِ ثور اس کا ہے شاہد جس پہ سب کو اعتبار

نائبِ خاتم ہیں آخر نرغۂ اغیار میں
وہ چھپے تھے غار میں، یہ بھی چھپے ہیں غار میں

عمرِ طولانی جو پائی ہے تو حیرت اس میں کیا | خضر ہیں، الیاس ہیں، ادریس ہیں نامِ خدا
عمر کی کشتی کا اِن سب کی خدا ہے ناخدا | اُس نے دی عمرِ طویل اُن کو۔ انھیں بھی کی عطا

پائی یہ نعمت اُنھوں نے تو یقیں لانے لگے
مل گئی اولادِ حیدر کو تو بل کھانے لگے

سب نکالے گا یہ بل آکر علی کا جانشیں | ہو چلا ہے جس کے اب جلدی ہی آنے کا یقیں
دو سو اکسٹھ ہیں علاماتِ ظہورِ شاہِ دیں | بیشتر ظاہر ہوئیں، دس بیس باقی رہ گئیں

شہ کی آمد منسلک اللہ کی مرضی سے ہے
اپنی ڈھارس چودھویں شعبان کی عرضی سے ہے

گو نہیں ثابت کسی پر وقتِ تشریفِ حضور | ہے مگر روشن علامت وہ ظلم و ظلمت کا وفور
جبر بڑھتا جا رہا ہے جس قدر نزدیک و دور | کہتی ہے دل کی خلش، محسوس کر کے اک سرور

یا الٰہی جلد دنیا ظلم سے معمور ہو
تاکہ "حق" آجائے اور رَدّ و رِ مصائب دُور ہو

ہم تو پھر انسانِ ناقص ہیں ہمارا علم کیا | جعفرِ صادق نے صرف اتنا بتایا ہے پتا
آئے گا جب میرا پوتا۔ مہدیِ شرعِ ہدا | روزِ جمعہ ہوگا، وقتِ عصر، دن عاشور کا

اب تو کہہ سکتا ہوں میں اشکوں سے منہ دھوتے ہوئے
آئیں گے کعبے میں یہ شبّیر کو روتے ہوئے

ضبطِ غم کر کے وہ فرض انجام دیں گے لاکلام | پردۂ غیبت الٹنے کا جو ہیں منشائے عام
سب سے پہلے جائیں گے کعبے سے کوفے کو امام | کوفیانِ بے وفا، شورش مچائیں گے تمام

کیا فضا ماضی سے بدلا چاہتے ہو حال کی
کچھ نہیں ہم کو ضرورت فاطمہ کے لال کی

سن کے یہ جانِ پیمبر، کھینچ لیں گے ذوالفقار | مارے جائیں گے ہزاروں کوفیانِ بد شعار
مسجدِ کوفہ میں تب آئیں گے شاہِ نامدار | مجلسِ غم ہوگی برپا، کربلا کی یادگار

خود امامِ دیں مصائب جب بیاں فرمائیں گے
روئیں گے اہلِ عزا پیٹیں گے سر غش کھائیں گے

کن مصائب کا بیاں فرمائیں گے شاہِ زماں | جن پہ ٹکرائے گا جا کر عرش سے شورِ فغاں
کیا تعجب! ہو وہ اکبر کی شہادت کا بیاں | ہے مصیبت سی مصیبت، مرگِ فرزندِ جواں

جس پہ رہ جائے کلیجہ پھٹ کے بوڑھے باپ کا
یا حسین! اس پر ہے صابر، یہ دل تھا آپ کا

بازوئے سرور نے جب پائی شہادت نہر پر | تان کر سینہ۔ کسی بیٹے نے مرنے پر کمر
وہ جواں بیٹا۔ جو ہمشکلِ پیمبر سر بسر | جس کے سہرے کی تمنا دل میں تھی شام و سحر

عرض کی بابا سے۔ اب میداں کی رخصت دیجیے (ہے کیا کوئی لڑنے والا باقی ہے؟)
شور ہے ھَل مِن مُبارز کا۔ اجازت دیجیے

سن کے یہ، بیٹے کا منہ تکنے لگے شاہِ ہدا | دل بھر آیا۔ ڈبڈبائی آنکھ۔ اشکِ غم پیا
چھاؤنی کی سمت دیکھا۔ دل سنبھالا اور کہا | پالنے والی اجازت دے تو ہم کو عذر کیا

ہو پھپھی راضی علی اکبر، تو جاؤ شوق سے
دودھ کا حق بخش دے مادر، تو جاؤ شوق سے

سن کے یہ چومے قدم بابا کے اور تسلیم کی | سج کے تن پر اسلحہ، خیمے میں آیا وہ جری
تھی صفِ ماتم یہاں عباس کی بچھی ہوئی | سر کو ڈھانپا ماں نے، آنسو پونچھتی اٹھیں پھپھی

شان و شوکت دیکھ کر بہنیں قدم لینے لگیں
جھک کے جب مجرا کیا، زینب دعا دینے لگیں

فرش پر بیوہ، چچی کے پاس بیٹھا مہ لقا | بی بیاں سب رو دیں جب پرسہ دیا عباس کا
پھر پھپھی سے یہ گلے میں ڈال کر باہیں کہا | اذن بابا نے دیا۔ اب آپ کی کیا ہے رضا

رو کے وہ بولیں۔ مجھے تم بھی رلانے آئے ہو
غمزدہ دکھیا کا دکھتا دل دکھانے آئے ہو

بیاہ کا سہرا، مجھے کیا میری جاں، دکھلا چکے | بھابی یہ بیٹھی ہیں، ان سے نیگ کیا دلوا چکے
ماں کو حسرت تھی دلھن کی۔ بیاہ کر کیا لا چکے | کہتے تھے صغرا سے ملواؤں گا۔ کیا ملوا چکے

وہ چلے مرنے کو، ہم مرتے رہے جن کے لیے
کیا کما کر جوگ پالا تھا اسی دن کے لیے

سن کے یہ شکوے پھپھی کے، جھک گیا غازی کا سر | عمر بھر کی شفقتیں یاد آ گئیں سب۔ سر بسر
ہچکیاں بندھنے لگیں، رو دیے مچل کر اس قدر | عرض کی، ہاتھوں کو پھر رکھ کر پھپھی کے پاؤں پر

جنگ کو جاتے ہیں بابا صبر ہم کو دیجیے
واسطہ زہرا کا، میداں کی اجازت دیجیے

کہہ کے "ہے ہے" پیٹ کر بولیں بنتِ مرتضیٰ | ہیں فدا! بابا کو رو کو۔ تم سدھارو مہ لقا
موڑ کر بانو کی جانب منھ، خوشامد سے کہا | دودھ کا حق بخش دو بھابی انھیں بہرِ خدا
بولیں وہ۔ جیتے رہیں یہ بھی شہِ دلگیر بھی
میں بھی صدقے آپ کے دلبر پہ میرا شیر بھی

شاد ہو کر اکبرِ غازی اٹھے بہرِ سلام | ماں پھپھی نے دی دعا۔ رونے لگیں بہنیں تمام
شورِ گریہ میں چلا رن کی طرف، وہ نیک نام | دیر سے ڈیوڑھی پہ حاضر تھا عقابِ تیز گام
چڑھ کے گھوڑے پر، وہ بن بیاہا بنا رخصت ہوا
باپ نے تھامی رکاب اور مہ لقا رخصت ہوا

دشت میں پہنچے۔ پڑھا تن کر رجز۔ جھپٹے سوار | لگ گئے کشتوں کے پشتے، وہ کیے تن تن کے وار
شاہِ دیں دیکھا کیے، لختِ جگر کی کارزار | ناگہاں دیکھا۔ کہ برچھی ہو گئی سینے کے پار
ہائے بیٹا کہہ کے دوڑے آپ مقتل کی طرف
لے گیا گھوڑا، علی اکبر کو، جنگل کی طرف

بڑھنے پائے تھے ابھی چند اک قدم آگے جناب | یہ غمِ فطری جو تھا، دینے لگیں آنکھیں جواب
جس طرف بھی پاؤں اب اٹھتا تھا با حالِ خراب | بڑھتے جاتے تھے اُسی جانب کو جانِ بوتراب
اِس طرف کو مڑ گئے، گہ اُس طرف کو پھر گئے
کھل گئی دستار۔ الجھا پائے اقدس۔ گر گئے

اٹھ کے پھر دوڑے کسی جانب کو اس امید پر | اس طرف مل جائے گا شاید، مرا نورِ نظر
لب پہ تھا نوحہ۔ کہ اے حر! اے زُہیرِ پُر جگر | بچپنے کے میرے ساتھی اے حبیبِ نامور
ہے مصیبت کی گھڑی، امداد کو آؤ کوئی
لاش پر کڑیل جواں بیٹے کی پہنچاؤ کوئی

مسلم مظلوم کے پیارو! کہاں ہو جلد آؤ | زینب مغموم کے تارو! مجھے رستہ دکھاؤ
قاسم و عباس! میری بیکسی پر رحم کھاؤ | اے مرے شیرو! نہ مجھکو وقتِ بد میں بھول جاؤ

کاش لاشے پر علی اکبر کے پہنچا تا کوئی !
لو پکارو اب تمھیں بیٹا! نہیں آتا کوئی

اک طرف سے ناگہاں لائیں ہوائیں یہ پیام | اب تو بابا آؤ جلدی! جاں بلب ہے یہ غلام
اُس طرف دوڑے جو بیتابی میں مولائے انام | کھا کے ٹھوکر گر پڑے اک جسمِ زخمی پر امام

تھی کشش فطری، دلِ مضطر کو تڑپانے لگی
دم بدم گیسوئے اکبر کی مہک آنے لگی

"کیا مرے دلبر ہو تم،" بولے امامِ تشنہ کام | کھول کر آنکھیں کہا اکبر نے، "بابا! السلام
وقت آخر ہو گیا دیدارہ رخصت ہے غلام | دم ہے ہونٹوں پر بس اب یٰسین پڑھیے یا امام"

پاؤں پھیلا کر یہ کہتے کہتے اکبر سو گئے
پیاس کی شدت میں کوثر کو روانہ ہو گئے

آفریں ہمت پہ تیری اے حسین ابنِ علیؑ! | شیر کو دم توڑتے دیکھا۔ زباں سے اُف نہ کی
اب جواں کی لاش اٹھانے کی جو منزل آگئی | یا علی کہہ کر اُٹھے۔ کس لی کمر ٹوٹی ہوئی

جانبِ خیمہ نظر اٹھی نہ صحرا کی طرف
پاؤں تھرائے تو دیکھا مڑ کے دریا کی طرف

اشک بہہ کر رہ گئے دل نے مگر آواز دی | اے مرے عباسِ غازی! اے مرے شیرِ جری
مر گئے اکبر بھی، پرسے کو نہ آئے تم اخی | دیکھ تو جاؤ ذرا آ کر ہماری بیکسی

یہ ضعیفی اور یہ شیر ژیاں بیٹے کی لاش
باپ اٹھاتا ہے بڑھاپے میں جواں بیٹے کی لاش

پشت پر لاشہ اٹھائے۔ بھوکا، پیاسا، بے نوا | جا رہا تھا سوئے خیمہ، خاک اڑاتی تھی فضا
دیکھ کر سوئے نجف، کہتی تھی رو کر کربلا | دیجیے آکر سہارا، یا علیِؑ مرتضیٰ

تشنہ لب زخمی ہے تنہا۔ کوئی بھی یاور نہیں
یہ جواں بیٹے کی میت ہے، درِ خیبر نہیں

بس نسیم اب مرثیے کو ختم کر بس ختم کر | مجلسِ غم میں ہیں شامل خود امام منتظرؑ
عرض کر مولا سے کل سے ہاتھ اپنے جوڑ کر | جلد اب آجائیے اے حق نمائے بحر و بر

کس طرف جانا تھا آخر کس طرف جاتے ہیں ہم
کون اب ہم کو سنبھالے ٹھوکریں کھاتے ہیں ہم

سے پہلے مصرع میں "کر" فعل ہے اور اس مصرع میں فعل محطوفہ کی علامت شکل ایک ہے اور معنی مختلف۔ ایطا نہیں۔

حواشی

۱۔ مصرعِ متعلق: چپ بھی ہے قرآن "جاءَ الحق" بھی زمانے کو ہے (بند ۱)
پوری آیت: جاءالحقُ و زھقَ الباطلُ اِنَّ الباطل کان زھوقاہ
یعنی حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

۲۔ مصرعِ متعلق: صبح "حتیٰ مطلع الفجر" آگئی بالکل قریب (بند ۱۹)
پوری آیت: تنزّلُ الملائکۃُ والرّوحُ فیھا باِذنِ ربّھم مِن کلِّ امرٍ سلامٌ ھی حتّیٰ مطلعِ الفجرہ (اس جگہ اس پوری آیت کا مفہوم مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ اس رات میں فرشتے اور روح الامین دنیا کے لیے سال بھر کے احکام لے کر اپنے پروردگار کے حکم سے زمین پر آتے ہیں۔ یہ رات صبح طلوع ہونے تک سراپا سلامتی ہے۔

۳۔ مصرعِ متعلق: یہ امامِ عصر کا اعجاز طیِّ ارض ہے (بند ۲۶)
لفظی معنی زمین کا لپیٹنا۔ مراد فاصلے کا سمٹ جانا۔ جو نبیؐ کے معجزے یا امام یا ولی کی کرامت سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ شبِ معراج آنحضرتؐ کے اعجاز سے زمین تا عرش کا فاصلہ اتنا سمٹ گیا تھا کہ چشم زدن میں طے ہو گیا۔

۴۔ مصرعِ متعلق: وہ محمد ابن طلحہ جن کا مسلک شافعی (بند ۴۶)
دیکھیے ان کی کتاب مطالب السئول۔

۵۔ مصرعِ متعلق: وہ علی بن محمد، مستند جو مالکی (بند ۴۶)
دیکھیے ان کی کتاب الفصول المہمہ۔

۶۔ مصرعِ متعلق: ابنِ عربی یعنی محی الدین دینِ حنبلی (بند ۴۶)
دیکھیے ان کی کتاب فتوحات۔

۷۔ مصرعِ متعلق: رہبرِ احناف قاری بے بدل ملا علی (بند ۴۶)

دیکھیے ان کی کتاب مرقات شرحِ مشکوٰۃ۔

ٍ۸ مصرعِ متعلق: ساتھ ان سب کے جو عبد الحق محدث آئے ہیں (بند ۴۶)
یہ مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے۔ دیکھیے ان کی کتاب مناقب الائمہ۔

ٍ۹ مصرعِ متعلق: بزم میں جامی بھی اک جامِ شواہد لائے ہیں (بند ۴۶)
یہ بھی مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے۔ دیکھیے ان کی کتاب شواہد النبوت۔

ٍ۱۰ مصرعِ متعلق: شیخ با توقیر ابنِ احمدِ خشاب سا (بند ۴۷)
دیکھیے ان کی کتاب تاریخِ موالید۔

ٍ۱۱ مصرعِ متعلق: دولت آبادی شہاب الدین مردِ پارسا (بند ۴۷)
دیکھیے ان کی کتاب ہدایت السعدا۔

ٍ۱۲ و ۱۳ مصرعِ متعلق: ابن یوسف کنجوی ملا حسین باخدا (بند ۴۷)
دیکھیے ابو عبد اللہ محمد بن یوسف کنجوی شافعی کی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان۔ اور ملا حسین کی کتاب شرحِ دیوان۔

ٍ۱۴ مصرعِ متعلق: سبط ابنِ جوزیِ علامہ و شمعِ ہدیٰ (بند ۴۷)
دیکھیے ان کی کتاب تذکرۂ خواص الائمہ۔

ٍ۱۵ مصرعِ متعلق: بزمِ مہدی کے مکیں ہیں شیخ شعرانی کے پاس (بند ۴۷)
دیکھیے ان کی کتاب الیواقیت والجواہر۔

ٍ۱۶ مصرعِ متعلق: اور یہی لعل و جواہر ہیں بدخشانی کے پاس (بند ۴۷)
دیکھیے ان کی کتاب مفتاح النجات۔

ٍ۱۷ مصرعِ متعلق: شبلنجی نورِ بصیرت کی ہیں اک طلعت لیے (بند ۴۸)
دیکھیے ان کی کتاب نور الابصار۔

۱۸ مصرعِ متعلق: اور علاؤ الدولہ سمنانی بھی یہ دولت لیے (بند ۴۸)
دیکھیے ان کی کتاب تاریخِ الخمیس۔

۱۹ مصرعِ متعلق: شیخ قندوزی بھی قند دانش و حکمت لیے (بند ۴۸)
دیکھیے ان کی کتاب ینابیع المودت۔

۲۰ مصرعِ متعلق: زینتِ محفل سیوطی کے درشہوار ہیں (بند ۴۸)
دیکھیے ان کی کتاب تفسیر درّ منثور۔

۲۱ مصرعِ متعلق: شیخ واعظ کاشفی بھی کاشفِ اسرار ہیں (بند ۴۸)
دیکھیے ان کی کتاب تفسیرِ حسینی۔

۲۲ مصرعِ متعلق: صاف کرتے ہیں رقم ابن حجر، پتھر کے لال (بند ۴۹)
دیکھیے ان کی کتاب صواعق محرقہ۔

۲۳ مصرعِ متعلق: چار ہی آیات پڑھ پڑھ کر کلیجے ہوں گے شق (بند ۵۷)
(اول) سورۂ توبہ کا آیۂ ۳۲ (فصول مہمہ علی بن محمد مالکی، تفسیر کبیر امام رازی، درمنثور سیوطی) ــــ (دوم) سورۂ ہود کا آیۂ ۸۶ (فصول مہمہ، روایت صبّاغی جو مسلمانوں میں بہت بڑے عالم تھے) ــــ (سوم) سورۂ نور کا آیۂ ۵۵ (مطلب واضح) ــــ (چہارم) سورۂ زخرف کا آیۂ ۶۱ (درمنثور سیوطی)